بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ

از تصانیف جناب فخر الحکما صدر العلما مولانا الحاج
السیّد علی اظہر صاحب دامت برکاتہ

رسالۂ الیدین

۱۳۲۷ھ

ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے والا رسالہ
تمامی خریداران اصلاح ۱۳۲۷ھ کے لئے تحفہ

مطبع اصلاح کھجوہ ضلع سارن سے شائع ہوا

۲

ارسال الیدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین والہ الطاہرین اما بعد اس رسالہ کی غرض اصلی اس امر کی تحقیق ہے کہ نماز پڑھنے مین ہاتھ کھول کر پڑھنا چاہیے جو طریقہ شیعہ ہے یا ہاتھ باندہ کر جو طریقہ اہلسنت ہے۔ مگر اس تحقیقات کا مدار صرف کتب معتبرہ اہلسنت پر ہے نہ کوئی روایت شیعہ لیجائیگی نہ اونکی کسی کتاب کا حوالہ دیا جائیگا۔

چونکہ اسکے قبل تین مسئلہ کی تحقیق اسی قاعدہ سے ہو چکی ہے ایک مسئلہ کلوخ جسمین رسالہ الحجرہ تصنیف ہوا اور اوسنے تمام عالم کو بتادیا کہ کلوخ لینے کے بارے مین کسی طرح کی حدیث رسول اللہ سے نہین منقول ہے۔ بلکہ تمامی اہلسنت اس مسئلہ میں حضرت عمر کی سنت پر قائم ہیں جسنے ثابت کردیا کہ اہلسنت کا عمل طریقہ عمری پر ہے نہ سنت نبی پر۔

دوسرا رسالہ وضو جسنے بدیہی طور پر کھول دیا کہ خلاف نص صریح قرآن فامسحوا برءوسکم وارجلکم الی الکعبین جو طریقہ اہلسنت مین جاری ہے کہ وہ

عمل قدیمی کرتے ہیں اسکے موجد بھی عمر صاحب ہیں نہ خدا اور رسول تیسرا رسالہ البسملہ ہے جسنے تمام عالم پر ثابت کر دیا کہ رسول اللہ کا عام طریقہ یہی تھا کہ نماز مین ہر سورہ کے ساتھ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو باواز بلند پڑہا کرتے تھے۔ مگر چونکہ عمر صاحب اسے نماز مین نہ پڑہتے تھے اسلئے وہی طریقہ اہلسنت مین رائج ہوا اور آیات و احادیث کے خلاف آج تک عمل کر رہے ہین خواہ اہل حدیث ہون یا حنفی۔ حالانکہ خاص طور پر صحیح بخاری مین اسکا حکم تاکیدی موجود ہے کہ پیشاب مین پوری طہارت کرو عذاب قبر بیشتر اسیوجہ سے ہوتا ہے مگر چونکہ حضرت عمر پانی سے استنجا نہ کرتے تھے بلکہ دیوار پر رگڑ لیتے یا زمین پر وہی دستور اہلسنت مین جاری ہے بلکہ اوسی صحیح بخاری مین یہ بھی حکم ہے کہ حضرت نے قبرون پر تر ڈالیان رکھین اور بریدہ اسلمی صحابی نے اسکی وصیت کی کہ بوقت دفن اونکے ساتھ جریدتین رکھے جائین۔ مگر اہلسنت کا عمل خلاف ہے لہذا نہایت واضح طور پر معلوم ہوا کہ اہلسنت کا عمل سنت عمر پر ہے اور اہل حق شیعہ اثنا عشریہ کا عمل سنت رسول اللہ پر کہ ایک امر مین بھی سنت نبوی کی مخالفت نہین کرتے۔ تو کیا اب بھی اسکے مدعی ہو سکتے ہین کہ اونکا عمل سنت رسول اللہ پر ہے ؟ ہرگز نہین۔

اب اس رسالہ کی تقسیم ایک مقدمہ اور دو جملون پر کی جاتی ہے پہلے جملہ مین ہاتھ کھولنے کے دلائل مذکور ہونگے اور دوسرے جملہ مین ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کے دلائل کا ابطال کیا جائیگا شاید کوئی مسلمان اس سے ہدایت پائے اور راہ حق قبول کرے واللہ ولی التوفیق۔

مقدمہ

اس مسئلہ مین اہلسنت کا چار مذہب ہے جسکو علامہ عبد الوہاب شعرانی اپنی کتاب رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ مین ان لفظون سے لکھتے ہین ۔

فصل واجمعوا علی انہ یسن
وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ
الا فی روایۃ عن مالک وھی
المشہورۃ انہ یرسل یدیہ
ارسالا وقال الاوزاعی بالتخییر
واختلفوا فی محل وضع الیدین
فقال ابوحنیفۃ تحت السرۃ
وقال مالک والشافعی تحت
صدرہ فوق سرتہ وعن احمد
روایتان اشہرھما وھی التی
اختارھا الخرقی کمذہب
ابوحنیفۃ والسنۃ عند الثلاثۃ
ان ینظر المصلی الی موضع
سجودہ ص ۳۱ مطبوعہ مصر
حاشیہ میزان الکبری

اجماع کیا ہے (آئمہ اہلسنت نے)
کہ سنت ہے رکھنا داہنے ہاتھ کا بائین
ہاتھ پر نماز مین (۲) مگر مالک سے روایت
ہے اور وہی مشہور بھی ہے کہ وہ
ہاتھون کو کھولکر نماز پڑہتے تھے (۳)
اوزاعی قائل تخییر ہین کہ نماز پڑہنے
والے کو اختیار ہے ہاتھ کھولکر نماز پڑہے
یا باندھ کر۔
اب اسمین اختلاف ہے کہ دونو ہاتھ
کہان رکھے جائین (۱) ابوحنیفہ کہتے
ہین زیر ناف ۔ (۲) مالک شافعی
کہتے ہین ناف کے اوپر سینہ کے نیچے
احمد سے دو روایت ہے مشہور
جسے خرقی نے بھی اختیار کیا ہے ۔
مطابق ابوحنیفہ ہے (زیر ناف

اور تینون کے نزدیک یہ سنت ہے کہ مصلی نماز مین نظر کرے طرف موضع سجود اپنے۔

تو اب معلوم ہوا کہ ہر امام کا مذہب جداگانہ ہے ایک ہاتھ کھولتا ہے دوسرا سینہ پر تیسرا از زیر ناف رکھتا ہے چوتھا کہتا ہے جہان چاہو رکھو جس سے ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس نتیجہ پر ضرور پہنچتا ہے کہ یہ مذہب رسول اللہ سے نہین لیا گیا ہے نہ اونکے طریقہ پر انکا عمل ہے۔ کیونکہ یہ ضرور ہے کہ حضرت کا کوئی خاص معمول تھا جسکے مطابق آپ نماز پڑھتے۔ اگر اس مذہب کے اصول و فروع آپسے ماخوذ ہوتے تو اومین یہ اختلاف نہوتا۔ اگر کوئی یہ کھے کہ حضرت ہر طرح سے پڑھتے تھے یعنی کوئی آپکا خاص طریقہ نہ تھا۔ بلکہ جب جیسا دلمین آیا ویسا کیا ہے۔

تو گویہ مقولہ کسی مسلم کا نہین ہو سکتا جو حضرت پر ایسا اتہام لگائے۔ مگر بالفرض اگر یہی بات ہے تو پھر ہر امام نے ایک خاص طریقہ اپنا کیون بنا رکھا جس سے معلوم ہوا کہ بغرض تفریق جماعت مسلمین۔ فرقہ بندی قایم کرنے کے لئے ہر امام نے ایک ایک خاص صورت نکالی کہ مسلمانون کی جماعت متفرق ہو تاکہ معلوم ہو کون کس مذہب کا پابند ہے حالانکہ خداوند عالم فرماتا ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا فتذھب ریحکم

شعرانی سے تعجب ہے کہ ارسال نہونے وضع یمین علی الشمال پر دعوے اجماع کیون کیا۔ حالانکہ اسی مقام پر وہ لکھ رہے ہین کہ مذہب مالک ارسال ہے (ہاتھ کھولنا) اور اوزاعی کی نسبت کہتے ہین کہ وہ قائل تخییر ہین۔

کہ مصلی مختار ہے ہاتھ کہولکر پڑھے یا باندہ کر پھر اجماع کہان رہا

حالانکہ یہی شعرانی اپنی میزان کبری مین امام شافعی سے ناقل ہین وبہ صرح

الشافعی فی الام فقال وان ارسلہما ولم یعبث بہما فلا باس ص ۱۲۶

یعنی اسکی تصریح کی ہے شافعی نے ام مین کہ اگر دونو ہاتھ کہول دے اور بازی نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہین - لہذا معلوم ہوا کہ شافعی بھی ارسال کے قائل ہین اور اسکو جائز جانتے ہین -

اس تصریح سے معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ مین کوئی دلیل شرعی انلوگونکے پاس نہین ہے جس سے ہر قسم کے فتوے دئے گئے - آہ آہ نماز جو عمدہ ارکان دین سے ہے بلکہ مطابق عقاید اہلحدیث اصول دین مین داخل ہے - اوسکی کیا گت بنائی گئی کہ ظاہری صورت پر بھی نماز کے اتفاق نہین کہ آخر نماز پڑھی جائے تو کسطرح جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگون نے کبھی دیکھا ہی نہین کہ رسول اللہ کیونکر نماز پڑھتے ہین - ہاتھ باندہتے ہین یا کہول کر پڑھتے ہین

ان اختلافات سے آپ اس نتیجہ پر بھی ضرور پہونچینگے کہ کوئی روایت صحیح انکے پاس نہین ہے جس سے استدلال کرسکین - کیونکہ اگر کوئی حدیث ہوتی تو اسقدر اختلافات نہوتے -

اف رہی بےخبری مسلمانون کی نماز سے اور اوسکے ارکان و آداب سے کہ اسدرجہ بےخبر رہے کہ یہ بھی نہ معلوم ہوا سنت رسول کیا تھی اور اسپر دعوے اسلام ہے -

یہ سب نتیجہ ہے اتباع صحابہ کا جو ماخذ احکام شریعت بنائے گئے اور

اور اونکی روایت یا فعل پر مذہب کا مدار رکہا گیا ورنہ اگر وہ اتباع ثقلین کرتے کتاب و عترت طاہرہ سے احکام لیتے تو ہرگز کوئی اختلاف نہ ہوتا یہی وجہ ہے کہ نہ شیعوں مین کوئی اختلاف ہے نہ کوئی افتراق تمامی مومنین ہاتھ کھولکر نماز پڑہتے ہین جو سنت رسول اللہ ہے۔

مصالح قبض و لبسط ید اگر اس بیان شافی سے کہ اگر یہ لوگ عامل سنت رسول ہوتے تو یہ اختلاف نہوتا تشفی نہو تو مزید تسکین کے لئے اون فواید و مصالح پر نظر کیجئے جو حضرات اہلسنت نے اپنی موشگافی سے یہان توجیہ نکالی ہین ۔ علامہ عبد الوہاب شعرانی میزان کبری مین لکھتے ہین ص ۱۲۵ جلد اول مطبوعہ مصر

ومن ذلك اتفاق الائمة على استحباب وضع اليمين على الشمال في القيام وما قام مقامه مع قول مالك في اشهر روايتيه انه يرسل يديه ارسالا ومع قول الاوزاعي انه يتخير فالاول مشدد والثاني وما بعده مخفف وان تفاوت التخفيف ووجه الاول ان صورة موقف	یعنی اسی قبیل سے ہے اتفاق ائمہ اربعہ اسپر کہ نماز مین داہنا ہاتھ بائین پر رکہنا چاہیے یا جو اسکے قایم مقام ہو۔ حالانکہ قول مالک مشہورترین روایات مین یہ ہے کہ وہ دونو ہاتھ اپنے کھولتے تھے نماز مین پوری طور سے ۔ اور اقول اوزاعی یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے چاہے کھولے یا باندہے ۔ پس پہلا قول (باندہنے کا) مشدد ہے

العبد بین یدی سیدہ
وھو خاص بالاکابر من العلماءٔ
والاولیاء بخلاف الاصاغر
فان الاولی لھم ارخاء الیدین
کما قال بہ مالک رحمہ اللہ
وایضاح ذلک ان وضع
الیمین علی الیسار یحتاج
فی مراعاتہ الی صرف الذھن
الیہ فیخرج بذلک کمال
الاقبال علی مناجاۃ اللہ
عز وجل التی ھی روح الصلوٰۃ
وحقیقتھا بخلاف ارخاءھما
بجنبیہ ثم اختلفوا فی محل
وضع الیدین فقال ابوحنیفۃ
تحت السرۃ وقال مالک
والشافعی تحت صدرہ
فوق سرتہ وعن احمد روایتان
اشھرھما کمذھب ابی حنیفۃ
واختارھا الخرقی ووجہ

(یعنی سختی کرنے والا) اور دوسرا
مخفف ہے تخفیف کرنے والا اگرچہ
درجہ تخفیف مین تفاوت ہے۔
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ عبد
کی صورت سامنے اپنے آقا کے یہی
ہونی چاہئے۔ اور یہ خاص ہے
اکابر علما اور اولیا کے ساتھ بخلاف
اصاغر (چھوٹے درجہ کے لوگ) کہ
اونکے لئے یہی اولی ہے کہ ارخاء
کرین (ہاتھ کہولے رہین) جیسا کہ
مذہب مالک ہے توضیح اسکی یہ ہے
کہ دائین ہاتھہ کا رکہنا بائین پر۔
اسکا محتاج ہے کہ ذہن بٹا رہے
جس سے کمال اقبال یعنی توجہ
مین کمی آجائیگی۔ حالانکہ یہی روح
نماز ہے اور حقیقت صلاۃ (یعنی
ہاتھ باندہنے سے خضوع وخشوع
مین کمی ہوتی ہے) بخلاف ہاتھ
کہولنے کے دونو طرف رکہ دینے

الاول خفة كونها تحت السرة
على المصلى بخلاف وضعها
تحت الصدر فانه يحتاج
الى مراعاتها لثقل اليدين
وتدليهما اذا طال الوقوف
فرجع الامر الى مرتبتى الميزان
فلذلك كان استحباب
وضع اليدين تحت الصدر
خاصًا بالاكابر الذين
يقدرون على مراعاة شيئين
معًا فى آنٍ واحدٍ دون
الاصاغر وسمعت سيدى
عليا الخواص رحمه الله يقول
وجه قول من قال بعدم
استحباب وضع اليدين
تحت الصدر مع ورود ذلك
من فعل الشارع كون مراعاة
المصلى دوامها تحت الصدر
يشغله غالبا عن مراعاة

خضوع مین کمی نہ ہوگی)
پھر اسمین اختلاف ہے کہ دونو
ہاتھ کہان رکھے جائین - ابو حنیفہ
تو تحت السرہ کہتے ہین (زیرناف)
اور مالک وشافعی کہتے ہین تحت
الصدر فوق السرہ (سینہ کے
نیچے ناف کے اوپر) احمد سے دو
روایت ہے مشہور وہی ہے جو
موافق ابو حنیفہ ہے - اسیکو خرقی
نے اختیار کیا ہے پہلے (زیرناف)
کی یہ وجہ ہے کہ اگر وہان رکھینگے
تو نماز پڑہنے والے پر کوئی ثقل
(بوجھ) نہوگا - بخلاف اسکے کہ اگر
سینہ کے نیچے رکھینگے - تو وہ اسکا
محتاج ہوگا کہ ہر وقت اوسکا
خیال رکھا جائے - کیونکہ ہاتھ
خود ثقیل ہے - اور فطرۃ وہ
نیچے لٹکا جاہتا ہے جب دیر تک
قیام رہے -

كمال الاقبال على مناجاة
الله عز وجل فكان ارسالهما
اوجعلهما تحت السرة
مع كمال الاقبال على المناجاة
والحضور مع الله اولى
من مراعاة هيئة من الهيئات
فمن عرف من نفسه العجز
عن مراعاة كون يديه تحت
صدره في الصلوة الا مع
الغفلة عن كمال الاقبال
على الله عز وجل فارسال
يديه بجنبيه اولى وبه
صرح الشافعي في الام فقال
وان ارسلهما ولم يعبث
بهما فلا بأس ومن عرف
من نفسه القدرة على الجمع
بين الشيئين معا في آن
واحد كان وضع يديه
تحت صدره اولى وبذلك

تو اب میزان کے دونو طرف
رجوع کرنا پڑا - اسلئے مستحب ہوا
ہاتھ رکھنا سینہ کے نیچے - اکابر علما
اولیاء) کے لئے جو قادر ہین دونو
امر کی مراعات کے (یعنی خضوع
کا بھی خیال رکھین - اور ہاتھونکو
سینہ کے نیچے بھی سنبھالین) نہ اصاغر
(یعنی کم درجہ والونکے لئے یہ حکم نہین
ہے)

ہمنے اپنے سید علی خواص رحمہ سے
سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ جو لوگ
اسکے قائل ہین کہ سینہ کے نیچے
رکھنا چاہئے حالانکہ یہ فعل شارع سے
ثابت ہے (باوصف ثبوت مخالفت
کمال التعجب خیز ہے) تو اسکی یہ وجہ
ہے کہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے حضور
قلب پورا نہین حاصل ہوتا حالانکہ
اصل نماز ہی حضور قلب ہے - اسی
لئے ہاتھون کا کھولنا اولی ہے

اور اسکی تصریح کی ہے شافعی نے کتاب ام مین کہ وہ اگر ہاتہون کو	تحصیل الجمع بین اقوال الائمہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ص ۱۲۵

کہولدے دونو بغل کی طرف اور بازی نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہین۔ اور جو شخص اپنی نفس سے جانے کہ حضور قلب اور ہاتہو نکے رکھنے کو دونو کو ساتھ ہی سنبھال سکتا ہے تو اوسکے لئے سینہ کے نیچے ہاتھ رکھنا بہتر ہے اور اس طریقہ سے ائمہ اربعہ کے اقوال مین جمع حاصل ہوگا۔ انتہی ترجمہ

یہ ہین توجیہین اور اسکا نام ہے موشگافی کس کس طرح بال کی کہال نکالی جاتی ہے۔ مگر نہ اسمین کوئی قول رسول ہے نہ قول خدا بلکہ ائمہ اربعہ کی جانب داری ہے اور شعرانی کی موشگافی جسکا خلاصہ یہ ہے۔

کہ اصل مقصود بلکہ نماز کی روح کیا ہے حضور قلب۔ وہ اسی صورت مین حاصل ہو سکتا ہے کہ جب ہاتھ کھلے رہین کیونکہ اسوقت مین اوسکا دل ودماغ صرف خدا کی طرف متوجہ ہوگا۔ بخلاف اسکے کہ اگر ناف پر رکھے یا سینہ پر تو ہر حال مین حضور قلب مین فرق آئیگا اور پوری طور سے حضور قلب نہوگا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بہتر کیا ہے ہاتھ کا کہولنا جس سے حضور قلب پوری طور سے ہو سکتا ہے کہ ہاتھ باندہنا جس سے بہر طور حضور قلب مین کمی ہوگی اب یہان تعصب مذہبی کو چہوڑ دیجئے اور پہلے کسی شیعہ کی مسجد مین جاکر اوسکے پیشنماز کو دیکھئے (کیونکہ عوام کا اعتبار نہین) پھر اوسکے بعد آپ پہلے حنفیون کی مسجد مین جائیے۔ پھر اہلحدیث کی مسجد مین۔ اور غور کی نگاہ سے دونون کے افعال نماز پر نظر کیجئے تو صاف معلوم ہوگا شیعہ نماز کو ایک

عبادت سمجھکر پڑھ رہا ہے۔ اور سنی اپنی نوکری بجالا رہا ہے کہ جلد کام کرکے بھاگو۔

ہان شعرانی نے جو حنفی المذہب ہین ائمہ اربعہ کے اختلاف سے مسلمانونکو تین کلاس پر منقسم کیا ہے۔ ایک (لور کلاس) ادنی (اصاغر) دوسرے انٹرمیڈیٹ اکابر) تیسرے (فرسٹ کلاس) اونکے بھی بزرگ۔ اصاغر یعنی پست درجہ والونکے لئے تو اسکا فتوی دیا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھین کیونکہ اسمین حضور قلب زیادہ ہے اور یہی فتوی امام مالک ہے جسکے مطلب یہ ہوئے کہ امام مالک کا درجہ پست ہے وہ ادنی درجہ کے لوگونکے امام ہین حالانکہ بالاتفاق اہلسنت اونکو سب سے معظم و محترم جانتے ہین۔

دوسرے درجہ کے امام اعظم ہین جو زیر ناف ہاتھ رکھنے کو کہتے ہین کیونکہ اسمین پھر بھی آسانی ہے اور حضور قلب بہ نسبت پہلے کے کم۔

تیسرے یعنی فرسٹ کلاس کے امام شافعی ہین جسمین زیادہ دقت ہے کہ زیر صدر ہاتھ رہے۔ اور حضور قلب بالکل نہو۔

تو اس تقسیم کا ماحصل یہ ہوا کہ جسقدر حضور قلب کم ہوگا اوسی درجہ اوسکی عزت ہے کیونکہ جب سینہ پر ہاتھ رکھنے سے حضور قلب کی کمی کا ہونا لازم ہے۔ تو پھر اوسکی عظمت کے قائل ہونے کا یہی نتیجہ ہے کہ جہانتک حضور قلب کم ہو وہ بہتر ہے۔

اسکی وجہ تو آپکو معلوم ہو گی کہ اسکی ابتدا کس سے ہے شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا مین لکھتے ہین ابو بکر عن عروہ قال عمر انی لاحسب

جزیہ البحرین وانا فی الصلوٰۃ - ابوبکر عن عثمان النہدی قال عمر لاجہز جیوشی وانا فی الصلوٰۃ ص ۹۳

یعنی ابوبکر عروہ سے ناقل ہین کہ کہا عمر نے تحقیق مین حساب کرتا ہون جزیہ شہر بحرین کا نماز مین اور ابو عثمان نہدی سے روایت ہے کہ کہا عمر نے مین تو اپنا لشکر طیار کر کے روانہ کر دیتا ہون حالانکہ مین نماز پڑہتا ہون۔

تو اب معلوم ہوا کہ اصلی اسکی وجہ کہ حضور قلب والی نماز پست درجہ کی ہو اسیوجہ سے ہے کہ خلیفہ دوم کے دستور العمل کے خلاف ہے۔ کیونکہ اونکی نماز تو صرف اسلام کی پردہ داری کے لئے تہی۔ مگر افسوس کہ شاہ ولی اللہ صاحب کو اس مسئلہ خاص مین کوئی روایت نہ ملی کہ آخر حضرت عمر نماز کیونکر پڑہتے تھے ہاتھ کہول کر یا باندہ کر مگر جب یہ مسلم ہو چکا کہ ہاتھ باندہنے سے حضور قلب مین فرق آتا ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ وہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہتے ہون کیونکہ جزیہ وغیرہ کا حساب لشکر کی روانگی بھی تو توجہ قلب پر منحصر ہے پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ ہاتھ باندہ کر نماز پڑہین - اور آیندہ معلوم ہوگا کہ تمامی اہل مدینہ کا یہی عمل تھا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑہین۔

یہان اگر نماز جناب امیر پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے تو معلوم ہو کہ اوسکی کیا حالت تھی کیونکہ تمام عالم کو معلوم ہے حضرت اس حضور قلب سے نماز پڑہتے تہے کہ پائے مبارک سے تیر نکال لیا جاتا تو آپکو اوسکے درد والم کا احساس نہوتا حالانکہ قبل نماز اوسکا نکالنا نہایت موذی اور تکلیف دہ تھا کہ نکل نہ سکتا تھا۔

بہرحال ان تحقیقات سے اسقدر تو یقیناً معلوم ہوا کہ حضور قلب صرف
اوسی صورت مین حاصل ہوسکتا ہے جب ہاتھ کہلے رہین۔ اور ہاتھ باندہنے
مین وہ بات کسی طور سے نہین حاصل ہو سکتی۔ تو اب جنکو نماز بحضور
قلب پڑہنا ہو اونکو یہی لازم ہے۔

ہان یہ امر دریافت طلب ہے کہ یہ تقسیم کس قاعدہ سے کی گئی ہے کیا
خدا کا کوئی حکم ہے یا رسول کا کہ تم آدمیونکو تین حصہ پر تقسیم کرو ایک اکابر۔
دوسرے اوسط تیسرے اصاغر اور تینون کے لئے نماز کی ہیئت کا حکم
جداگانہ ہے۔ اگر یہ تقسیم شارع علیہ السلام سے ثابت ہوجائے تو بہتر ورنہ آیہ
فمن یشاقق الرسول پر خیال کرنا چاہیے۔

قرآن سے استدلال ہاتھ باندہنے پر اب اسپر اور ترقی کیجئے تو ایک
ایسا زعفران زار کشمیر نظر آئے کہ سارے نظارونکو آپ بھول جائیں کیونکہ
یہی علامہ شعرانی اپنے شیخ اکبر محی الدین عربی کا ایسا لطیفہ نقل کرتے ہین
جس سے سننے والونکے پیٹ مین بل پڑجائے کیونکہ اونہونے قرآن سے بلکہ
خود سورہ الحمد للہ سے اسکو ثابت کردیا ہے کہ نماز مین ہاتھ باندہنا چاہیے
دیکھئے علامہ شعرانی کبریت احمر فی علوم الشیخ الاکبر مین لکھتے ہین ص ۵
برحاشیہ الیواقیت والجواہر۔

ذکر الشیخ فی الباب التاسع و الستین وثلثمائۃ مانصہ اعلم ان من آداب الوقوف	یعنی شیخ محی الدین نے فتوحات مکیہ کے باب ۳۶۹ مین لکھا ہے کہ اداب وقوف سے سامنے خداوند عزوجل کے تذلل

بين يدى الله تعالى فى
الصلوة الذل والمسكنة و
التكنف شغل العبد الذليل
فى حال مناجاة سيده وقد
وردت السنة بذلك وهو
عندى احسن من اسبال
اليدين قال وايضاح ماقلناه
ان الله تعالى قسم الصلوة
بينه وبين عبده نصفين فجزء
منها يخلص لله من اولها
الى قوله مالك يوم الدين
فهذا بمنزلة اليد اليمين اشارة
للقوة الالهية قال تعالى
لاخذنا منه باليمين والجزء
الاخر يخلص للعبد من قوله
اهدنا الى اخر السورة فهذا
بمنزلة اليسرى الذى هو
الجانب الاضعف الاصغر
قال ولما كان جزء منها بين

وسکنت ہے۔ اور ہاتھ باندھنا شغل
عبد ذلیل ہے وقت مناجاۃ خداوند
عزوجل۔ اور اسکے مطابق سنت
بھی وارد ہے۔ اور یہ میرے نزدیک
ہاتھ کھولنے سے افضل ہے توضیح
اسکی یہ ہے کہ خدانے نماز کو دو حصہ پر
تقسیم کیا ہے ایک حصہ اپنے لئے اور
ایک حصہ بندہ کے لئے۔ پس جو جزو
کہ خالص ہے خدا کے لئے اوسکی ابتدا
بسم اللہ سے ہے مالک یوم الدین تک
یہ بمنزلہ دست راست کے ہے جسمیں اشارہ
ہے طرف قوت الہیہ کے کہ خدا فرماتا ہے
واخذناہ بالیمین۔

اور دوسرا جزو جو خاص بندہ کا حصہ ہے
وہ شروع ہوتا ہے اھدنا الصراط
المستقیم سے آخر سورہ تک پس
یہ بمنزلہ دست چپ ہے جو جانب ضعیف
وصغیر ہے۔

اور چونکہ ایک جزاس سورہ کا مشترک

الله وبين عبده وهو قوله
اياك نعبد واياك نستعين
جمع العبد بين يدي في الصلوة
مجامع المناجاة فكملت صفة
العبد بجمعه بين يديه ولو
اسبل يديه لم تكمل صفته
فانظر الى هذه الحكمة ما
اجلاها الذي عينين انتهى
ثم لا يخفى انه اذا كان جعل
اليدين على الصدر تشغل
العبد عن مناجاة ربه فارسالهما
اولى فالتحقيق ان جعل اليدين
على الصدر للكملاء الذين
لا يشغلهم ذلك عن الله تعـ
وان ارسالهما اولى لغير الكمال
اذ مراعاة وضعهما على الصدر
يشغل عن كمال التوجه فليتامل
والله اعلم ص ۷۵ برحاشيه
اليواقيت والجواهر

ہے درمیان خدا اور بندہ کے کہ وہ
آیہ ایاک نعبد وایاک نستعین ہے
لہذا بندہ کے جمع کرنیسے دونون
ہاتہون کے سامنے خداوند عالم کے
کامل ہوتی ہے صفت عبودیت۔
اور دیکھو یہ کیسی حکمت ہے جو واضح
ہے صاحب معرفت کے لئے۔
خود شعرانی بعد نقل اس عبارت کے
لکھتے ہین کہ جب ہاتہونکا رکھنا سینہ پر
۔انسان کو باز رکھتا ہے مناجات
خدا سے۔ تو ہاتہونکا کہولنا اولی ہے
پس تحقیق یہ ہے کہ ہاتھونکا رکھنا سینہ
پر اون کاملون کے لئے ہے جنہین
اسطرح کے ہاتھ رکہنے سے مناجاۃ
خدا مین فرق نہ آتا ہو۔ اور ہاتہونکا
کھولنا اولی ہے۔ غیر صاحب
کے لئے کیونکہ ہاتہون کے رکھنے
کا خیال باز رکھتا ہے مناجاۃ
اور کمال توجہ سے۔

اس کا نام ہے معرفت اور اس کا نام ہے تحقیق کہ کس خوبصورتی سے ہاتھ باندہنے

کو قرآن سے نہین بلکہ سورۂ الحمد سے ثابت کر دیا کیونکہ سورہ الحمد کا نصف

حصہ خدا کے لئے ہے وہ دایان ہاتھہ ہوا۔ اور نصف حصہ بندہ کے لئے

وہ بایان ہاتھ ہوا۔ اور چونکہ ایک آیہ مین خدا اور بندہ دونو شریک

ہین لہذا دونو ہاتھ باندہکر کھڑا ہونا چاہیے۔

کیا کہنا ہے اس تحقیق کا اور کیا کہنا ہے اس عرفان کا کہ مارین سر پہوٹے

گھٹنا اسی کا نام ہے۔

لطیفہ شب قدر یہان بے اختیار وہ لطیفہ یاد پڑتا ہے کہ خلیفہ

دوم کے سامنے لیلۃ القدر کی تحقیقات ہو رہی تھی کہ کون سی شب

ماہ مبارک رمضان مین لیلۃ القدر ہے۔ یہ معمی کسی طرح حل نہوتا تھا

لہذا خلیفہ دوم نے حضرت ابن عباس سے فرمایش کی غوطہ لگا کر

لیلۃ القدر کا پتہ لگاؤ۔ ابن عباس نے چٹکیو نمین حل کر دیا کہ لیلۃ القدر

مین نو حرف ہے۔ اور تین مرتبہ اسکا ذکر سورۃ القدر مین آیا ہے لہذا

۹ کو تین مین ضرب دو تو ۲۷ حاصل ہوتے ہین۔ پس یہی شب قدر ہے

اور اسی پر تمامی اہلسنت کا عمل ہے کہ ۲۷ کو شب قدر مناتے ہین۔

جس مذہب کا یہ استدلال ہو اور اسطرح مذہب قایم کیا جاتا ہو پھر

اوس مذہب کا کیا ٹھکانا اور کیا حساب کہ جدہر کا جوڑ چاہا جدہر لگا دیا

اور ایک مسئلہ گڑھ لیا۔

اگر آپکو میرا کلام باور نہ آئے تو تحقیقات اہلسنت ملاحظہ فرمائین کہ

وہ کن لفظون سے اس تحقیقات کو لکھتے ہین اور پھر شرماتے ہین۔

تفسیر کبیر مین ہے صفحہ ۲۳۶ جلد ۸۔

وثالثہا نقل عن ابن عباس انہ قال لیلۃ القدر تسعۃ احرف وھو مذکور ثلث مرات فیکون السابعۃ والعشرین

اور فتح الباری مین ہے۔ وقد استنبط بعضھم ذلک من جھۃ اخری فقال لیلۃ القدر تسعۃ احرف اعیدت فی السورۃ ثلث مرات فذلک سبع وعشرون ص ۲۲۳ جلد ۲

ترجمہ تفسیر کبیر۔ یعنی ابن عباس سے روایت ہے کہ اونہونے کہا لیلۃ القدر مین نو حرف ہے اور تین مرتبہ سورہ مین آیا ہے لہذا ۲۷ تاریخ شب قدر ہے۔

اور فتح الباری مین ہے کہ بعض لوگون نے دوسری طرح سے استنباط کیا ہے کہ لیلۃ القدر کے نو حرف ہین اور سورہ مین تین مرتبہ اوسکا اعادہ کیا گیا لہذا ۲۷ شب قدر ہے۔

دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ اوسی فتح الباری مین ہے وزعم ابن قدامہ ان ابن عباس استنبط ذلک من عدد کلمات السورۃ و قد وافق قولہ فیھا ھی سابع کلمۃ بعد العشرین وھذا نقلہ ابن حزم عن بعض المالکیہ وبالغ فی انکارہ نقلہ ابن عطیہ فی تفسیرہ وقال انہ من ملح التفاسیر ولیس من متین العلم ص ۲۲۳ جلد ۲

یعنی ابن قدامہ نے یہ گمان کیا ہے کہ ابن عباس نے ۲۷ تاریخ کا استنباط کیا ہے عدد کلمات سورہ سے تو لفظ ھی ستائیسواں کلمہ پڑا لہذا معلوم ہوا کہ یہی تاریخ شب قدر ہے۔ اس کو نقل کیا ہے ابن حزم نے بعض مالکیہ سے اور پھر بہت مبالغہ کیا ہے اسکے رد مین اور نقل کیا ابن عطیہ نے اپنی تفسیر مین اور کہا یہ ملح تفاسیر سے ہے نہ متین علم سے۔

اس تحریر سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مذہب اہلسنت کا مدار کن اصول پر ہے کہ نہ قول خدا سے کام ہے نہ حدیث رسول ص سے بلکہ توہمات وخیالات پر اونکی مذہب کی بنا ہے۔ نماز مین ہاتھ باندہنے کی حالت تو آپ دیکھ ہی رہے ہین اور شب قدر کا حال معلوم ہی ہوا کہ کہین ۹ کو تین مین ضرب دیتے ہین کہین کلمات سورہ کو گنتے ہین حالانکہ خود اونکے یہان باتفاق اکثر اہل علم تاریخ ہے کہ یہی ۲۳ رمضان شب قدر ہے مگر شیعونسے مخالفت کرکے ۲۷ بنایا گیا اسی پر ہاتھ باندہنے کو نماز مین قیاس فرمائیے کہ محض اس سے کہ شیعہ مطابق سنت رسول ہاتھ کھولکر نماز پڑہتے ہین اسلئے اونہونے ہاتھ باندہ کر نماز پڑہنا شروع کیا۔

جیسا کہ نماز مین بسم اللہ الرحمن الرحیم کا بہ آواز بلند کہنا۔ اسلئے ترک کیا گیا کہ شیعیان مصر جو خلیفہ تھے باواز بلند کہا کرتے ہین جیسا کہ تاریخ کامل مین ہے وہ اما ترک الجھر بالبسملۃ فی جوامع بغداد لان العلویین اصحاب مصر کانوا یجھرون بھا فترک ذلک مخالفۃ لھم لا اتباعا للمذہب

احمد الاحکام ص ۱۱۳ جلد ۱۰

یعنی بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا نماز میں بغداد کی مسجدونمیں اس وجہ سے موقوف کیا گیا کہ خلفائے علویین جو مصر میں تھے بہ آواز بلند کہا کرتے تھے اونکی مخالفت کے خیال سے موقوف کر دیا گیا نہ اسوجہ سے کہ یہ مذہب امام احمد بن حنبل تھا۔

جہر بسم اللہ خلفائے علویین کی خلافت مصر میں ۲۹۶ھ سے قایم ہوئی پہلے اودھر زیادہ توجہ نہ ہوئی۔ مگر بعد کو بہت کوشش کی گئی کہ وہ مٹادی جائے۔ مگر چند روز ون میں اوسکی قوت اتنی بڑہ گئی کہ خود بغداد مین اونکے نام کا خطبہ پڑہا گیا۔ مگر آخر مین دونو خلافتیں مٹ گئیں۔ لہذا اس تحریر سے معلوم ہوا کہ ایک عرصہ تک بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا جاری رہا۔

اس ترک بسم اللہ کی ابتدا اگرچہ شیخین سے ہوئی مگر بعد اونکے جناب امیر المومنین علی کی بدولت یہ سنت رائج ہو چکی تھی کہ معویہ نے پھر سنت شیخین کو عداوت جناب امیر سے رائج کرنا چاہا دراسات اللبیب مین ہے ومنہا ترك التسمية في الصلوة جهرا لما قدم المدينة المطهرة انكرت عليه ذلك المهاجرون والانصار وقالوا اسرقت التسمية يا معوية ص ۷

یعنی معویہ کی بدعتونسے ہے کہ جب مدینہ آیا تو اوسنے نماز مین بسم اللہ کو بہ آواز بلند کہنا ترک کیا جسپر ہر طرفسے مہاجرین وانصار نے غل مچایا کہ بسم اللہ کو

جبراً لیا۔ اے معویہ جس سے معلوم ہوا کہ خلافت علویین مصر کے قبل بھی بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا جاری تھا معویہ نے جبراً چاہا کہ موقوف کرے مگر نہو سکا

یہ مسئلہ قدیم الایام سے اختلافی ہے اور مذہب حق یہی ہے کہ ہر نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بہ آواز بلند کہنا چاہئے چنانچہ رسالہ البسملہ میں پوری تحقیق اسکی کردی گئی ہے۔ یہاں بمناسبت مقام میزان کبری شعرانی کی عبارت کافی ہے لکھتے ہیں صفحہ ۱۲۵ جلد اول۔

ومن ذلك قول الامام ابی حنیفة ومالك ان البسملة لیست من الفاتحة فلا تجب مع قول الشافعی واحمد انها منها فتجب وكذلك القول فی الجهر بها فان مذهب الشافعی الجهر بها ومذهب ابی حنیفة الاسرار بها وكذلك احمد وقال مالك یستحب تركها والافتتاح بالحمد لله رب العالمین وقال ابن ابی لیلی یتخیر وقال النخعی الجهر بها بدعة فرجع الامر فی المسئلتین الی مرتبتی المیزان ووجه الاول فی المسئلتین الاولی والثانیة الاتباع۔

یعنی انہیں اختلافات سے مسئلہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے کہ ابوحنیفہ مالک کہتے ہیں۔ وہ جزو سورۃ الحمد نہیں ہے لہذا واجب نہیں۔ قول شافعی و احمد یہ ہے کہ جزو سورہ ہے لہذا واجب ہے اب اسمیں اختلاف ہے کہ جہر کرنا چاہئے شافعی قائل جہر ہیں کہ بلند آواز سے کہو۔ مذہب ابوحنیفہ یہ ہے کہ اگرچہ واجب نہیں ہے مگر کہو تو آہستہ۔ یہی مذہب احمد ہے۔ مالک قائل ہیں کہ ترک بسم اللہ مستحب ہے الحمد سے شروع کرنا چاہئے۔ ابن ابی لیلی قائل تخیر ہیں۔ چاہے کہے یا نہ کہے۔ نخعی قائل

فقد ورد انه صلی اللہ علیه
وسلم کان یقرءها مع الفاتحه
تارةً ویترکها تارةً اخریٰ
فاخذ کل مجتهد بما بلغه من
احدی الحالتین وفی ذلك
تشریع للاکابر والاصاغر من
اهل الکشف والحجاب فمن
رفع حجابه حین دخل فی
الصلوٰة وکان مشاهداً
للحق تعالیٰ بقلبه فلا یناسبه
ذکر الاسم الذی هو شعار
اهل الحجاب ومن لم یکشف
حجابه فالمناسب له ذکر
الاسم الشریف لیتذکر به
صاحب الاسم کما ورد فی
بعض الهواتف الربانیة اذا
لم ترنی فالزم اسمی فاخذنا
من هذا ان من راٰه بقلبه
لا یؤمر بذکر اسمه ومن هنا

نہیں کہ جہر کرنا بدعت ہے ثواب
یہ مسئلہ میزان میں دو امر کیطرف
راجع ہے۔ وجہ اول دونو
مسئلہ میں اتباع ہے کیونکہ وارد
ہوا ہے کہ حضرت کبھی پڑھتے تھے
کبھی نہ پڑھتے تھے جس مجتہد کو
جیسی روایت پہونچی اوسپر
عمل کیا (غرض رسول اللہ نے
خود اختلاف ڈالا)
اس اختلاف سے اکابر و اصاغر
کے لئے دو حکم علیحدہ ہوئے جسکا
حجاب مرتفع ہوا مرتبہ کشف میں
پہونچا اور خدا کے مشاہدہ سے
فائز ہوا اوسکو تو مناسب نہیں
کہ خدا کا نام لے کیونکہ حضور میں
حاضر ہے۔ اور جسکو یہ درجہ نہیں
حاصل ہوا اوسکو کہنا چاہیئے۔ اسکی
طرف اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے
ع خدا کے یاد کر بیٹھے گناہ بڑھتی

الغز بعضهم ذلک فی شعرہ
فقال ؎
بذکر الله تزداد الذنوب
وتنطمس البصائر والقلوب
وذکر الله افضل کل شیٔ
وشمس الذات لیس لها مغیب
ویؤید ذلک قول الشبلی
رحمه الله حین قالوا له متی
تستریح فقال اذا لم ار الله
تعالی ذاکرا ای لان الذکر
لا یکون الا فی حال الحجاب
عن شهود المذکور فتمنی
الشبلی لا حضرة الشهود
لانها هی التی لا یری الله
تعالی فیها ذاکرا بلسانه اکتفاء
بمشاهدته تعالی ومناجاته
بالقلب وحضرة الحق تعالی
بهت وخرس لشدة ما یطرق
البها من الهیبة والتجلی

ہین - اور آنکھ اور دل اندھے
ہوجاتے ہین - حالانکہ ذکر خدا
ہر شی سے افضل ہے - اور شمس ذات
کبھی غائب نہین ہوتا - اسیکا موید ہے
قول شبلی کہ کسینے پوچھا تمکو کب آرام
ملتا ہے - کہا جب دیکھتے ہین کہ خدا
کا کوئی یاد کرنیوالا نہین ہے - کیونکہ
ذکر ہمیشہ حالت غیبت مین ہوتا ہے
لہذا شبلی نے خواہش کی کہ ہمیشہ مشہود
رہے - کیونکہ اوسیوقت خدا کے یاد
کرنیوالے کو نہین دیکھتے -
مینے اپنے بھائی افضل الدین کو
سنا کہتے تھے کہ ذکر خدا زبان سے
اصاغر و اکابر سبکے لئے مشروع ہے
کیونکہ حجاب عظمت کسیکے لئے کبھی
نہین اوٹھتا مگر انبیا کے لئے لہذا حجاب
کا ہونا ضروری ہے مگر وہ دقیق ہے
یہ کلام نہایت نفیس ہے جو کسی کتاب
مین نہین ملتا - سید علی خواص کہتے

قال تعالی وخشعت الاصوات
للرحمن فلا تسمع الا همسا
وسمعت اخی افضل الدین
رحمہ اللہ یقول الذکر باللسان
مشروع للاکابر والاصاغر
لان حجاب العظمۃ لا یرتفع
لاحد الا للانبیاء فلا بد من
حجاب لکنہ یدق فقط انتہی
وھو کلام نفیس لا یوجد فی
کتاب وسمعت سیدی علیا
الخواص رحمہ اللہ یقول
ذکر اللہ تعالے علی نوعین ذکر
لسان وذکر حضور کما ان
ترک الذکر کذلک علی نوعین
ترک من حیث الغفلۃ وترک
من حیث الحضور والدھشۃ
فالاول من الذکرین مفضول
والثانی فاضل والاول من الترکین
مذموم والثانی محمود وھو

تھے کہ ذکر خدا دو قسم پر ہے ذکر لسان
ذکر حضور جیسا کہ ترک ذکر بھی دو
قسم پر ہے ایک ترک غفلت دوسرے
ترک حضور و دہشت - پہلا ذکر مفضول
ہے اور دوسرا فاضل - اور دونو
ترک سے پہلا ترک غفلت مذموم ہی
اور دوسرا محمود - اسی پر قول شبلی
محمول ہے -

سید علی مرصفی کہتے تھے کہ آنحضرت
اسوجہ سے کبھی بسم اللہ کہتے تھے اور
کبھی نہیں کہتے تھے کہ امت کیلئے
جنمیں ضعیف و قوی سب داخل ہیں
ایک شریعت قائم ہو - ورنہ حضرت
تو ہر وقت مرتبہ شہود میں رہتے تھے
سید علی خواص کہتے ہیں خدا نے
اسلئے اکابر کو حکم دیا جہر بالقراءۃ کا
(بہ آواز بلند پڑھنا) کہ اگر ایسا نہ کرتا
تو پھر کسیکو جرات نہوتی کہ کوئی
کلمہ کہ سکے کیونکہ ہیبت خداوند عالم

الذی حملنا علیه قول الشبلی
آنفاً وسمعت سیدی علیاً
المرصفی رحمه الله تعالی یقول
انما کان رسول الله صلی
الله علیه وسلم یترک البسملة
فی بعض الاوقات ویذکرها
فی بعض الاوقات تشریعاً
لضعفاء امته والاولیاء منهم
والا فهو صلی الله علیه وسلم
حاضر مع ربه علی الدوام
لانه ابن الحضرة واخو الحضرة
وامام الحضرة - وسمعت سیدی
علیاً الخواص رحمه الله تعالی
یقول لولا ان الله تعالی امر
الاکابر بالجهر بالقراءة والاذکار
اذا وقفوا بین یدیه فی الصلاة
ما تجرء احد منهم ان ینطق
بکلمة لعموم الهیبة لاهل
تلک الحضرة ولکن ربما تجلی

اس قسم کے لوگونکو ہر وقت محیط رہتی
ہے - مگر بعض اوقات اس طرح کی
تجلی ہوتی ہے جو طاقت بشری کے
مافوق ہے جس سے نہ تکبیر کہہ سکتا ہے
نہ جہر کر سکتا ہے - تو یہ اس قسم سے ہے
کہ حضرت فرماتے مجھے اسوجہ سے نسیان
ہو جاتا ہے کہ لوگ میری پیروی کریں
تمام ہوا ترجمہ

میری غرض اس مسئلہ کی
تحقیقات یہاں نہیں ہے بلکہ یہ دکھانا
ہے کہ شریعت رسول اللہ کسطرح
تباہ کی گئی ہے - اور کسطرح کا
اختلاف ڈالا گیا ہے جو قیامت
تک مٹنے والا نہیں حالانکہ بقول
فخر رازی - یہ امر متواتر ثابت ہے
کہ رسول اللہ بہ آواز بلند بسم اللہ
پڑھا کرتے - پھر یہ لوگ کیونکر اسکے
مدعی ہو سکتے ہیں کہ ہم سنت
رسول کے عامل ہیں -

له الحق تعالى فى بعض الاوقات بما هو فوق طاقته فعجز عن الجهر بالبسملة او بالتكبير فيكون ذلك من باب قوله صلى الله عليه وسلم انما انسی لیستن بی فافهم۔

سب سے زیادہ خرابی ان صوفیون نے ڈالی ہے جو اولیاء کرام کہے جاتے ہین اور اسطرح کی خرابی شریعت میں ڈالتے ہین جسکی کوئی انتہا نہین۔ شریعت کو دو حصہ پر منقسم کر رہے ہین ایک اولیا کیلئے دوسرے معمولی آدمیونکے اور درجہ رسول اوسمین معمولی انسان کے برابر قرار دیتے ہین۔

رجوع اصل مسئلہ کی طرف بہر حال اصل مسئلہ کے متعلق اسقدر تو یقینی معلوم ہوا کہ حضور قلب کیلئے یہی مناسب ہے کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہی جائے۔ اور ہاتھ باندھکر نماز پڑہنے مین حضور قلب نہیں ہوتا۔ تو ایسا امر کرنا کب جائز ہوگا جس سے اصلی مقصد نماز فوت ہو۔

جملہ اولی لائل سائلین

اب ہم یہان اون دلائل شرعیہ کو لکھتے ہین جس سے اسکا اثبات کیا جاتا ہے کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہنا چاہئے اور یہی سنت رسول اللہ ہے۔

اہلسنت کے یہان دلائل شرعی چار ہین۔ کتاب۔ سنت۔ اجماع۔ قیاس مگر اہلحدیث قیاس کے منکر ہین۔ اور اجماع مین بھی کلام ہے۔ مگر یا اینہمہ اوسکے قائل ہین لہذا انھین تینون دلیل سے ہمکو کام لینا پڑیگا۔

کتاب اللہ کے نسبت اہلسنت کا قطعی فیصلہ ہے کہ نماز کی نہ ہیئت اسمین

مذکور ہے نہ ارکان وفرض وسنن بلکہ النسب کا ماخذ قول یا فعل رسول اللہ
ہے۔ مگر یہ سب زبانی جمع خرچ ہے اصل انکے یہاں قول یا فعل صحابی ہے۔
حالانکہ زبانی اس سے بھی انکار ہے کہ کہتے ہین قول وفعل صحابی حجت نہیں۔ مگر جس
مسئلہ مین دیکھا جائے اصل الاصول انکا یہی ہے کہ قول یا فعل صحابی ہے
مگر تاہم آیہ انجعل المسلمین کالمجرمین بتارہا ہے کہ مسلمانون کی شان مثل مجرمون کے
نہونا چاہیئے۔ اب خود غور کر لیجے کہ ہاتھ باندہنے مین کیا شان پیدا ہوتی ہے
آیا وہ کالمجرمین بنتے ہیں یا نہین۔
دوسرے آیہ فاستقم کما امرت ہدایت کرتا ہے استقامت کی۔ اور استقامت
ظاہری حالت صلوۃ مین ارسال یدین سے حاصل ہوتا ہے نہ ہاتھ باندہنے سے لہذا
ارسال افضل ہے قبض ید سے کیونکہ خداوند عالم کج ہونے کی مذمت کرتا ہے
والذین یبغونہا عوجاً
ان آیات سے اگرچہ فقہانے ہاتھ کھولنے پر استدلال نہین کیا ہے۔ لہذا مین بھی
اس سے استدلال نہین کرتا مگر اہل فہم کو اسطرف اشارہ کرتا ہون کہ وہ غور کرین
احادیث عمدہ ادلہ فریقین کل احکام شرعیہ مین حدیث ہے کیونکہ احکام
قرآن مجمل ہین اور احادیث مین اوسکی تفصیل ہے جس سے فریقین
استدلال کرتے ہین اور احکام فقہیہ کو ثابت
کتب احادیث اہلسنت مین نہ کوئی قول رسول اس بارے مین ہے
نہ فعل رسول۔ اور جو حدیث کہ حضرت کی طرف منسوب ہے اوسکی
حقیقت دوسرے جملہ مین دکھائی جائیگی۔ لہذا یہان صرف حدیث

صحابہ پیش کیے جاتے ہین جو عمدہ اصول دین اہلسنت ہے کیونکہ قول و فعل صحابہ کے مقابل مین اونکے نزدیک نہ قول خدا قابل اعتبار ہے نہ حدیث رسولؐ۔ مصنف ابن ابی شیبہ مین ہے۔

من کان یرسل یدیہ فی الصلوٰۃ حدثنا هشیم عن یونس عن الحسن و مصرہ عن ابراهیم انهما کانا یرسلان ایدیهما فی الصلوٰۃ۔ ثنا عفان ثنا یزید بن ابراهیم سمعت عمرو بن دینار کان ابن الزبیر اذا صلی یرسل یدیہ ثنا ابن علیہ عن ابن عون عن ابن سیرین انہ سئل عن الرجل یمسک یمینہ بشمالہ قال انما فعل ذلک من اجل الدم ثنا عمر بن هرون عن عبد اللہ بن یزید قال ما رایت ابن المسیب قابضا یمینہ فی الصلوٰۃ کان یرسلها ثنا یحیی بن سعید عن عبد اللہ بن العزار قال کنت اطوف مع سعید بن جبیر فرای رجلا واضعا احدی یدیہ

(باب) اون لوگون کا بیان جو ہاتھ اپنے کھول لیتے تھے نماز مین ہشیم یونس سے وہ حسن سے اور مصرہ سے وہ ابراہیم سے روایت کرتے ہین کہ وہ دونو نماز مین ہاتھونکو کھول دیتے تھے۔ عفان یزید بن ابراہیم سے روایت کرتے ہین کہ سُنا مینے عمرو بن دینار کو کہ ابن الزبیر جب نماز پڑہتے تو اپنے دونو ہاتھ کھول دیا کرتے۔ ابن علیہ ابن عون سے ابن سیرین سے روایت کرتے ہین کہ اونسے سوال کیا گیا اس بارہ مین کہ داہنا ہاتھ پکڑین بائین ہاتھ سے تو کہا یہ نہین کیا تھا مگر بسبب خون کے عمر ابن ہرون عبد اللہ بن یزید سے روایت کرتے ہین کہ کبھی مینے ابن المسیب کو داہنا ہاتھ پکڑتے ہوئے نہ دیکھا نماز

علی الاخری هذه علی هذه او هذه علی هذه فذهب ففرق بینهما ثم جاء۔

مین وه دونو ہاتهه پهیلا دیتے تهے یحیی ابن سعید عبد اللہ بن عزار سے روایت ہے کہ مین ایکدفعہ سعید بن جبیر کے ساتهہ طواف کر رہا تها ایک آدمی کو اونهون نے دیکها کہ یہہ ہاتهہ اسپر رکهے ہین (داہنا بائین پر) یا یہہ اس ہاتهہ پر (بایان داہنے پر) تو وه گئے اور دونو ہاتهون کو اوسکے جدا کیا پهر واپس آئے۔

ان احادیث مین ایک حدیث عبد اللہ بن زبیر کی ہے جو خود صحابی ہین اور حضرت زبیر صحابی کے فرزند اور حضرت عائشہ کے بہانجے حضرت اسما کے فرزند جو سب صحابی ہین حضرت ابوبکر کے نواسے جو خود مکہ معظمہ مین مدتون خلیفہ اہلسنت رہے۔ اور اہلسنت اونکو نہایت عابد و زاہد مانتے ہین۔ اونکا فعل اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہاتهہ کهول کر نماز پڑہا کرتے۔

انکی وفات ۷۲ھ مین ہوئی کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے پهانسی دیا۔ اور مقبرہ یہود مین[1] خاص مکہ مین مدفون ہوئے جس سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ تک ہاتهہ کهولنے کا رواج تها۔ کیونکہ اہلسنت یہ کہہ نہین سکتے اونکا یہ فعل خود رائی سے تها کہ اپنے دل سے جسطرح چاہتے نماز پڑہتے

[1] اسماء الرجال مشکوۃ عبد الحق دہلوی مین ہے ووقف ابن عمر علیہ فقال السلام علیک یا ابا خبیب السلام علیک یا ابا خبیب اما واللہ لقد کنت انہاک عن هذا قالها ثلاثا اما واللہ لقد کنت الذی علمت صواما قواما وصولا للرحم فبلغ الحجاج موقف عبد اللہ فارسل الیہ وانزلہ عن جذعہ فالقی فی قبور الیهود ص ۱۰ قلمی

بلکہ لامحالہ یہی کہنا پڑیگا کہ رسول اللہ کو اور خلفائے ثلثہ اور اپنی جالہ جان
وا ماجان کو یونہی نماز پڑہتے دیکھا تھا۔ اسلئے اسیطرح پڑہا کرتے۔
محمد بن سیرین المتوفی ۱۱۰ھ سعید بن جبیر المتوفی ۹۵ھ حسن بصری المتوفی ۱۱۰ھ
سے بھی یہی منقول ہے کہ وہ سب کے سب نماز ہاتھ کہول کر پڑہا کرتے تھے
جس سے معلوم ہوا کہ عام طور سے صحابہ وتابعین کا یہی معمول تھا کہ وہ
نماز ہاتھ کہول کر پڑہتے۔

انکے نسبت کون شخص اہلسنت سے یہ گمان کر سکتا ہے کہ یہ فعل اونکا
اپنی طبیعت اور راے سے تھا بغیر اسکے کہ سنت رسول یہی تھی اور حضرت
اسیطرح نماز پڑہا کرتے۔ اسلئے یہ لوگ بھی اسی طرح پڑہتے۔ کیونکہ یہ لوگ
معمولی اشخاص نہیں ہیں انکے اقوال واحادیث پر بناے مذہب اہلسنت
ہے۔ ابن سیرین جنکا نام محمد ہے اونکے نسبت شیخ عبدالحق دہلوی اپنی
کتاب اسماء الرجال میں لکھتے ہیں۔

محمد بن سیرین ابو بکر البصری احد الاعلام کان فقیہا عالما فاضلا
زاهدا ورعا محدثا من مشاهیر التابعین واجلتهم ثقة حجة حافظ متقن
یعبر الرویا کثیر العلم والورع کثیر الصمت له سبعة اوراد باللیل لقی
صدرا کثیرا من الصحابة قال هشام ادرک من اصحاب النبی ثلثین
نفساً واشتهر بفنون علم الشریعة وکان من اورع اهل البصرة و
سمع ابن عمر - و انس - وعمران بن حصین - وابی هریرة و
زید بن ثابت و من سواهم - مات سنة عشرة ومائة بعد الحسن

بمائۃ لیلۃ وھو ابن سبع وسبعین سنۃ ص۱۳۶ نسخہ قلمی

اور سعید بن جبیر کی نسبت رقمطراز ہیں۔

سعید بن جبیر بضم الجیم وفتح الموحدۃ وسکون التحتانیۃ بن هشام الاسدی الوالبی بالواو وکسر اللام مولی بنی والبۃ بطن من اسد بن خزیمۃ نسبۃ الی والبۃ بن عمر بن الحارث کوفی من اعلام التابعین سمع ابا مسعود وابن عباس وابن عمر وابن الزبیر وانسا واکثر روایتہ من ابن عباس وقرء علیہ علم التفسیر والقراءۃ وھو فی القراءۃ مھارۃ تامۃ حتی انہ یروی انہ ام فی رمضان وقرء فی کل لیلۃ بغیر قراءۃ قرء بہا فی الاخری وروی عنہ الاعمش وعمر بن دینار وابو ایوب وابو بشر وامم۔ قتلہ الحجاج بن یوسف فی شعبان سنۃ خمس وتسعین ۹۵ ولہ تسع واربعون ص۶۰ قلمی

اور امام حسن بصری کے نسبت لکھتے ہیں۔

الحسن البصری ھو الامام ابو سعید الحسن بن ابی الحسن واسم ابی الحسن یسار البصری بفتح التحتانیۃ وتخفیف السین من سبی میسان بفتح المیم وسکون التحتانیۃ وبالسین المہملۃ وکان الحسن مولی زید بن ثابت وقیل مولی جمیل بن قطبۃ وقیل غیر ذلک ولد لسنتین بقیتا من خلافۃ عمر بن الخطاب بالمدینۃ وقدم البصرۃ بعد مقتل عثمان ورای عثمان وسمع منہ وقیل انہ لقی علیا بالمدینۃ فاما بالبصرۃ فان رؤیتہ ایاہ لم یصح لانہ کان فی وادی القری متوجھا نحو البصرۃ حتی قدم علی بن ابی طالب

ویقال لقی طلحۃ وعائشہ ولم یصح انہ منہما سماع ویروی عن غیرہما من الصحابۃ مثل ابی بکرۃ الثقفی وانس بن مالک وسمرۃ بن جندب وعمران بن حصین وابی موسیٰ وابن عباس وجندب وروی عنہ خلق کثیر من التابعین کان کبیر الشان رفیع الذکر راسا فی العلم وھو امام وقتہ فی کل فن وعلم وزھد وورع وعبادۃ ومات فی رجب سنہ عشر ومائۃ کذا فی جامع الاصول والکاشف ص ۲۸ قلمی

خلاصہ حکایہ ہے کہ سعید بن مسیب ایک ہیں اعلام سے فقیہ۔ عالم۔ فاضل۔ زاہد وورع۔ محدث تھے مشاہیر واجلہ تابعین سے ثقہ ہیں حجت ہیں۔ حافظ ہیں۔ متقن ہیں خواب کی خوب تعبیر دیتے کثیر العلم تھے۔ ورع تھے۔ بہت سے اصحاب نبی سے انکی ملاقات ہوئی ابن ہشام کہتے ہیں کہ تیس صحابی سے انہوں نے ملاقات کی۔ اور علوم شریعت میں بہت مشہور ہوئے۔ ابن عمر۔ انس۔ عمران بن حصین۔ ابوہریرہ۔ زید بن ثابت وغیرہ صحابہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ تو پھر کون گمان کرسکتا ہے کہ انکا ہاتھ کھولنا نماز میں اپنی خواہش نفس سے تھا۔ ہر شخص بالیقین کہیگا کہ ان صحابہ کو انہوں نے اسطرح نماز پڑھتے دیکھا لہذا خود بھی اسطرح پڑھتے ۱۱۰ سنہ وفات ہے تو اس زمانہ تک عام رواج ہاتھ کھولنے کا معلوم ہوا۔

سعید بن جبیر بھی اعلام تابعین سے ہیں۔ ابی مسعود۔ ابن عباس۔ ابن عمر۔ ابن الزبیر۔ انس سے روایت کرتے ہیں اور اکثر علوم انکا حضرت ابن عباس سے ماخوذ ہے۔ ماہ رمضان میں یہ ایکدفعہ امام مقرر ہوئے تو ہر رات قرآن کو نماز

مین نہی کی قراءت سنتے پڑہتے تھے سانسے اعمش عمر بن دینار ابو ایوب ابو بشر وغیرہ روایت کرتے ہین حجاج نے ۹۵ھ مین قتل کیا انکو اسدرجہ مبالغہ تھا کہ اگر کسیکو ہاتھ باندہے دیکھتے تو جاکر اوسکا ہاتھ کہولدیتے۔

حسن بصری انکے اوصاف کی ضرورت نہین خلافت خلیفہ دوم مین پیدا ہوے عثمان کی خدمت مین پہونچے اور حدیث بھی اونسے لی اور بہت سے صحابہ سے ملاقات کی اور علم صائب کو اونسے حاصل کیا۔ اپنے وقت کے ہر فن مین امام تھے علم زہد عبادت تقوی سنہ۱۱۰ھ وفات ہے۔

تو اب کون شخص اہلسنت سے کہسکتا ہے کہ یہ لوگ جو نماز ہاتھ کہولکر پڑہتے تو بدعت کرتے یا خلاف سنت جس سے خواہی نخواہی ماننا پڑیگا کہ ہاتھ باندہ کر نماز پڑہنا بدعت ہے کہ سعید بن جبیر اگر کسیکو ہاتھ باندہکر نماز پڑہتے دیکھتے تو دوڑ کر اوسکا ہاتھ کہولدیتے فماذا بعد الحق الا الضلال

اجماع یہ تیسری دلیل ہے اہلسنت کی جس سے کسی مسئلہ شرعی کی صحت ثابت کیجاتی ہے۔ اسی اجماع مین عمل اہل مدینہ بھی داخل ہے جس سے امام مالک نے اپنا یہ مذہب قرار دیا کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہنا چاہئے۔

چنانچہ علامہ محمد معین لاہوری جو تلامذہ شاہ ولی اللہ دہلوی سے ہین اور علماے اہلحدیث کے مشہور افراد سے ہین اپنی کتاب دراسات اللبیب مین لکہتے ہین مطبوعہ لاہور ۱۲۸۴ھ ص ۲۴۰

وثانیہما ان عمل اھل المدینة المقدسة — دوسرے یہ کہ عمل اہل مدینہ مبرہ

على ساكنها افضل الصلوٰة
والتسليمات من اقوى حجج الدين
عندنا ونرى الامر فيما طريقه
النقل من ذلك على ما يرى
الامام الاكبر عالم المدينه
مالك بن انس الاصبحي من
ان اجماع اهل المدينة
المطهرة حجة حتى انه عولت
علماء مذهبه في ارسال اليدين
حالة القيام في الصلوة على
عمل اهلها مع وجود المرفوع
الصحيح في قبض اليمنى على
اليسرى وحملوه على الحاجة
عند طول القيام وخصوه
بها بدليل عمل اهلها كما يخص
الحديث الصحيح بحديث آخر
مثله ولا يجوز ذلك لتخصيص
وارد كتاب "خلاف الظاهر"
يروى محمد من علمائه والقبض
وان سندی مطرف وابن
الماجشون عن مالك
انه يستحسن لكن روى ابن

نزدیک قوی ترین حجتون سے دین
کے ہے۔ اور اس مسئلہ مین میری رائے
مطابق ہے امام اکبر عالم مدینہ مالک
بن انس اصبحی کے کہ وہ قائل تھے اس
بات کے کہ اجماع اہل مدینہ مطہرہ
حجت ہے یہانتک کہ علماے مالکی نے
اسی دلیل پر اعتماد کیا ہے دربارہ ہاتھ
کھولکر نماز پڑہنے کے۔ کہ چونکہ اہل مدینہ
کا یہی عمل تہا لہذا اونہون نے۔ اسی کو
اپنا مذہب بنایا حالانکہ حدیث صحیح
مرفوع اس بادہ مین موجود ہے کہ
داہنا ہاتھ بائین ہاتھ پر رکھنا چاہیے
(اس حدیث کا حال دوسرے جلد
مین ملاحظہ فرمائیگا) اور اونہون نے
یعنی مالکیون نے اس حدیث کو محمول
کیا ہے ضرورت اور حاجت پر کہ اگر
بوجہ طول قیام ہاتھ بھر جاے تو ہاتھ
باندھ لے۔ اور اس تخصیص کی دلیل
اونکے پاس یہی عمل اہل مدینہ ہے

القاسم عن مالك الارسال
وصار اليه اكثر اصحابه وروي
عنه اباحة القبض في النافلة
بطول القيام وكرهه في الفريضة
قال ابن الحاجب ان ذلك
حيث تمسك معتمد القصد
الراحة نقله الزرقاني في
شرح الموطا قال ابن عبد البر
ان القبض لم يات عن النبي
صلى الله تعالى عليه وسلم
فيه خلاف وهو الذي
ذكره مالك في الموطا ولم
يحك ابن المنذر وغيره
انتهى
وانت قد علمت ما ذكره
غير ابن المنذر عنه وقوله
وهو الذي ذكره مالك
في الموطا اراد منه ان ذكره
في الموطا يدل على كونه
مذهبا له فهو استدلال
ضعيف فان العلم محيط
بصنيعه في الموطا من انه
ربما يروي فيه ما يخالف
مذهبه كما فعل في قنوت

جسطرح ایک حدیث دوسری حدیث
سے خاص کردی جاتی ہے۔ اور یہ
نہین جائز ہے یہ تخصیص اور ارتکاب
خلاف ظاہر کسی کے نزدیک علماء
سے اپنی راے سے لہذا معلوم ہوا
کہ یہ تاویل مالک براے نہین ہے)
ہان مطرف اور ابن ماجشون نے
امام مالک سے اسکی روایت بھی کی ہے
کہ وہ ہاتھ باندہنے کو مستحسن سمجھتے
تھے۔ مگر ابن قاسم نے امام مالک سے
ارسال ہی کی روایت کی ہے (کہ
وہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہتے تھے) اور
یہی مذہب ہے اونکے اکثر اصحاب کا۔
اور ہاتھ باندہنے کے بارہ مین صرف
اسقدر منقول ہے کہ امام مالک اسکو
جائز جانتے تھے نماز نافلہ مین بسبب
طول قیام کے اور فرض نمازون
مین مکروہ جانتے تھے۔
کہا ابن حاجب نے کہ یہ ہاتھ باندہنا اوس وقت

الصبح حیث اقتصر فیہ
علی اثر ابن عمر رض فی عدم جواز
مع ان القنوت فی الصبح هيئة
الثابتة عنده وان اراد انه
ما ذکره من اثر ابن عمر حجة
علیهم فجوابه ان اثر ابن
عمر لا یعارض عمل اهل المدینة
بل قد اشرنا ان حدیث سهل
فی رفع القبض المروی فی
صحیح البخاری اجدر حجة
علیه لعمومه وعلی اصحابه حیث
تمسکوا بعمل اهل المدینة
والارسال هذا لم ینفرد
مالک فقد جاء فیه الآثار
عن سلف التابعین روی جملة
من ذلک الامام ابو بکر
بن ابی شیبة فی مصنفه وفیه
اثر عن عبد الله بن زبیر رض
رواه فی المصنف بسنده
فقال حدثنا عفان قال
حدثنا یزید بن ابراهیم
قال سمعت عمرو بن دینار
قال کان ابن الزبیر اذا صلی

نوافل میں جائز ہوگا کہ جب بغرض راحت
ہو (یعنی وہ بھی بلا ضرورت نہیں جائز
ہے) جیسا کہ نقل کیا ہے زرقانی نے
شرح موطا میں۔

کہا ابن عبد البر نے کہ ہاتھ باندھنے کے
بارہ میں کوئی حدیث خلاف اسکے حضرت
سے نہیں منقول ہے اور اسکو ذکر کیا
ہے مالک نے موطا میں اور ابن
منذر وغیرہ نے اسکے خلاف نہیں نقل
کیا ہے مالک سے

مصنف لکھتے ہیں مگر تو جانتا ہے کہ غیر
ابن المنذر نے کیا روایت کی ہے۔
(ارسال) اور یہ جو لکھا کہ مالک نے
اسکو ذکر کیا ہے موطا میں اگر اس سے
یہ مراد ہے کہ یہی انکا مذہب ہے تو یہ
استدلال ضعیف ہے کیونکہ اہل
علم جانتے ہیں کہ امام مالک موطا میں بعض
روایتیں ایسی لاتے ہیں جو انکے مذہب
خلاف ہوتی ہیں جیسا کہ قنوت صبح

مرسل ید یہ میں اونہون نے ابن عمر کی روایت
لکھی کہ نہیں جائز ہے حالانکہ سبکو معلوم ہے کہ مالک مذہب قنوت
سے نماز صبح مین جو ثابت ہے او نکے ۔

اور اگر ابن عبد البر کا یہ مقصود ہے کہ اثر ابن عمر حجت ہے مالک پر
تو اوسکا جواب یہ ہے کہ روایت ابن عمر معارض عمل اہل مدینہ نہین
ہو سکتی ۔ بلکہ ہے تو اوسکی طرف بھی اشارہ کیا کہ حدیث سہیل
جو صحیح بخاری مین مروی ہے درباره ہاتھہ باندہنے کے وہ بھی
اونپر حجت نہین ہے بوجہ عموم اپنے ۔ اور نہ اونکے اصحاب پر حجت ہے
کیونکہ تمسک اونکا بعمل اہل مدینہ ہے وجہ درایت ہے ۔ اور یہ
روایت)

اور یہ مذہب ارسال یدین ایسا مذہب ہے کہ صرف مالک ہی
اسکے ساتھہ نہین منفرد ہوے ہین بلکہ بہت سی روایتین اسمین سلف صحابہ و
تابعین سے آئی ہین جنہین امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنف
مین ذکر کیا ہے ۔ (مین ان سبکو پہلے لکھ چکا ہون) اور منجملہ انکے عبد اللہ
بن زبیر سے روایت ہے جسے مصنف نے اپنی سند سے روایت کیا ہے
عفان سے کہ کہا حدیث کی مجھسے یزید بن ابراہیم نے کہ کہا سنا مینے
عمرو بن دینار کو کہتے تھے ابن الزبیر جب نماز پڑہتے تھے تو ہاتھون کو
کہولے رہتے ۔

(ترجمہ تمام ہوا)

اس عبارت سے بخوبی طور پر ظاہر ہو گیا کہ امام مالک کا بھی

مذہب تھا کہ وہ نماز میں ہاتھ کہولکر نماز پڑہتے - اور اونکی دلیل یہ ہے

کہ عمل اہل مدینہ یونہی تھا کہ وہ ہاتہہ کہولکر نماز پڑہا کرتے -

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ حدیث مرفوع اسکے خلاف موجود ہے

جسمین اسکا حکم ہے کہ داہنا ہاتھ بائین ہاتہہ پر رکہنا چاہیے - مگر اسپر

بھی امام مالک کا مذہب یہی تھا کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہنا چاہیے کیونکہ

وہ کہتے تھے اس حدیث کے یہ مطلب ہین کہ بوقت ضرورت ہاتہہ

باندہنا چاہیے - اسلئے کہ عمل اہل مدینہ یہی ہے کہ وہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہتے

تو اب یہ حدیث خاص ہوئی بوقت ضرورت -

علمائے اہلسنت نے اگرچہ اسمین اختلاف کیا ہے کہ عمل اہل مدینہ

حجت ہے یا نہیں - مگر اس سے کسیکو انکار نہین کہ اہل مدینہ کا عمل یہی

تھا کہ وہ ہاتہہ کہولکر نماز پڑہا کرتے - جس سے ہر شخص سمجہہ سکتا ہے کہ

یہ عمل اونکا مطابق عمل رسول اللہ تھا کہ حضرت کو جنہے یونہی نماز

پڑہتے دیکھا تھا لہذا وہ بھی اسیطرح پڑہا کرتے -

تو اب اسکے خلاف عمل کرنا دیدہ و دانستہ اپنی نماز کو مخالف عمل

رسول اللہ بنانا ہے کیونکہ اسکو تو کوئی نہین کہ سکتا کہ اہل مدینہ

کا عمل خلاف عمل رسول تھا -

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کل صحابہ و تابعین کا عمل یہی تھا کہ وہ ہاتہہ

کہولکر نماز پڑہا کرتے کیونکہ امام مالک اسکو عمل اہل مدینہ کہتے ہیں -

اور عمل اوسیوقت کہا جاسکتا ہے کہ جبکہ یہی عمل ہو بلا اختلاف

کیونکہ درصورت اختلاف عمل اہل مدینہ نہیں کہ سکتے بلکہ عمل بعض اہل مدینہ

تو اب بدیہی طور سے معلوم ہوا کہ عمل اہل مدینہ زمانہ امام مالک تک بلا اختلاف یہی تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے۔

اسی استدلال امام مالک سے اوس حدیث کی بھی حالت ظاہر ہوئی جو ہاتھ باندھنے کے بارےمیں روایت کی جاتی ہے کہ وہ کیسی روایت ہوگی۔ کیونکہ اس روایت کی موجودگی پربھی صحابہ اور سائر اہل مدینہ کا یہی عمل تھا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے۔ تو اب دو ہی احتمال ہوسکتا ہے ایک یہ کہ معاذاللہ تمامی صحابہ اور اہل مدینہ عمل رسول کے خلاف کرتے تھے۔ کہ حضرت ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیتے اور یہ اوسکے خلاف عمل کرتے یہ احتمال ایسا بعید ہے کہ میں نہیں کہ سکتا کوئی سنی اسکا دعوی کرسکے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ روایت قبض یدین یعنی ہاتھ باندھنے والی روایت ضعیف بلکہ موضوع ہے جیسا کہ آیندہ مذکور ہوگا انشاء اللہ۔ کیونکہ یہ عمل احکام نماز سے ہے نہ امور دنیوی سے جو یہ کہا جائے کہ اسمیں متابعت حکم رسول ضروری نہیں یا یہ کہا جائے کہ عمداً دیدہ و دانستہ خودغرضی سے حکم رسول کی مخالفت کی گئی۔ بلکہ یہ تو احکام ہیئت صلوۃ سے ہے جسمیں ہر شخص محکوم ہے کہ حضرت کا اتباع کرے اور کوئی اسکا مجاز نہیں کہ حضرت کی مخالفت

اگرچہ بعد اس دلیل کے کہ عمل اہل مدینہ ثابت ہوا یہی تھا کہ وہ ہاتھ
کھولکر نماز پڑھا کرتے کسی دوسری دلیل کی حاجت نہیں رہتی ۔
کیونکہ اہل مدینہ میں سب داخل ہیں خواہ صحابی ہوں ۔ یا تابعی ۔ مگر
مصنف نے خاص ابن الزبیر کا طرز عمل یہی دکھلایا کہ اونکا بھی یہی
معمول تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے ۔ اور تابعین کا کیا ذکر کہ
وہ سب تو تابع صحابہ ہیں ۔

میرے خیال ناقص میں عبد اللہ بن زبیر کے ذکر کی ضرورت
بالتخصیص یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ یہ مسئلہ کبھی معرض اختلاف
میں نہیں آیا تھا بلکہ سبکا یہی معمول تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے
لہذا کسیکو اس طرف کبھی التفات بھی نہوا کہ نماز کیونکر پڑھی جاتی
ہے کیونکہ یہ تو ایک معمولی بات تھی ۔ جب اس اختلاف کی بنیاد
پڑی تو عمرو بن دینار نے اپنی اس تازہ یاد کو بیان کیا کہ ابن
الزبیر ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے تھے ورنہ سارے اہل مدینہ کا یہی قاعدہ
تھا کہ وہ اسیطرح نماز پڑھا کرتے ۔

دوسری وجہ اسکی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ چونکہ ابن الزبیر خلیفہ بھی
تھے اور خاص مکہ میں اونکی خلافت ہوئی تھی ۔ اور حضرت ابوبکر
کے نواسہ تھے ۔ اور حضرت عائشہ کے تربیت یافتہ اسلئے انکا عمل
زیادہ قابل وثوق اور اعتماد تھا ۔ اور پھر وہ نہایت عابد بھی مشہور
تھے لہذا عمرو بن دینار نے اونکے فعل سے استناد کیا کہ اونکا

عمل اس مورد مین کسی طرح قابل شک یا اعتراض نہین ہو سکتا۔
پس اونکے اس طرز عمل نے بتا دیا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑہنا صرف لوگونکے
علم کے مطابق تھا بلکہ یہی عمل وہ اپنے آبا و اجداد و امہات کا دیکھ
چکے تھے جس سے پھر کوئی گمان بھی نہین کرسکتا کہ اونکی نماز اوس
طریقہ کے خلاف ہوگی جو حضرت ابوبکر و حضرت عائشہ و اسما و زبیر
کے خلاف ہو۔ اور چونکہ ہمنے اسکے قبل وہ روایتین بھی لکھدی
ہین جو حسن بصری۔ اور سعید بن المسیب۔ سعید بن جبیر وغیرہ
تابعین سے مروی ہین لہذا بخوبی ظاہر ہوا کہ عمل اہل مدینہ وغیرہ یہی
تھا۔

علامہ محمد معین مصنف دراسات اللبیب مین اسکے بعد لکھتے ہین۔

والعجب کل العجب من مثل شیخ الدہلوی حیث نفی فی شرح السفر الدلیل للارسال مطلقا رفعا واثرا ویقول سالت فی الحجاز عن ذلک بعض علماء المالکیہ فلم یاتوا بشیء سوی امر خطابی ذکروہ مما لا یلتفت الیہ اہل العلم اصلا وجعلوا عمل المدینۃ المعظمہ فی ذلک عندہم علما من مذہبہ اقوی من اثار التابعین والصحابہ فیہ صلعم

یعنی پورا تعجب ہے شیخ عبد الحق دہلوی سے جو شرح سفر السعادۃ مین لکھتے ہین کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑہنے کی کوئی دلیل نہین ہے مطلقا نہ حدیث مرفوع سے نہ اثر صحابہ سے اور لکھتے ہین کہ مینے حجاز مین بعض علماء مالکیہ سے سوال بھی کیا تو کوئی دلیل ایسی نہ لائے جو قابل التفات اہل علم ہو سوائے امر

خطابی کے حالانکہ عمل اہل مدینہ معظمہ اس بارہمین مالکیونکے نزدیک قوی تر ہے آثار تابعین وصحابہ سے۔ (تمام ہوا ترجمہ)

ہمارا مطلب اس عبارت سے بھی بکمال وضاحت ثابت ہے کیونکہ اگرچہ بقول شیخ عبدالحق دہلوی کوئی دلیل قوی علماے مالکی نہ لاسکے مگر یہ تو معلوم ہوا کہ مذہب اونکا یہی تھا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھا کرتے جس سے کسینے انکار نہین کیا بلکہ اوسپر دلیل لاے جو شیخ عبدالحق کے نزدیک قابل اعتماد نہو۔

یعنی مقصود ہمارا بخوبی ثابت ہوا کہ امام مالک کا یہی مذہب تھا اور اوسکی دلیل اونکے نزدیک یہی عمل اہل مدینہ ہے جو آثار صحابہ وتابعین سے بھی زیادہ قوی ہے۔

نفی احادیث صحیحہ بوجہ عمل اہل مدینہ

عمل اہل مدینہ ایسی قوی دلیل ہے کہ ملا معین لکھتے ہین وظہر من ھذا ان مالکا واصحابہ یولون الاحادیث الصحیحۃ عن ظواھرھا ویترکون بہ اثار الصحابۃ کما یترکون بالمرفوع واما ترك الحدیث الصحیح بعملھم فیدل علیہ مذھب مالك فی عدم اجزاء صوم الولی من المیت مع ورود الحدیث الصحیح قال القسطلانی فی شرح البخاری واجاب المالکیہ عن احادیث الباب بدعوے عمل اھل المدینۃ انتھی یعنی عملھم بعدم الاجزاء ہو مرجح لہ یعنی جو حکایت ابن مسعود کی بیان کی ہے کہ اونھون نے اپنے

اجتہاد سے ایک فتوی دیا تھا جب مدینہ آئے اور وہان لوگون سے
دریافت کیا تو اپنی راے سابق سے عدول کیا - اس سے ظاہر ہوا
کہ امام مالک اور اونکے اصحاب تاویل کرتے ہین احادیث صحیحہ
مین جو خلاف عمل اہل مدینہ ہو - اور اس عمل اہل مدینہ کی بدولت وہ ترک
کرتے ہین اقوال صحابہ کو جیسا کہ ترک کرتے ہین حدیث مرفوع سے
رہا یہ امر کہ وہ ترک کرتے ہین حدیث صحیح کو عمل صحابہ سے - پس اوسکی دلیل
یہ ہے کہ مذہب مالک یہ ہے کہ ولی کا صوم میت مجزی نہین ہے
حالانکہ حدیث صحیح اس بارہ مین وارد ہے کہا قسطلانی نے شرح صحیح بخاری
مین کہ مالکیون نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ عمل اہل مدینہ اسکے
خلاف ہے یعنی وہ اسکو مجزی نہین مانتے

پس بالفرض اگر کوئی حدیث صحیح بھی ہاتھ باندہنے مین ہو - تو وہ حدیث
اسوجہ سے مردود ہے کہ عمل اہل مدینہ اسکے خلاف ہے - حالانکہ ہم آیندہ
چلکر بتاینگے انشاء اللہ کہ حدیث صحیح اس بارہ مین کوئی نہین -

مذہب شافعی بھی یہی ہے

علامہ مذکور لکھتے ہین وامام المطلبی الشافعی الدرة الفريد من بحر
شرف هاشم برد الله سبحانه به صدور المحبين بثلج العلوم من اهل
هذا البيت المقدس رض فقد روى الشعرانی فی کتابه تلخیص
السنن للبيهقی المسمى بالمنهج المبين فی جمع ادله المجتهدين عنه
بسنده عن الهروی عن يونس بن عبد الاعلى قال سمعت الشافعی

یقول کل حدیث جاء من اهل العراق ولیس له اصل فی الحجاز فلا نقبله (لعدم صحته عندنا) وان کان صحیحا انتھی (فی نفس الامر لان الحجة بعد الثبوت) ومنه یخرج ان عمل اهل المدینة المقدسه یترک به الحدیث الصحیح عند غیرهم مطلقا او عند اهل الکوفه بخصوصهم فان عملهم علی شیٔ ورد بخلاف الحدیث عند غیرهم لا یتصور الا بانتفاء اصل ذلک عندهم والا لما وسعهم الخلاف ومن لم یقبل هذا الحدیث المعارض لعملهم وجب علیه التمسک به وترک ما خالفه ووجه ذلک ان عملهم دلیل قوی علی وجود الحدیث الصحیح فی ذلک عندهم وحدیثهم یترجح علی حدیث غیرهم عند هذین الامامین (مالک والشافعی) وفی هذا جواز الاعتماد علی العلم الاجمالی بوجود الدلیل الراجح مع وجدان الدلیل المعارض به بعینه وذلک مخصوص فی عمل اهل المدینة المشرفة عندهما ص ۳۴۳

یعنی امام شافعی کا عمل اس قاعدہ پر اس سے ظاہر ہے کہ شعرانی نے تلخیص سنن بیہقی میں روایت کیا ہے شافعی سے کہ وہ کہتے تھے جو حدیث اہل کوفہ کے ذریعہ سے وارد ہو۔ اور اوسکی کوئی اصل اہل حجاز میں نہو۔ تو ہم اوس حدیث کو نہیں قبول کرتے (کیونکہ وہ صحیح نہیں) اگرچہ فی نفس الامر صحیح ہو (کیونکہ حجت بعد ثبوت ہے)۔

پس اس قول شافعی سے معلوم ہوا کہ اگرچہ کوئی حدیث صحیح ہو غیر

غیر اہل مدینہ کے نزدیک مطلقاً یا اہل کوفہ کے نزدیک خصوصاً۔ تو وہ حدیث بوجہ مخالفت اہل مدینہ رد کر دی جائیگی۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا عمل اہل مدینہ مخالف ہو کسی صحیح حدیث کے۔ پس معلوم ہوا کہ وہ حدیث ہی صحیح نہیں والا وہ اسکی مخالفت کیونکر کرتے۔

اور جب یہ حدیث جو معارض عمل اہل مدینہ ہے قابل قبول نہیں۔ تو عمل اہل مدینہ کے ساتھ ترک ضروری ہوا اور اوسکے خلاف کا ترک کرنا۔ کیونکہ اونکا عمل اس بارہ مین دلیل قوی ہے اسپر کہ کوئی حدیث صحیح اونکے نزدیک ہے۔ اور اہل مدینہ کی حدیثین قابل ترجیح ہین مالک و شافعی کے نزدیک دوسرونکی حدیث پر۔

پس اس سے بھی معلوم ہوا کہ علم اجمالی بوجود دلیل راجح کافی ہے اگرچہ خلاف اوسکے دلیل پائی بھی جائے۔ اور یہ مخصوص ہے عمل اہل مدینہ کے ساتھ مالک و شافعی کے نزدیک"

اس عبارت نے بتا دیا کہ عمل اہل مدینہ بجائے خود ایسی قوی اور مستحکم دلیل ہے کہ اسکے مقابلہ مین نہ حدیث صحیح کا اعتبار رہتا ہی نہ آثار صحابہ و تابعین کا۔ امام مالک اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔

بلکہ اسکی بھی تصریح کر دی کہ اگرچہ اہل مدینہ کے پاس کوئی حدیث ظاہری نہ بھی ہو تو اونکا عمل کافی ہے۔ رد احادیث صحیحہ کے لئے کیونکہ اگر اونکے پاس کوئی دلیل نہو تی تو اسطرح عمل نہ کرتے لہذا معلوم ہوا

کہ جس حدیث پر اہل مدینہ کا عمل نہین ہے وہ حدیث ہی صحیح نہین اگرچہ فی نفس الامر صحیح بھی کیون نہو۔

تواب ہاتھ کہول کر نماز پڑہنا ایک ایسی قوی دلیل سے ثابت ہوا کہ اگر اسکے مقابلہ مین کوئی حدیث صحیح صریح بھی ہوئی تو وہ قابل قبول نہ تھی چہ جائیکہ فی الواقع کوئی حدیث صحیح بھی نہین۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آخر امام شافعی بھی جواز ارسال ید کے قائل ہوے کیونکہ سابقاً ہم لکھ چکے ہین شافعی بھی ہاتھ کھولنے کو جائز بتاتے ہین۔

رائے ملا معین

ملا معین مصنف دراسات اللبیب چونکہ فرقہ اہلحدیث مین ہین لہذا وہ اپنی رائے یون ظاہر کرتے ہین وعندی ھذا الحکم بتقدیم عمل اھل المدینة المعظمه علی الحدیث الصحیح فی حدیث غیر الصحیحین بعد تدوینھما فان ما اخرجه الشیخان قد تلقتھما الامة بالقبول و من جملتھا بل سادا تھا علماء المدینة الطیبه ص ۲۳۴

یعنی میری رائے مین یہ حکم تقدیم عمل اہل مدینہ معظمہ۔ حدیث صحیح پر۔ اوس حدیث کے متعلق ہے جو بعد تصنیف صحیحین خارج از صحیحین ہے۔ کیونکہ صحیحین کو امت نے قبول کر لیا ہے جسمین علماء مدینہ بھی داخل ہین۔

جسکے مطلب یہ ہوے کہ اصل مسئلہ مسلم ہے کہ عمل اہل مدینہ کے مقابلہ مین حدیث صحیح بھی قابل قبول نہین۔ مگر اس حکم سے صحیحین مستثنی ہین یعنی انکی حدیثین نہین مردود ہونگی۔ بلکہ غیر صحیحین کی حدیثین اگر عمل اہل مدینہ کے خلاف ہون تو وہ مردود ہین۔ اور یہ حکم بھی صحیحین کے لئے اسوجہ سے

نہین ہے کہ حدیثین اوسکی صحیح ہین - بلکہ اس وجہ سے کہ صحیحین کو امت نے قبول کرلیا ہے جسمین علماے مدینہ بھی داخل ہین - تو اس وجہ سی صحیحین کی حدیثین عمل اہل مدینہ سے نہ مردود ہونگی - اور باقی صحیح حدیثین سب مردود ہین "

ہمکو اس راے کی مخالفت یا موافقت سے چندان بحث نہین - کیونکہ یہ انکی ذاتی راے ہے جو بمقابل مذہب امام مالک و امام شافعی کوئی وقعت نہیں رکھتی - اور نہ یہی ثابت ہے کہ علماے امت نے صحیحین کو قبول کرلیا کیونکہ جمہور علماے امت اسکے مخالف رہے ہین ائمہ اربعہ کے مقلدین نے بہت سی حدیثون کو نہین مانا اور بحر العلوم مولوی عبد العلی صاحب لکھنوی اپنے علماے ناقل ہین کہ درمیان صحیحین اور غیر صحیحین کے کوئی فرق نہین جیسا کہ تنقید بخاری وغیرہ مین تصریح لکھ چکا ہون -

اور چونکہ صحیح بخاری کی تدوین ۲۵۶ھ مین ہوئی اور نہ صحیح مسلم کی اسکی بھی بعد لہذا اوس سنہ تک بلکہ بعد بھی اوس زمانہ تک کہ اتفاق امت کے لئے درکار رہے - عمل اہل مدینہ کی یہ وقعت تھی کہ حدیث صحیح بھی اوسکے سامنے کوئی چیز نہ تھی - اور اوسکے بعد بھی جو کچھ انکی عظمت ظاہر ہوئی تو اس وجہ سے کہ اہل مدینہ نے صحیحین کو قبول کرلیا تھا - ورنہ اگر وہ نہ قبول کرتے تو پھر بھی حدیث صحیح کا اوسکے مقابلہ مین کوئی اعتبار نہوتا - یہی وجہ ہے آجتک مذہب مالکی یہی ہے کہ وہ ہاتھ

نماز پڑھتے ہیں۔

اصل اجماع ان سب تقریروں کا خلاصہ یہ ہے کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا بہ اجماع اہل مدینہ ثابت ہے جسمیں تمامی صحابہ۔ و تابعین و تبع تابعین داخل ہیں۔ تو اب ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا مخالف اجماع ٹھہرا جو یقیناً باطل ہے مطابق قواعد اہلسنت۔

عظمت اجماع کیونکہ اجماع ایک ایسی حجت شرعی ہے کہ اسکے مقابلہ میں کوئی حجت حجت نہیں چنانچہ آپکو معلوم ہے کہ خود کتاب اللہ جس سے بڑھکر کوئی حجت نہیں ہو سکتی محتاج اجماع ہے کہ جن آیات اور سور و نیز اجماع ہوا وہ تو داخل قرآن کیا گیا۔ اور جسپر اجماع نہوا وہ نہ داخل قرآن ہوا نہ قرآن مانا گیا۔ تو اب دوسری کونسی حجت شرعی ایسی ہو سکتی ہے جو اجماع کے ہمسر ہو سکے۔ کیونکہ شرح مسلم الثبوت میں ہے۔ الاجماع حجۃ قطعاً ویفید العلم الجازم عند الجمیع من اھل القبلۃ ص ۳۱۳ جلد ۲ مطبوعہ مصر

جس سے معلوم ہوا اجماع حجت قطعی ہے کہ مفید علم الیقین ہے تمامی اہل قبلہ کے نزدیک بہ استثناء خوارج و شیعہ یہانتک کہ اجماع سے احکام قرآن اور حدیث دونو باطل کر دئے جاتے ہیں۔

حجیت اجماع اہل البیت علیہم السلام ملا محمد معین نے ایک خاص تقریر اس بارہ میں لکھی کی ہے جس سے اجماع اہلبیت اطہار کی عظمت ثابت ہوتی ہے لہذا اوسکا ذکر بھی ضروری ہے۔

لکھتے ہیں۔

ومما اعتقدہ حجیۃ اجماع
اہل بیت النبوۃ رضی اللہ تعالی
عنہم وعملہم وہو عندی وعند
کل منصف اقوی من عمل اہل
المدینۃ وذلک لان حجیتہ
لیس الا من حیث ان ما توارثہ
اہل بلد صاغرا عن کابر مستمرا
من غیر طریان تغیر علیہ یستند
عادۃ الی رئیس ذلک البلد
اذا کان معلوما باہتمام مراسم
خاصۃ فی ریاستہ وترویجہا
علی مرؤسیہ من اہلہ وذلک
فی توارث اہلبیتہ کذلک
واستنادہ الی رئیس البیت
وصاحبہم الذی یعلو لہم
ویسوسہم مع شدۃ اعتناءہم
بالاتیان بما یامرہم واتباعہم
فی کل ما یفعلہ اقوی فی العادۃ
واثبت فی الحفظ فانہم اضبط
الاقوام لحالہ واعلم باقوالہ و
اعمالہ بل لا یصل الی اہل
البلد من رئیسہ کثیر شیء من

مین اسکا بھی معتقد ہون کہ اجماع
اہلبیت علیہم السلام اور اونکا عمل
حجت ہے اور وہ میرے نزدیک بلکہ
ہر صاحب انصاف کے نزدیک قوی
تر ہے عمل اہل مدینہ سے کیونکہ عمل اہل
مدینہ اسیوجہ سے حجت ہے کہ جو فعل
اُن مین بحیثیت توارث جاری ہے
کہ ہر چھوٹا اپنے بڑے سے اوسکو سیکھتا
چلا آیا اور بغیر کسی قسم کے تغیر وتبدل
کے اوسپر عمل کرتا آیا۔ تو یہ امور
عادۃً منسوب ہونگے رئیس بلد کی
طرف کہ یہ عادات واطوار اوسی رئیس
سے لئے گئے ہین خصوصاً جب وس
رئیس کے اہتمام سے بھی معلوم ہو کہ
اپنے مراسم خاصہ کی ترویج مین اوسکو
کوشش ہو کہ اپنی ریاست مین
اوسے جاری کرے اور رعایا سے
اوسکی پابندی چاہے تو بالیقین اون

ذلك الاصادر من اهل بيته
لاسيما ويدخل في اهل بيته نساءه
الصالحات مع الذكور من اولاده
واقربائه وخدمهم ومواليهم
ليحيطون باحوال داخل
البيت وخارجه وما نعني
من اهل بيت النبوه في
هذه المسئلة الاما يشتمل لنسائه
صلى الله تعالى عليه وسلم و
ذكور بني هاشم والمطلب فاذا
اجمعوا على شئ وتوارث ذلك
فيهم فهو عندي حجة تسمعت
شانها وصفتها على ما ذكرنا هذا
بمجرد ما يعطي وحدة البيت
معه صلى الله تعالى عليه وسلم
وملازمة اهله حضرته من
الاطلاع على احواله واقواله
واعماله صلى الله تعالى عليه
وسلم والزائد على ما يعطي من
ذلك وحدة البلد معه
صلى الله تعالى عليه وسلم
وملازمة اهله اياه صلى الله
تعالى عليه وسلم فكيف اذا انضم

رعایا کے افعال و اعمال سے معلوم
ہوگا کہ سب اوسی رئیس کی ہدایت اور
تعلیم سے ہے۔

اسی طرح اہلبیت کا توارث اور
اونکے افعال کی نسبت رئیس خاندان
کی طرف بدیہی ہے خاص کر جب معلوم
ہو کہ وہ افسر خاندان ہمہ وقت
کوشش کرتا ہے اسمین کہ اوسکے
خاندان کے لوگ اون آداب و قواعد
کو سیکھین اور نہایت اہتمام کرتا ہو
اسمین کہ وہ لوگ بجا لائین اوسکے
کل اوامر و نواہی کو۔ اور ہر بات
مین اوسکی پیروی کرین۔

تو ایسے امور جو اوس خاندان
مین جاری ہون وہ من حیث الدلالہ
نہایت قوی اور محفوظ ہین کیونکہ یہ
لوگ اپنے بزرگ خاندان کے حالات
سے زیادہ واقف اور اقوال و
افعال مین زیادہ مطیع ہونگے اور

الی ذلک حدیث الثقلین
فمن ورد منهم علی امر من
بیانه مما یکاد یثبت فی کل
واحد من علمائهم العصمة
فان لم یثبت فیه ففی کلهم الی یسیر
عند اجماعهم علی امر فان لم
یثبت العصمة رأسا فغلبة
ظن الاصابة فی کل واحد فان
لم یثبت فیه ففی کلهم عند اجماعهم علی ما لا یوجد
ذلک فی اجماع من لم یرد فیهم نص مثله من
الشارع صلی الله تعالی علیه وسلم وانهم یقربون لذلک
کله فلا اقل من ان نؤمن بان
عملهم مما یرجح احد المتعارضین
من الاحادیث علی الآخر
کعمل اهل المدینه المنورة
ولهذا استموا مثل الحاکم
ای لم یرجح بعلمهم
ابی عبد الله و سلیمان الاعمش
ومحب الدین الطبری الرجال
الابطال من رؤساء علماء
السنة شیعة وقالوا صحیح
مسلم ملاٰن من الشیعة ولما
قال مالک بحجیة عمل اهل المدینة
المعظمة لزمه القول بحجیة عملهم
لاسیما فیما اجمع علیه الائمة

اونکے زیادہ ضابط ہونگے بہ نسبت
دیگر حضرات اہل شہر کے بلکہ حق
تو یہ ہے کہ اہل شہر کو بہت سے
حالات اور افعال وعادات
معلوم بھی نہونگے مگر اوسکے خاندان
کے ذریعہ سے۔ کیونکہ اونکو دیکھ کر
اہل شہر سمجھیں گے کہ یہ امور ہمارے
رئیس کے افعال وعادات سے ہیں
اور خاندان میں داخل ہیں اونکی
عورتیں بھی اور ذکور اونکے
اولاد واقرباے اور خدم وموالی
اونکے کہ یہ سب محیط ہیں احوال
داخل خانہ سے اور خارج خانہ سے
یہاں ہم اہل بیت نبوۃ سے
معنی عام مراد لیتے ہیں جو شامل ہو
نساء نبی کو اور ذکور بنی ہاشم و
بنی المطلب کو کہ جب وہ کسی امر پر اجماع
کریں اس حیثیت سے کہ وہ بحیثیت
توارث اونمیں جاری ہو۔ تو

اثنی عشر رضی اللہ تعالی عنہم لماذکرنا والحق حق وان لم یاخذ بہ احد۔	و میرے نزدیک حجت ہے اور یہاں تو ہی حجت جسکی صفت اور شان تو سُن چکا۔

یہ جو کچھ مینے بیان کیا صرف وحدت بیت کا ("ایک گھر مین رہنا") اثر ہے کہ صرف اہل خاندان سے ہونے اور ہر وقت کے ساتھ رہنے اور ملازمت سے یہ ضرور ہے کہ اونکو حضرت کے اقوال و اعمال پر زیادہ اطلاع ہو بہ نسبت اونکے جو صرف ایک شہر مین حضرت کے ساتھ ہین اور نیز حضرت اہل وعیال و خاندان والون سے ملتے رہتے ہین (کیونکہ اگرچہ وہ بھی حضرت کے حالات سے بہ نسبت دوسرے شہر والونکے زیادہ مطلع ہوتے ہین۔ مگر خاندان والون کی اطلاع اس سے کہین بڑہی ہوتی۔)

چہ جائیکہ اس کے ساتھ حدیث ثقلین ملالی جائے جو اون حضرات اہلبیت طاہرین کے بارے مین وارد ہے جس سے ہر واحد کی اون علمائے اہلبیت طاہرین سے عصمت ثابت ہے۔ اور اگر سبکی عصمت فرداً فرداً نہ بھی ثابت ہو۔ تو اجماع کی حالت مین تو سبکی عصمت ضرور ہی ثابت ہے جس سے اونکا اجماعی مسئلہ ضرور مسلم ہوگا۔

اور اگر ہم فرض کرلین کہ عصمت کسیکی ثابت ہی نہین ہو سکتی۔ تو یہ تو ضرور ثابت ہوگا کہ انمین سے ہر ایک شخص کے افعال و اعمال مین ظن غالب اصابت ہے کہ اونکے افعال و اعمال منطبق حق اور صواب ہونگے۔ اور اگر

ہم مان لین کہ فرداً فرداً اصابت نہین ثابت ہوتی۔ تو سبکے اجماع مین تو ضرور ہی اصابت ہوگی کہ اہلبیت کا اجماع بہ نسبت اور لوگونکے زیادہ قوی ہوگا۔

کیونکہ انکے اجماع کے بارہمین شارع ؑ کا نص موجود ہے جس سے اوسکی عصمت ثابت ہے۔ اور اگر تم اسکا بھی اقرار نہ کروگے تو کم سے کم تمکو اسپر ایمان لانا پڑیگا کہ اہلبیت طاہرین کا عمل ترجیح دیگا ایک حدیث کو دوحدیث متعارض سے جسطرح کہ اہل مدینہ کا عمل ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دیتا ہے۔ اور یہی (الترجیح بعملہم) باعث ہے کہ امام حاکم ابی عبداللہ سلیمان اعمش۔ اور محب الدین طبری کو جو رجال ابطال اور روساء علمائے اہل سنیہ سے ہین۔ ان لوگون نے شیعہ نام رکھا اور کہا کہ صحیح مسلم مملو ہے شیعونسے۔

(یعنی چونکہ حاکم و اعمش و محب الدین طبری نے عمل اہلبیت طاہرین سے استدلال کیا اسلئے وہ سب شیعہ کہدئے گئے اور یہین سے اسکی وجہ بھی ظاہر ہوئی کہ صحیح مسلم کی کیون اسقدر وقعت نہین اسوجہ سے کہ اوسکے راوی ایسے لوگ ہین بخلاف صحیح بخاری کے جسکے رواۃ تمامتر خوارج ہین)

اور جب امام مالک قایل ہوئے اسکے کہ عمل اہل مدینہ حجت ہے تو ضرور ہوا اونکو کہ وہ قایل ہون اسکے کہ عمل اہلبیت طاہرین بھی حجت ہے۔ بالخصوص وہ عمل جسپر آئمہ اثناعشر مجتمع ہون جیسا کہ

ہمنے ذکر کیا اور حق حق ہے اگرچہ کوئی اسکو نہ قبول کرے۔ دتمام ہوا ترجمہ

اس عبارت سے جہان حجیت اجماع اہلبیت طاہرین علیہم السلام

معلوم ہوئی وہان یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلسنت نے قصداً اقوال آئمہ

علیہم السلام کو ترک کیا ہے۔ جیسے خود ملا محمد معین دراسات اللبیب مین

ان لفظون سے فریاد کرتے ہین فالفجیعة کل الفجیعة علی الامة ان خلت

کتب المذاهب الاربعة عن مذهب اهل البیت رض عنهم اجمعین

ثم اذا وجد فیها شئ من ذلك یعارض بمثل هذا ولقد سبقت

منا رسالة مفردة فی اسعاد الموضعین تکلمنا فیها علی الثانی

واستوفینا الکلام فی الجواب عن الامام الحق رض فلنکتف به ولنتکلم

علی الاول فاعلموا ان آئمة الطاهرین رضی الله عنهم یحرمون الرای

والقیاس ولهذا لما دخل ابو حنیفة علی جعفر بن محمد رض علی ما

حکاه الشعرانی فی اللواقح قال له بلغنی انك تقیس لا تقس فان

اول من قاس ابلیس ص ۲۴۷

یعنی افسوس صد افسوس اس امت پر کہ ائمہ اربعہ کے مذہب کی کتابین

خالی ہین مذہب اہلبیت رضی اللہ عنہم سے پھر اگر کوئی بات اونکے مذہب

کی پائی بھی جاتی ہے ان کتابون مین تو ایسی باتونسے اوسکا معارضہ

کیا جاتا ہے حالانکہ مین ایک رسالہ خاص اس باب مین لکھ چکا ہون کہ

جسمین پورا جواب دیا ہے امام بحق جناب امام حسن کی طرفسے اوسی پر

اکتفا کرتا ہون اور کہتا ہون کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام حرام جانتے

قیاس اور رائے کو یہی وجہ ہے کہ جب ابو حنیفہ خدمت جناب امام جعفر صادق میں حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا مینے سنا ہے تو قیاس کرتا ہے۔ قیاس نکر کہ پہلا قیاس کرنیوالا شیطان ہے ۔

بہر حال ہمارا مقصود یہان نہ قدح ابو حنیفہ ہے نہ اسکی شکایت کہ حضرات اہلسنت نے ائمہ طاہرین کی متابعت کیون ترک کی کیونکہ قیامت یقینی ہے - اوسروز خداوند قہار خود انسے سوال کریگا - اور یہ جواب دینگی ہمارا فرض تو صرف یہ ہے کہ لکم دینکم ولی دین عمل کرین ۔

ہان انسانی ہمدردی - اسلامی اخوت مجبور کرتی ہے کہ راہ حق کو واضح کرین اور حجت کو تمام کرین کہ دیکھو خدانے تمکو کیا حکم دیا ہے اوسکے رسول نے کیا بتایا ہے اوسکے جانشین اور خلفانے کیا سکھایا ہے کہ کسطرح نماز پڑہو ہاتھ کہول کر یا باندہ کر کیونکہ ابہی تم دیکھ آئے اور پڑہ آئے کہ اون حضرات کا عام قاعدہ یہی تہا کہ نماز ہاتھ کہولکر پڑہیں اور تمامی صحابہ و تابعین و تمامی اہل مدینہ کا جو ہر وقت حضرت کی خدمت مین رہتے اور آپکو نماز پڑہتے دیکھتے - اونکا یہی عمل تہا ۔

چونکہ ملا محمد معین نے آئمہ اطہار علیہم السّلام کی طرف ضمناً اسکی نسبت کی ہے کہ وہ حضرات نماز ہاتھ کہولکر پڑہا کرتے اسلئے ایک حدیث فروع کافی کی بھی یہان لکہتا ہون جس سے معلوم ہو کہ واقعاً اون حضرات کا یہی معمول تھا ۔

فروع کافی کے باب افتتاح الصلوٰۃ والحد فی التکبیر وما یقال عند ذلک

میں ہے۔ علی بن ابراہیم
عن حماد بن عیسی قال قال
لی ابو عبد الله علیه السلام یوما
یا حماد تحسن ان تصلی قال
فقلت یا سیدی انا احفظ
کتاب حریز فی الصلوة قال
لا علیک یا حماد قم فصل قال
فقمت بین یدیه متوجها الی
القبلة فاستفتحت الصلوة
فرکعت و سجدت فقال یا حماد
لا تحسن ان تصلی ما اقبح بالرجل
منکم ان یاتی علیه ستون
سنة او سبعون سنة فلا یقیم
صلوة واحدة بحدودها
تامة قال حماد فاصابنی
فی نفسی الذل فقلت جعلت
فداک فعلمنی الصلوة فقام
ابو عبد الله علیه السلام مستقبل
القبلة منتصبا فارسل یدیه
جمیعا علی فخذیه قد ضم
اصابعه و قرب بین قدمیه
حتی کان بینهما قدر ثلاث
اصابع منفرجات و استقبل
باصابع رجلیه جمیعا القبلة
لم یحرفهما عن القبلة و قال
بخشوع الله اکبر ثم قرء الحمد
بترتیل و قل هو الله احد

یعنی علی بن ابراہیم حماد بن عیسی کی
روایت کرتے ہیں کہ ایکروز جناب
امام جعفر صادق ؑ نے مجھے فرمایا ای
حماد کیا تو اچھا جانتا ہے کہ نماز پڑھے
میں نے کہا اے سید میرے میں نے یاد کیا ہی
کتاب الصلوۃ حریز کو۔ حضرت نے
فرمایا کوئی حرج نہیں۔ تم کھڑے ہوکر
نماز پڑھو۔ حماد کہتے ہیں کہ میں کھڑا
ہوا سامنے آپکے اور قبلہ کی طرف
رخ کرکے افتتاح صلوۃ کیا اور رکوع
و سجود بجا لایا۔ حضرت نے فرمایا ای
حماد تم نے اچھی طرح نماز کو نہیں ادا
کیا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ
تم لوگون کی عمر ساٹھ ستر برس کی ہو
جائے اور ایک نماز بھی درست
طور سے نہ پڑھو اور اوسکے حدود
کو پورے طور سے نہ بجا لاو۔ حماد
کہتے ہیں اس کلمہ سے نہایت ذلت
معلوم ہوئی اور میں نے عرض کیا کہ

ثم صبر هنيئة بقدر ما يتنفس
وهو قائم ثم رفع يديه حيال وجهه
وقال الله اكبر وهو قائم ثم ركع
وملأ كفيه من ركبتيه منفرجات
ورد ركبتيه الى خلفه حتى استوى
ظهره حتى لو صبّ عليه قطرة من ماء
او دهن لم تزل لاستواء ظهره
ومدّ عنقه وغمض عينيه ثم سبح
ثلاثا بترتيل فقال سبحان ربي
العظيم وبحمده ثم استوى قائما
فلما استمكن من القيام قال
سمع الله لمن حمده ثم كبر وهو
قائم ورفع يديه حيال
وجهه ثم سجد وبسط كفيه
مضمومتي الاصابع بين يدي
ركبتيه حيال وجهه فقال سبحان
ربي الاعلى وبحمده ثلاث مرات
ولم يضع شيئا من جسده على شيء
منه وسجد على ثمانية اعظم

آپ پر فدا ہوں مجھے نماز کی تعلیم
فرمائیے۔ پس کھڑے ہوئے امام
جعفر صادقؑ اور قبلہ کی طرف
رخ کیا سیدھے ہو کر۔ اور دونوں
ہاتھوں کو اپنے سیدھے لٹکا دیا
اپنے زانوؤں پر اور انگلیاں اونکی
ملا لیں۔ اور نزدیک کیا اپنے
دونو قدم کو۔ کہ اونمیں تین یا چار
انگل کا فاصلہ رہا۔ اور پیر کی
اونگلیوں کو بھی جانب قبلہ کیا
کہ کچھ نہ رہے قبلہ سے۔ پھر بخشوع
کہا اللہ اکبر۔ پھر سورہ الحمد کی تلاوت
کی بہ ترتیل بعدہ قل ہو اللہ احد
پڑھا اور اتنی دیر تک کھڑے رہے
کہ سانس لے لیں۔ پھر دونو ہاتھ
بلند کیا برابر چہرہ اقدس کے اور کہا
اللہ اکبر۔ ابھی تک آپ کھڑے ہی تھے
پھر رکوع کیا اور بھر لیا دونوں
ہتھیلیوں کو گھٹنوں سے کہ انگلیاں

الکفین والرکبتین واناملِ
ابہامی الرجلین والجبہۃ و
والانف وقال سبعۃ منہا
فرض یسجد علیہا وھی التی
ذکرھا اللہ تعالیٰ فی کتابہ
فقال وان المساجد للہ فلا
تدعوا مع اللہ احدا وھی الجبھۃ
والکفان والرکبتان والابہامان
ووضع الانف علی الارض
سنۃ ثم رفع راسہ من السجود
فلما استوی جالسا قال اللہ
اکبر ثم قعد علی فخذہ الایسر
وقد وضع ظاہر قدمہ الایمن
علی بطن قدمہ الایسر وقال
استغفر اللہ ربی واتوب الیہ
ثم کبر وھو جالس وسجد
السجدۃ الثانیۃ وقال کما قال
فی الاولی ولم یضع شیئا من بدنہ
علی شیٔ منہ فی رکوع ولا سجود

کھلی ہوئی تھیں - اور دبایا گھٹنے
کو پیچھے کی طرف - یہانتک کہ برابر
ہوئی آپکی پشت کہ اگر اوسپر ایک
قطرہ پانی کا ڈالا جائے یا ٹپکی تو
وہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے بوجہ
اسکے کہ پشت برابر تھی اور بڑہا دیا
گردن کو - اور بند کر لیا آنکھونکو
اور تین مرتبہ بترتیل کہا سبحان
ربی العظیم وبحمدہ - پھر سیدھے
کھڑے ہوئے - جب اچھی طرح کھڑے ہو
ہوئے تو فرمایا سمع اللہ لمن حمدہ
پھر تکبیر کہا کھڑے کھڑے - اور دونو
ہاتھوں کو چہرہ تک بلند کیا - پھر
سجدہ کیا - اور پھیلا دیا ہتھیلیوں کو
کہ انگلیاں اوسکی ملی ہوئی تھیں -
سامنے دونو گھٹنوں کے مقابل
چہرہ کے اور کہا سبحان ربی
الاعلی وبحمدہ تین مرتبہ اور
رکھا آپنے ایک بدن کو دوسرے

وکان مجنحا ولم یضع ذراعیه
علی الارض فصلی رکعتین علی
هذا ویداه مضمومتا الاصابع
وهو جالس فی التشهد فلما
فرغ من التشهد سلم فقال
یاحماد هکذا اصل

بدن پر۔ اور سجدہ کیا آٹھ عضو پر
دونوں ہتھیلیاں۔ دونوں گھٹنے اور
دونوں زانو اور دونوں انگشت
پیروں کی۔ اور پیشانی اور ناک
اور فرمایا کہ سات عضو پر سجدہ
کرنا فرض ہے جسکا خدا نے ذکر

کیا ہے آیہ وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا میں کہ وہ
پیشانی۔ دونوں کف دست دونوں گھٹنا۔ دونوں انگشت ہیں پیروں
کی۔ اور ناک کا رکھنا خاک پر سنت ہے۔ پھر بلند کیا سر اپنا سجدہ
سے جب سیدھے بیٹھے تو کہا اللہ اکبر۔ پھر بیٹھے بائیں زانو پر کہ ظاہر
قدم ایمن رکھا بطن قدم الیسر پر اور کہا استغفر اللہ ربی واتوب
الیه۔ پھر تکبیر کہا بیٹھکر۔ اور سجدہ کیا دوسرا سجدہ۔ اور کہا جسطرح
پہلے سجدہ میں کہا تھا۔ اور نہ رکھا ایک عضو کو دوسری
عضو پر رکوع وسجود میں اور تھے پھیلائے ہوئے ہاتھ اور نہ رکھا ساق دست کو
زمین پر۔ اسی طرح دو رکعت نماز پڑھی اور دونوں ہاتھ آپکے مضمومۃ
الاصابع تھے۔ اسیطرح تشہد پڑھا اور بعد تشہد سلام کیا۔ پھر
کہا اے حماد اسطرح نماز پڑھا کر۔ تمام ہوا ترجمہ
مینے اس غرض سے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ شاید کوئی
مسلمان اس روایت کو دیکھکر اپنی نماز درست کرے دوسرے یہ کہ

چونکہ ملا محمد معین صاحب نے ان حضرات کے ہاتھ کہولنے کا ضمناً اشارہ کیا تھا اسلئے اوسکی تصریح دکہانا تھا مطابق روایت شیعہ

اب مین اس بحث کو ختم کرتا ہون کیونکہ بفضلہ تعالی خود کتب معتبرہ اہلسنت سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ جو طریقہ شیعون کا نماز پڑہنے مین ہے یہی سنت رسول اللہ تھا - اور تمامی اہل مدینہ جسمین اولاد و ازواج رسول و موالی وصحابہ و تابعین و تبع تابعین سب داخل ہین سبکا یہی معمول تھا کہ وہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہتے - اور اہلسنت کے امام مالک کا یہی مذہب ہے - اور امام شافعی کا بھی اسی کے مطابق فتوی ہے - تو اب اہلسنت غور کرین - اونکی نماز جو ہاتھ باندہکر ہوتی ہے کیسی ہے کیونکہ نہ کوئی حدیث صحیح اونکے پاس ہے رسول اللہ سے نہ عمل صحابہ ہے نہ عمل تابعین - تو اب ہم اس نماز کی نسبت کیا کہین کہ آخر یہ نماز اونکی کیسی ہے - والحمد للہ اولاً و آخراً والصلوٰۃ علی نبیہ واہلبیتہ باطناً وظاہراً

دوسرا جملہ ابطال دلائل مخالفین

اہلسنت کی سب سے عمدہ دلیل اس مادہ مین روایت صحیح بخاری ہے جو حسب ذیل ہے باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوٰۃ حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ عن مالک عن ابی حازم عن سہیل بن سعد قال کان الناس یومرون ان یضع الید الیمنی علی ذراعہ

اليسری فی الصلوٰۃ وقال ابوحازم لا اعلمہ الا ینمی ذلک الی النبی قال اسمٰعیل ینمی ذلک ولم یقل ینمی ص

یہ باب اسکا ہے کہ داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر نماز میں رکھیں حدیث بیان کی ہے ہمسے عبداللہ بن مسلمہ نے مالک سے اونہوں نے ابی حازم سے اونہوں نے سہیل بن سعد سے کہ تھے لوگ حکم کیے جاتے۔ اس بات کا کہ مرد رکھے دہنا ہاتھ کلائی پر بائیں ہاتھ کی نماز میں۔ کہا ابوحازم نے مین نہین جانتا مگر یہ کہ وہ نسبت کرتے تھے اسکو رسول اللہ کی طرف کہا اسمعیل نے کہ ینمی ذلک بصیغہ مجہول ہے۔ اور نہین کہا ینمی بصیغہ معروف

خلاصہ یہ کہ سہیل بن سعد روایت کرتے ہین لوگونکو اسکا حکم ہوتا تھا کہ داہنا ہاتھ بائین پر رکھین۔

یہی روایت ہے جسپر اسکی بنا ہے کہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی جائے مگر خود روایت بتا رہی ہے کہ کس وضع کی یہ حدیث ہے۔ جسپر خود علمائے اہلسنت نے چند اعتراض کیے ہین۔

(۱) علامہ عینی لکھتے ہین وفیہ التحدیث بصیغۃ الجمع فی موضع والعنعنہ فی ثلاثۃ مواضع وھو من افراد البخاری ع ۱۴ جلد ۳

یعنی اسمین پہلے تو حدثنا بصیغہ جمع ہے پھر تین موضع پر عنعنہ ہے۔ اور افراد بخاری سے ہے کہ صرف بخاری اسکے راوی ہین اور چونکہ عام طور سے اہلسنت کے یہان جب روایت مین عن فلان عن فلان

ہو وہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح میں اتصال ضروری ہے
اور معنعنہ بلا اتصال بھی ہوتا ہے لہذا یہ روایت عام طور سے حکم
صحت سے خارج ہے اور بغیر صحت حدیث استدلال درست نہیں
دوسرے حدیث مبہم ہے نہ معلوم اسکا تعلق حالت قیام سے ہے یا
قعود سے - اسلئے ابن حجر کو شرح میں یہ جملہ بڑہانا پڑا ای فی حال القیام
مگر نفس حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے حال قیام سمجہا جائے
تیسرے اسمیں بھی ابہام ہے کہ کسکا حکم تھا - کون حکم دیتا - اسی لئے
ابن حجر کو یہ لکھنا پڑا ہذا حکمہ الرفع لانہ محمول علی ان الامر لہم
بذلک ہو النبی کما سیاتی یعنی یہ حدیث حکم مرفوع میں ہے (یعنی نسبت
ہے آنحضرت کی طرف) کیونکہ محمول ہے اسپر کہ حکم دینے والے اسکے رسول
اللہ تھے جیسا کہ آتا ہے -
مگر اسمیں یہ خرابی ہے کہ اگر حضرت کا امر ثابت ہو تو اوس سے وجوب
اسکا ثابت ہوگا اسلئے کہ امر وجوب کے لئے ہے اور کوئی قائل بوجوب
نہیں لہذا نسبت امر حضرت کی طرف غلط ہے -

پس اگر فرض کیا جائے تو اس سے لازم آتی ہے مخالفت امام
مالک و شافعی جو قائل بہ ارسال تھے یعنی ہاتھ کہول کر نماز پڑہنا اونکا
مذہب تھا بلکہ امام مالک تو ہاتھ باندہنے کو مکروہ سمجہتے تھے - تو کیا کوئی
کہ سکتا ہے کہ امام مالک کا مذہب بمخالفت امر رسول قایم ہوا -
تیسرے اگر اس لفظ یومرون سے یہ بات پیدا ہوتی تو ابو حازم کو اسکی

تصریح کی کیا ضرورت تھی لا اعلمہ الا ینمی ذلک الی النبی یعنی میں جہانتک جانتا ہوں وہ اس روایت کو نسبت کرتے تھے حضرت کیطرف کیونکہ اگر اصل روایت سے یہ بات پیدا ہوتی تو اس اضافہ کی ضرورت نہ تھی یہی وجہ ہے کہ خود ابن حجر نے اس اعتراض کو نقل کیا ہے اور جواب دیا ہے قیل لو کان مرفوعا لما احتاج ابو حازم الی قولہ لا اعلمہ الخ و الجواب انہ اراد الانتقال الی التصریح فالاول لا یقال لہ مرفوع وانما یقال لہ حکم الرفع۔ یعنی کہا گیا ہے کہ اگر یہ حدیث مرفوع ہوتی ر (یعنی منسوب آنحضرت کی طرف) تو ابو حازم کو اسکی ضرورت نہ ہوتی کہ وہ لا اعلمہ الخ کہتے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اونہوں نے ارادہ کیا اسکا کہ انتقال کریں طرف تصریح کے (یعنی تصریح کر دیں کہ یہ حضرت سے روایت ہے) کیونکہ اول کو مرفوع نہیں کہتے بلکہ حکم رفع کہتے ہیں۔

یعنی غرض یہ ہے کہ روایت مبہم تھی اسلئے اسکی تصریح کر دی کہ یہ روایت حضرت ہی سے ماخوذ ہے۔ حضرت ہی حکم دیتے تھے مگر اسمیں یہ خرابی ہے کہ راوی کی تصریح سے کیا ہوتا ہے جب تک خود اصل راوی اول نہ بیان کرے کہ ہمنے رسول اللہ سے سنا یا حضرت نے ہمسے بیان کیا۔ اوسوقت تک حدیث کی مرفوعیت نہیں معلوم ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ خود ابن حجر لکھتے ہیں وقد اعترض الدانی فی اطراف الموطاء فقال ھذا معلول لانہ ظن من ابی حازم ورد بان ابا حازم لو لم یقل لا اعلمہ الی اخرہ لکان فی حکم المرفوع لان قول الصحابی کنا نومر بکذا یصرف

نظاهرة الی من له الامر وهو النبیؐ دون الصحابی فی مقام تعریف الشرع فیحمل علی من صدر عنه الشرع ومثله قول عائشة کنا نومر بقضاء الصوم فانه محمول علی ان الامر بذلک هو النبیؐ واطلق البیهقی انه لاخلاف فی ذلک بین اهل النقل من ہ

کہ دالی نے اطراف موطا مین یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ قول اسوجہ سے معلول ہے کہ یہ گمان ابوحازم ہے (اور گمان راوی کوئی چیز نہین) اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر ابوحازم یہ نہ کہتے کہ ہم جہانتک جانتے ہین اس قول کی نسبت حضرت کی طرف ہے۔ توبھی یہ حدیث حکم رفع مین ہوئی کیونکہ جب صحابی یہ کہتا ہے کہ ہمکو ایسا حکم دیا جاتا تھا۔ تو یہ اسی پر محمول کیا جاتا ہے کہ حکم دینے والے آنحضرت ہین۔ کیونکہ صحابی مقام تعریف شرع مین ہے۔ لہذا اسی پر حمل کیا جائیگا کہ یہ حکم شارع ہے۔ اور اسی کے مثل ہے قول عائشہ کہ ہملوگ حکم دیے جاتے تھے بقضاء صوم کیونکہ اس سے مراد یہی ہے کہ آنحضرت حکم دیتے تھے۔ اور بیہقی نے تو اسکا دعوی کیا ہے علی الاطلاق کہ اہل نقل کو اسمین اختلاف ہی نہین۔

اقول افسوس ہے تو اسیکا کہ یہ حضرات دعوی کرتے ہین علم حدیث کا اور مطلقا اوس سے بہرہ نہین رکھتے کیونکہ قول عائشہ کنا نومر مین یا اور اقوال صحابہ مین جو اسطرح وارد ہین۔ پھر راوی اسطرح کی تصریح نہین کرتا جو اسکا قرینہ ہے کہ وہان مطلب واضح ہے اور صاف کہ یہ حکم رسول تھا۔ بخلاف اسکے یہان چونکہ اصل حکم رسول نہین ہے اسلئے اوس

حدیث کے اعتبار بڑھانے کو کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ حکم دوسرے کسی کا
تھا- اسلئے ابو حازم نے لا اعلمہ کا اضافہ کیا جس سے خود بخود اسکی-
وضعیت ظاہر ہو گئی- کیونکہ اگر یہ حدیث وضعی نہ ہوتی تو ابو حازم
کو اسکے اضافہ کی ضرورت نہ تھی- پس یہ قول ابو حازم خود اسکا
کاشف ہے کہ حدیث رسول نہیں ہے ورنہ اصل حدیث بجائے خود
کافی تھی اسکے لئے کہ یہ حکم رسول ہے-

یہ عام قاعدہ ہے کہ جو حدیث وضعی یا جعلی ہوتی ہے من جانب
اللہ اوسمین کوئی لفظ کوئی قرینہ ایسا ضرور پیدا ہو جاتا ہے جس سے
اوسکی وضعیت کھل جائے کیونکہ واضع خود جانتا ہے کہ یہ حدیث
ہم وضع کر رہے ہین- اسلئے وضع کے اخفا کے لئے وہ چاہتا ہے
کسی طرح اسکو ایسا معتمد بنائین کہ گمان وضع نہو جس سے خواہی
نخواہی کوئی لفظ ایسا بڑھانا پڑتا ہے کہ وہ پردہ دار ہو- اور وہی
پردہ داری اوسکا پردہ فاش کرتی ہے- یہی وجہ ہے کہ احادیث
مین جو صحیح روایتین ہوئی ہین اونمین ایسی باتین نہین ہوتین
اگر اسپر بھی تسکین نہو تو خود حافظ ابن حجر کا کلام جو اسکے بعد ہے
ملاحظہ فرمائین کہ لکھتے ہین وقد روی فی سنن ابی داؤد والنسائی
وصحیح ابن السکن شئ یستأنس بہ علی تعیین الامر والمامور
فروی عن ابن مسعود قال رآنی النبی وانا واضع یدی الیسری
علی الیمنی فنزعہا ووضع الیمنی علی الیسری اسنادہ حسن

یعنی سنن ابوداود - نسائی - صحیح ابن سکن مین ایک ایسی شئی روایت کی گئی ہے - جس سے اس بات کی موافقت ہوتی ہے کہ آمر و مامور معین ہو - کیونکہ روایت کی ہے ابن مسعود سے کہ دیکھا مجھے آنحضرت نے بایان ہاتھ داہنے ہاتھ پر رکھے ہوئے - تو حضرت نے چھوڑا دیا اور داہنا بائین پر رکھا سند اسکی حسن ہے -

مگر ہائے اس استیناس نے اور بھی وحشت پیدا کی کیونکہ اولا یہ حدیث حسن ہے - اور وہ حدیث صحیح کہی جاتی ہے تو حدیث صحیح کی وحشت حدیث حسن سے کیونکر دور ہو سکتی ہے کیونکہ حدیث حسن تو بمقابلہ صحیح کوئی چیز نہین -

دوسرے یہ واقعہ مخصوص ہے ابن مسعود سے اس سے اوس حدیث عام کی وحشت کیونکر دفع ہوئی جسمین یہ بیان ہے کہ عام طور سے حکم دیا جاتا تھا -

تیسرے اس حدیث مین نہ ذکر صلوۃ ہے نہ ذکر قیام نہ ذکر قعود - پھر اس حدیث سے اوسکو کیا نفع پہونچ سکتا ہے جو خاص نماز کے متعلق ہے -

یہان معمولی عقل کا آدمی بھی کہ دیگا کہ جس طرح بخاری نے وضعی حدیث لکھکر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا ثابت کرنا چاہا اوسی طرح ان محدثین نے جو اونکے بعد ہوئے اس وضع کی حدیثین ڈھالین کہ بخاری

کی کاروائی پر بھی پردہ پڑے اور ہاتھ باندھنا بھی ثابت ہو۔ مگر ابن خیالات

و محالست و جنون۔ کیونکہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی جسکے راوی خود امام

مالک ہیں تو اوسکے خلاف اپنا مذہب کیوں قایم کرتے جو تمام عالم کو

معلوم ہے کہ مالک کا مذہب ہاتھ کہولنا تھا۔ چنانچہ خود ابن حجر ہی لکھتے

ہیں وروی ابن القاسم عن مالک الارسال وصار الیہ اکثر

اصحابہ وعنہ التفرقۃ بین الفریضۃ والنافلۃ ومنہم من کرہ

الامساک ونقل ابن حاجب ان ذلک حیث یمسک معتمدا

لقصد الراحۃ

یعنی ابن القاسم نے مالک سے روایت کیا ہے ارسال کو اور اکثر

اصحاب اونکے اسی طرف گئے ہیں اور اونسے فریضہ و نافلہ میں فرق

بھی منقول ہے اور بعضے علمائے مالکیہ نے کراہت کی ہے ہاتھ باندہنے

سے اور ابن الحاجب نے نقل کیا ہے کہ ہاتھ باندہنا بضرورت جائز ہے

کہ بقصد آرام ایسا کیا جائے۔

تو اب دو ہی صورت ہے ایک یہ کہ امام مالک نے اپنا مذہب خلاف

حدیث صحیح قایم کیا جس سے پھر اونکا کفر لازم آتا ہے ومن یشاقق الرسول

دوسرے یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے جبھی مالک نے اسکو کوئی چیز

نہ سمجھا اور اوسکے خلاف اپنا مذہب قایم کیا۔

اس روایت کا آخری فقرہ جسے مینے علامت وضع قرار دیا ہے۔

وہ قول ابو حازم ہے قال ابو حازم لا اعلمہ الا ینمی ذلک الی النبی

یعنی کہا ابو حازم نے کہ مین جہانتک جانتا ہون اس روایت کو سہیل
نے حضرت کی طرف منسوب کیاہے - اسکی حقیقت کچھ تو پہلے مذکور ہوئی -
مگر صحیح بخاری مین ہے کہ اسمٰعیل کہتے ہین یہ یُنمی ہے بصیغہ مجہول -
نہ ینمی بصیغہ معروف مطلب اسکا یہ ہے کہ ابو حازم نے یُنمی کہا تھا بصیغہ
مجہول کہ مین جہانتک جانتا ہون اسکی نسبت کی جاتی ہے انحضرت کی
طرف نہ یہ کہ ابو حازم نے یہ کہا ہو کہ راوی نے حضرت کی طرف منسوب کیا
ان دونون لفظونکا فرق اسطرح ظاہر ہوگا کہ اگر قول (ابو حازم
مین ینمی ہو بصیغہ معروف تو اوسوقت یہ معنی ہونگے کہ سہیل نے اسکی
نسبت آنحضرت کی طرف کی اس صورت مین حدیث مرفوع متصل ہوگی کیونکہ
سہیل نے حضرت کی طرف نسبت کی ہے اور بصیغہ مجہول لیا جائے کہ نسبت کی
جاتی ہے - تو اس صورت مین حدیث مرفوع نہ ہوئی بلکہ مرسل ہوئی - جو
صحیح نہین ہوتی شرح عینی مین ہے فعلی صیغة المجهول یکون الحدیث
موسلا لان ابا حازم لم یعین من انما له وعلی صیغة المعلوم یکون
متصلا لان الضمیر فیه یکون لسهیل بن سعد لان ابا حازم
قد یتعین له المنمی وهو سهیل بن سعد ص ١٧٠ جلد ٣
بہر حال جب خود بخاری نے بقول اسمٰعیل ینمی کو صحیح کہا تو خود
بخود یہ روایت ساقط الاعتبار ہوئی کیونکہ مرسل ہے جسکو صحیح نہین
کہہ سکتے کہ صیغہ مجہول پڑہنے پر حدیث مرسل ہوگی کہ خود صحابہ کا قول
ہوگا اور صیغہ معروف پڑہنے پر حدیث متصل ہوگی کیونکہ ضمیر عائد ہوگی

سہیل بن سعد کی طرف

اس تحقیقات کے بعد کسی متامل کو اسمین شک رہیگا کہ یہ حدیث محض وضعی ہے کیونکہ جس روایت مین اتنی خرابیان ہون وہ کب قابل قبول ہو سکتی ہے چہ جائیکہ اوسپر نماز ایسے رکن دین کا مدار رکھا جائے اور سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ راوی اس روایت کے امام مالک ہین جنکا مذہب بالکل اسکے خلاف ہے پس اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو ممکن نہ تھا وہ اپنا مذہب اسکے خلاف قرار دیتے۔ کیونکہ لفظ حدیث ایسا مبہم ہے کسیطرح اوس سے یہ نہین معلوم ہو سکتا کہ یہ حکم رسول ہو کیونکہ مولوی عبدالحی صاحب ظفر الامالی فی مختصر الجرجانی مین لکھتے ہین - قال ابن الصلاح لافرق فی ذلک بین ان یقول الصحابی ذلک فی حیوۃ رسول اللہ او بعدہ انتہی وتبعہ النوی فقال قول الصحابی امرنا بکذا او نہینا عن کذا او امر الناس بکذا ونحوہ کلہ مرفوع سواء قال الصحابی ذلک فی حیوۃ رسول اللہ او بعد وفاتہ ونقضہ الحافظ العینی فی البنایہ شرح الہدایہ علی قولہ سواء قال ھذا غیر مسلم لجواز ان یقول الصحابی امرنا بکذا او نہینا بکذا بعد رسول اللہ ویکون الامر والناھی احد الخلفاء الراشدین انتہی وھذا الاحتمال قوی البتہ ص ۱۱۲ یعنی ابن الصلاح نے۔ یہ اصول قائم کیا تھا کہ جب صحابی کہے امرنا بکذا تو وہ حدیث مرفوع ہے خواہ عہد نبی مین ہو یا بعد آنحضرت ہو۔ اسپر علامہ

عینی لکھتے ہین کہ یہ غیر مسلم ہے کیونکہ ممکن ہے آمر و ناہی خلفار راشدین
سے کوئی خلیفہ ہو۔ مولوی عبدالحی صاحب کہتے ہین کہ یہ احتمال البتہ
قوی ہے۔

پس اگر بالفرض یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے حکم رسول کہان
ثابت ہوا کیونکہ بقول عینی ممکن ہے یہ حکم کسی خلیفہ کا ہو۔

علامہ عینی کا یہی اعتراض اوس حدیث پر بھی ہے کہ امر بلال
ان یشفع الاذان ویوتر الوتر اسکے جواب مین اکہتے لا حجۃ للشافعیۃ فی
هذا الحدیث لانه لم یذکر الامر فیحتمل ان یکون غیر النبی ظفر الامانی صلا
پس جب بلال کے بارے مین اونکا یہ عذر ہے حالانکہ بلال نے پھر کسی خلیفہ
کے لئے اذان نہ دی۔ تو سہیل بن سعد کے بارے مین بدرجہ
اولی یہی عذر کافی ہے کہ اونہون نے یہ حکم کسی خلیفہ کا بیان کیا ہو۔
جسکا سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ مالک جو راوی اس حدیث کے
ہین اونہون نے اسپر عمل نہ کیا اور برخلاف اوسکے اپنا مذہب قائم کیا

یہان عینی نے شرح صحیح بخاری مین کچھ مزید تفصیل سے کام لیا ہے
لکھتے ہین ومن جملۃ ما احتججنا فی الوضع حدیث رواہ ابن ماجہ
من حدیث الاحوص عن سماک بن حرب عن قبیصہ بن المهلب
عن ابیہ قال کان النبی صلعم یومنا فیاخذ شماله بیمینه وحدیث
آخر اخرجه مسلم فی صحیحه عن وائل بن حجر ان رسول اللہ
رفع یدیه الحدیث وفیه ثم وضع یده الیمنی علی الیسری

وحدیث آخر اخرجه ابوداؤد والنسائی وابن ماجه من حدیث
الحجاج بن ابی زینب سمعت اباعثمان یحدث عن عبداللہ بن
مسعود انه کان یصلی فوضع یده الیسری علی الیمنی فراٰه
النبی علیه الصلوٰة والسلام فوضع یده الیمنی علی الیسری و
حدیث آخر اخرجه دارقطنی من حدیث ابن عباس عن النبی
قال انا معشر الانبیاء امرنا بان نمسک بایماننا علی شمائلنا فی الصلوٰة
وفی اسناده طلحة ابن عمر متروک وعن ابن معین لیس بشیء
وحدیث آخر اخرجه الدارقطنی ایضاً عن ابی هریرة مرفوعاً نحو
حدیث ابن عباس وفی اسناده النضر بن اسمعیل قال ابن معین
لیس بشیء ضعیف ص ۱۵ جلد ۳

یعنی جن حدیثون سے ہاتھ باندھنے پر ہملوگ استدلال کرتے ہین ایک
حدیث ابن ماجه ہے - احوص سماک بن حرب - قبیصه بن مہلب - مہلب سے
روایت کرتے ہین کہ حضرت ہملوگونکو نماز پڑھارہے تھے تو بائین ہاتھ کو پکڑا
داہنے ہاتھ سے -
دوسری حدیث مسلم کی ہی وائل بن حجر سے کہ حضرت نے داہنا ہاتھ
اپنا رکھا بائین ہاتھ پر -
تیسری حدیث روایت ابوداؤد ونسائی - وابن ماجه ہے کہ حضرت نے
داہنا ہاتھ رکھا بائین پر یہ حدیث حجاج بن ابی زینب سے ابوعثمان سے
وہ عبداللہ بن مسعود سے کہ یہ بایان ہاتھ داہنے پر رکھے تھے - حضرت نے

داہنا ہاتھ بائین پر رکھا۔

چوتھی حدیث دارقطنی کی ہے ابن عباس سے کہ حضرت نے فرمایا ہم معاشر انبیا کو اسکا حکم ہے کہ داہنے ہاتھ سے بایان ہاتھ پکڑین۔ اس کے رواۃ مین طلحہ بن عمرو متروک ہے۔ ابن معین نے کہا لیس بشی

پانچوین حدیث دارقطنی کی ابوہریرہ سے ہے مثل حدیث ابن عباس اسکے سند مین نضر بن اسمعیل ہے جو بقول ابن معین لیس بشی ہو ضعیف ہے

یہ پانچ حدیثین ہین جنمین دو جو دارقطنی کی روایت ہے بقول خود عینی لاشی ہے۔ باقی رہی تین روایتین پہلی روایت کے راوی اول احوص ہین خلاصہ تہذیب الکمال مین ہے قال ابن معین ثقة و مرة ثقة لیس بذاک المتوفی ۲۱۱ھ کہا ابن معین نے ایک دفعہ کہ ثقہ ہین دوسری مرتبہ کہا لیس بذاک

راوی دوم سماک بن حرب ہین میزان الاعتدال مین ہے صفحہ ۴۵۹ جلد اول

سماک بن حرب ابو المغیرہ الھذلی الکوفی صدوق صالح من اوعیة العلم مشہور روی ابن المبارک عن سفیان انہ ضعیف وقال جریر الضبی اتیت سماکا فرأیتہ یبول قائما فرجعت	خلاصہ یہ کہ سماک بن حرب ہذلی صدوق ہین صالح ہین اوعیہ علم سے ہین روایت کی ابن المبارک نے کہ وہ ضعیف ہین۔ جریر ضبی کہتے ہین کہ ہم سماک کے یہان گئے تو اوسے کھڑے کھڑے پیشاب کرتے دیکھا لہذا واپس آکے

ولم اساله فقلت خرف
وروى احمد بن ابي مريم
عن يحيى سماك ثقة كان
شعبة يضعفه وقال
جناد المكتب كنا ناتي سماكا
فنساله عن الشعر ويانيه
اصحاب الحديث فيقبل
علينا ويقول سلوا فان
هولاء ثقلاء وروى
مومل عن حماد بن مسلمه
سمعت سماك بن حرب
يقول ذهب بصري فرايت
ابراهيم الخليل في النوم
فقلت ذهب بصري فقال
انزل الفرات فاغمس
وافتح عينك ان الله يرد
عليك بصرك ففعلت
ذلك فرد الله علي بصري
وقال ادركت ثمانين من الصحابة

اور کچھ نہ پوچھا اور کہا کہ خرف
ہو گیا۔ شعبہ انکو ضعیف کہتے
ہین۔ جناد مکتب کہتے ہین کہ ہملوگ
شعروغیرہ پوچھنے آتے تھے اور
اہلحدیث حدیث سیکھنے تو وہ
ہملوگون کی طرف متوجہ ہوتے
اور اہلحدیث کو کہتے یہ سب ثقیل
ہین۔ مومل نے کہا کہ جب انکی آنکھ
جاتی رہی تو حضرت ابراہیم
کو خواب مین دیکھا اونسے شکایت
کی تو کہا فرات مین غوطہ لگاؤ
اور آنکھین کہولدو۔ اس سے
پھر اون کی آنکھین روشن ہوگئین
سماک کا بیان ہے کہ ہمنے اسّی
صحابہ کو پایا۔ احمد کہتے ہین کہ سماک
مضطرب الحدیث ہے ابوحاتم
ثقہ صدوق کہتے ہین۔ صالح
جزرہ ضعیف کہتے ہین۔ نسائی
کہتے ہین جب وہ تنہا روایت

وقال احمد سماک مضطرب
الحدیث وقال هو اصلح
حدیثا من عبد الملک
بن عمرو وقال ابو حاتم
ثقة صدوق وقال صالح
جزرة ضعیف وقال النسائی
اذا انفرد باصل لم یکن
حجة لانه کان یلقن فیتلقن
روی حجاج عن شعبة قال
کانوا یقولون سماک وعکرمة
عن ابن عباس فیقول
نعم فاما انا فلم اکن القنه
قد روی قتادة عن ابی
الاسود الدولی قال ان سرک
ان یکذب صاحبک
وقال عبد الله بن احمد بن
حنبل قرات بخط ابی عن
رجل لم یسمه قال کان
سماک بن حرب فصیحا

کریں تو وہ قابل احتجاج نہیں
کیونکہ انکو لوگ تلقین کرتے تھے
تو یہ اوسکو یاد کرلیتے تھے شعبہ
کہتے ہیں کہ لوگ کہتے تھے سماک
وعکرمہ عن ابن عباس تو یہ
کہتے ہاں - ہم اونکی تلقین نہ
کرتے تھے - عبداللہ بن احمد
بن حنبل کہتے ہیں کہ مینے اپنے
باپ کے حرف سے دیکھا ہے کہ
سماک فصیح تھے اپنی خوش بیانی
سے - حدیث کو زینت دیتے
ذہبی کہتے ہین انسے مسلم نے
اور شعبہ نے اور ایک جماعت
نے روایت کی ہے ابن مدینی
کہتے ہین کہ اونکی دوسو روایت
ہے - ابن عمار کہتے ہین کہ اکثر
غلطی کرتے اور لوگ انکی روایت
مین اختلاف کرتے - عجلی جائز
الحدیث کہتے ہین سفیان ثوری

يزين الحديث بمنطقه
وفصاحته قلت قد احتج
مسلم به في روايته عن
جابر بن سمرة والنعمان
بن بشير وجماعة وحدث عنه
شعبه وزائده وابو عوانه
والناس قال ابن المديني
له نحو مائتي حديث قال ابن
عمار كان يغلط ويختلفون
في حديثه وقال العجلي
جائز الحديث كان الثوري
يضعفه قليلا وقال ابن المديني
روايته عن عكرمة مضطربة
فسفيان وشعبه يجعلونها
عن عكرمة وابو الاحوص
واسرائيل يجعلونها عن عكرمة
عن ابن عباس وقال
يعقوب بن شيبه هو في عكرمة
صالح وليس من المثبتين ص ٣٨٤

انکو ضعیف کہتے ہیں مگر کم۔ کہا
ابن مدینی نے کہ ان کی روایت
عکرمہ سے مضطرب
ہے۔ یعقوب بن شیبہ
کہتے ہیں عن عکرمہ میں صالح
ہیں۔ مگر مثبتین سے نہیں ہیں
تمام ہوا ترجمہ

راوی سوم قبیصہ بن ہلب
عن ابیہ میزان میں ہے قال ابن
المدینی مجہول لم یرو عنہ
غیر سماک وقال العجلی ثقہ
تابعی ص ۳۱۱ جلد ۲
کہا ابن مدینی نے کہ قبیصہ
بن ہلب مجہول ہیں بجز سماک
کسی نے اسے روایت نہیں کی۔
عجلی ثقہ وتابعی کہتے ہیں۔
ان تصریحات صریحہ سے کہ
تینوں راوی اسکے مجروح ہیں
روایت ابن ماجہ کی قلعی تمام

عالم پر کھل گئی کہ یہ روایت کیسی ہے۔

اُس حدیث مین یہ بیان کیا گیا تھا کہ حضرت ہملوگونکو نماز پڑہاتے تھے تو بائین ہاتھ کو دہنے ہاتہہ سے پکڑتے تھے۔ پس جب تینون راوی اسکے مجروح وضعیف ہین تو حدیث صحیح کہان رہی اسپر بنا کر کے ہاتھ باندہنا کیسا لغو ہے۔

دوسری حدیث ابن ماجہ۔ ابو داؤد۔ نسائی کی حجاج بن ابی زینب سے ہے کہ ابن مسعود نے کہا مینے بایان ہاتھ داہنے پر رکھا تھا حضرت نے داہنا ہاتھ بائین پر رکھدیا۔ ابن حجر نے اسے حسن کہا تھا مگر میزان الاعتدال مین ہے حجاج بن ابی زینب الواسطی الصیقل عن ابی عثمان النہدی وغیرہ وعنہ یزید بن ھارون وعبد الرحمن بن مہدی قال احمد اخشی ان یکون ضعیف الحدیث وقال ابن معین لیس بہ باس وقال ابن المدینی ضعیف وقال النسائی لیس بالقوی قلت مات سنۃ بضع وخمسین ومائۃ قال الدارقطنی لیس ھو بقوی ولا حافظ ص ۱۸۸ جلد اول کہا احمد بن حنبل نے مین ڈرتا ہون کہ کہین وہ ضعیف الحدیث نہو۔ ابن معین نے کہا کوئی مضائقہ نہین ابن المدینی نے کہا ضعیف ہے۔ نسائی نے کہا قوی نہین ہے۔ دار قطنی نے کہا وہ قوی نہین ہے نہ حافظ حدیث ہے ۱۵۰ھ وفات

تیسری روایت صحیح مسلم ہے حدثنا زھیر بن حرب قال نا عفان قال نا ھمام قال نا محمد بن جحادہ قال حدثنی عبدالجبار بن وائل عن علقمہ بن وائل و مولی لھما انھما حدثاہ عن ابیہ وائل بن حجر انہ رای النبیؐ رفع یدیہ حین دخل فی الصلوۃ کبر وصف ھمام حیال اذنیہ ثم التحف بثوبہ ثم وضع یدہ الیمنی علی الیسری فلما ان اراد ان یرکع اخرج یدیہ من الثوب ثم رفعھما ثم کبر فرکع فلما قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیہ فلما سجد سجد بین کفیہ ص ۱۷۳

یہ حدیث اگرچہ بہ نسبت حدیث بخاری صریح ہے مگر بالکل خلاف قیاس ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے ہو وہ ان حالات کو مشاہدہ کرے کیونکہ وائل بن حجر بیان کرتے ہین حضرت نے پھلی تکبیر کے لئے ہاتھون کو کانون کے برابر بلند کیا پھر لباس کو مثل لحاف اوڑھا پھر داہنے ہاتھ کو بائین ہاتھ پر رکھا جب رکوع کا ارادہ کیا تو ہاتھون کو باہر نکالا پھر تکبیر کہا پھر رکوع کیا جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو پھر دونو ہاتھون کو بلند کیا اور جب سجدہ کیا تو دونو ہتھیلیون کے درمیان مین سجدہ کیا۔

اس حدیث کا یہ بیان کہ حضرت نے کپڑہ کو اچھی طرح اوڑھ لیا اور بطور لحاف بنایا خود بتارہا ہے کہ راوی نے اسکے بعد وضع

یمنی علی الیسری کو محض تخمیناً بیان کیا ہے نہ یہ کہ دیکھا ہو کیونکہ ماموم کو ممکن نہین ان حالات کو دیکھ سکے خصوصاً جب امام چادر یا لحاف اوڑہے ہو کہ اوسکے اندر ہاتھ کو کیونکر رکھتا ہی کیونکر نہین۔

ہان اگر یہ کہا جائے کہ وائل بن حجر اس دفعہ شریک جماعت نہ تھے بلکہ دیکھتے رہے تو البتہ ممکن ہے مگر یہ احتمال خود احتمال بعید ہے اور بالکل خلاف قیاس۔

غرض یہی دو روایتین ہین جن سے استدلال کیا جاتا ہے ہاتھ باندہنے پر چنانچہ نووی کہتے ہین وحجة الجمہور فی استحباب وضع الیمین علی الشمال حدیث وائل المذکور ھہنا وحدیث ابی حازم المذکور فی البخاری ص۳۱۷ یعنی دلیل ان لوگونکی جو ہاتھ باندہنے کے قائل ہین ایک یہی حدیث وائل ہے جو صحیح مسلم مین ہے دوسری روایت ابو حازم جو صحیح بخاری مین مذکور ہے تیسری روایت ترمذی جو حسن ہے اور بہی حدیثین ہین مگر اونپر نہ حکم صحت لگایا ہے نہ حسن کا

مگر ان سب روایتونکا جواب علاوہ قدح رواۃ یہ ہے کہ اگر یہ روایتین صحیح ہوتین تو امام مالک اپنا مذہب اسکے خلاف نہ قائم کرتے جو ہاتھ کہول کر نماز پڑہتے ہین۔ خاص کر جب خود ہی ایک حدیث کے راوی

ہین جو صحیح بخاری کی روایت ہے جس بداہت ظاہر ہے کہ وہ اس روایت سے واقف تھے کیونکہ خود ہی اوسکے راوی ہین۔ تو بغیر اسکے کہ وہ اس روایت کو غیر صحیح جانتے تھے ممکن نہ تھا کہ اوسکے خلاف اپنا مذہب قائم کرتے

مین جہانتک سمجھتا ہون اس ہاتھ باندہنے کے موجد امام ابو حنیفہ ہین۔ جسے اونہون نے بمخالفت ائمہ اہلبیت ایجاد کیا اور چونکہ وہ سلطنت کے آورد تھے اسلئے یہی مذہب سلطانی قرار پایا جسکے بعد محدثین بھی اسپر مجبور ہوئے کہ اس قسم کی روایتین ڈھالین لہذا اس ایجاد کے بعد روایتون کی ساخت شروع ہوئی کیونکہ

اولاً اسلامی احکام جسقدر دیکھے جاتے ہین اونمین اسقدر سادگی اور بے تکلفی ہے کہ نہ کہین تصنع ہے نہ تکلف۔ اور ابو حنیفہ چونکہ اصلاً عجمی تھے اسلئے اونکی فطرت مین تکلف و تصنع بھرا ہوا تھا اسی لئے اونہون نے شاہی قواعد و آداب سے جو عجم مین مروج تھا کہ بادشاہ کے سامنے مودب دست بستہ کھڑے ہون۔ یہ طریقہ اخذ کیا کہ نماز مین بھی دست بستہ کھڑے ہون حالانکہ نہ شارع ع نے اسکی اجازت دی تھی نہ اسکا حکم دیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ امام مالک جو عربی نژاد تھے اور صحابہ کی اولاد سے اور بود و باش انکی مدینہ مین تھی۔ اس تصنع سے بری رہے

اور وہی طریقہ انہون نے اختیار کیا جو رسول اللہ اور صحابہ وتابعین کا طریقہ تھا۔

ثانیاً ابو حنیفہ کا قیام کوفہ مین تھا جہان شیعون کی جمعیت زیادہ تھی اور اکثر موالی اہلبیتؑ تھے۔ اسلئے انکو اسکی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرین جس سے شیعہ وسنی مین ایک نمایان فرق ہوجائے۔ کیونکہ افعال نماز سب کے یکسان تھے سب ہاتھ کھولکر نماز پڑہا کرتے۔ اسلئے کوئی تمیز نہ تھی کہ کون سنی ہے کون شیعہ لہذا ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا جس سے بین طور پر فرق نمایان ہو۔

بخلاف اسکے امام مالک کا قیام مدینہ منورہ مین تھا جہان کا بچہ بچہ تک آداب وقواعد سے نماز کے واقف تھا اور پھر ائمہ اہلبیتؑ کا بھی وہین قیام تھا۔ جنسے گو زمانہ موافق نہ تھا مگر نہ اونکی اعلمیت مین کسیکو عذر تھا نہ اسمین کہ یہی لوگ سچے وارث شریعت ہین۔ اسلئے اگر امام مالک وہان چاہتے بھی کہ خلاف طریقہ رائجہ کوئی طریقہ جاری کرین تو کبھی کامیاب بھی نہ ہوتے چنانچہ آپ معاویہ کی حالت دیکھ چکے ہین کہ جب اوسنے بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا سورہ مین ترک کیا تو ہر طرف سے مہاجرین وانصار کی آواز بلند ہوئی کہ اسرقت التسمیۃ یا معویہ کہ اے معویہ تونے بسم اللہ چورالیا۔ تو بھلا امام مالک ایسی ایجاد مین کب

کامیاب ہوسکتے تھے - اسی سبب سے اور بھی وہ اوس طریقہ سابقہ کو یہ چھوڑ سکے حالانکہ سلطنت کے دباؤ یا خاطر سے ایک روایت پیش کردیا -

ثالثاً خلافت بھی چونکہ خاندان بنی ہاشم مین آئی تھی اور بنی عباس و اولاد جناب امیر اسمین پہلے متحد سمجھے جاتے جسکو منصور دوانیقی نے اپنے زمانہ خلافت مین مٹایا - اسلئے وہ خلفا بھی اسپر مجبور تھے کہ کوئی ایسا طریقہ رائج ہو جس سے طرفداران سلطنت اور ہوا خواہان اہلبیتؑ طاہرین متمیز ہوجائین - اسلئے ہاتھ باندہنے نے زیادہ رواج پایا کیونکہ یہی گویا شاہی مذہب ہو گیا تھا -

مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ چونکہ پائے تخت خلافت سے دور تھا - اسلئے اودسپر اثر کم پڑا اور امام مالک یہان مجبور تھے کہ اوسی طریقہ کو جاری رکھین جو زمانہ رسول اللہ سے مروج تھا -

رابعاً امام مالک بہ نسبت ابو حنیفہ کے کچھ آزاد مزاج بھی تھے اور اون مین خود ایک طرح کی شان بھی تھی اسلئے وہ سلطنت کے دباؤ مین زیادہ نہ آتے چنانچہ ایکدفعہ ہارون رشید نے انسے فرمایش کی کہ امین و مامون کی تعلیم کے لئے روزانہ آیا کرین - ایک روز تو مالک گئے مگر دوسرے روز انکار کردیا کہ اہل علم کی یہ شان نہین ہے کہ وہ تعلیم کے لئے جایا کرے بلکہ جو طالب علم ہوتا ہے اوسے آنا چاہئے - اسلئے اور بھی اونھون نے اپنا طریقہ نہ بدلا -

بخلاف ابوحنیفہ کے کہ وہ ایسے خوشامدی تھے کہ منصور دوانقی نے انکو حکم دیا کہ اینٹین جو شہر بغداد کے تعمیر کے لئے آرہی ہین اونکو گنا کرو۔ ابوحنیفہ نے اوسے بھی قبول کرلیا۔

خامساً محدثین چونکہ قریب قریب سبھی خلافت کے وظیفہ خوار تھے۔ اسلیئے جو ہواے سلطنت ہوتی اوسیکے مطابق حدیثین گڑھ دیتے اسلیئے اتنی حدیثین اس باب مین بھی بنگئین۔ ورنہ کون کہ سکتا ہے کہ ایسے حسی امور مین اسقدر اختلاف ہو۔

آپ تو رسالہ وضو مین دیکھ چکے ہین کہ وضو کے بارہ مین کیسا حکم صریح قرآن مین موجود ہے وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین جسمین ایک اندھا بھی نہین شک کرسکتا کہ سر اور پیر پر مسح کا حکم ہے۔ حدیثین بھی بیشمار اسکے موافق ہین۔ مگر چونکہ خلیفہ دوم نے پیر دھونے کی ایجاد کی تھی۔ اسلیئے حدیثین اسلیئے موافق بن گئین اور قرآن مین ایک صریح غلطی کا الزام کرلیا گیا۔

اوسی طرح اس ہاتھ باندھنے کو سمجھئے کہ چونکہ سلطنت کا یہی مذہب تھا لہٰذا ہر طرح کا سامان مہیا کردیا گیا اور ہر قسم کی حدیثین وضع کردی گئین کہ یہی سنت رسول اللہ ہے حالانکہ محض غلط ہے۔

اگر میرے اس بیان پر وثوق نہو تو علامہ عینی کے کلام سے اس نتیجہ کو اخذ کیجئے کیونکہ وہ اختلاف محل کے متعلق لکھتے ہین فعندنا تحت السرۃ وعند الشافعی علی الصدر کہ حنفیونکے نزدیک ناف

ہاتھ رکھنا چاہئے اور معین کوئی تصریح اسکی نہیں ہے کہ کہاں ہاتھ باندھنا
چاہئے۔ مگر ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں یہ اسنا ذکر کیا ہے کہ حضرت نے
داہنا ہاتھ بائین ہاتھ پر سینہ پر رکھا تھا۔ اور حنفیون نے حضرت علی کی
روایت سے استدلال کیا ہے کہ آپنے فرمایا سنت یہ ہے کہ داہنا
ہاتھ بائین ہاتھ پر زیر ناف رکھے ابن عربی لکھتے ہیں قلت ھذا
قول علی بن ابیطالب و اسناده الی النبی غلط صفحہ ۱۰ جلد ۳
یعنی یہ قول حضرت علیؓ کا ہے اور اسکی نسبت رسول اللہؐ کیطرف
غلط ہے۔

جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ وضعی روایت کیون حضرت کیطرف
منسوب کی گئی۔ اسی لئے کہ وہ بھی ہاتھ باندھنے میں شریک کرلئے
جائیں۔

پھر لکھتے ہین ولکن الذی روی عن علیؓ فیہ مقال لان فی سنده
عبدالرحمن بن اسحق الکوفی قال احمد لیس بشئ منکر الحدیث
یعنی جناب امیر والی روایت مین یہ بھی کلام ہے کہ اوسکی سند مین
عبدالرحمن بن اسحق کوفی ہے جسکے نسبت امام احمد کہتے ہین کہ وہ منکر
الحدیث ہے اور لیس بشئ۔

میرا مطلب اس سے یہ نہیں ہے کہ اس روایت سے وہ دست
بردار ہوگئے ہون کیونکہ ہم یہ جواب دیا کہ ابوداود نے اوس سے
روایت کی۔ اور ابن حاتم نے دوسری روایت نکالی جسکی عوض میں

کہ یہ سب کچھ ہے مگر ہمارا عمل اسپر ہے۔

اس روایت اور اس تحقیقات عینی سے اسقدر تو آپکو یقیناً معلوم ہوا کہ محدثین اہلسنت نے ہواداری سلطنت مین کوئی کسر اوٹھا نہ رکھی اور ہر طرح کی کوشش کی کہ رسول اللہ کے نام سے بھی حدیثین گڑہین جناب امیرؑ کی طرف بھی وضعی حدیث کی نسبت کی جس مین وہ ایک حد تک کامیاب بھی ضرور ہوے کہ مسلمانون کے ایک بڑی جماعت کی نماز کو خراب کیا اور قیامت تک ایک ایسا پھندا ڈال دیا جس سے نکلنا محال ہے۔

اب مین اس رسالہ کو ختم کرتا ہون اور بطور اتمام حجت یہ عرض کرتا ہون کہ براے خدا و رسول اپنی نماز درست کیجیے اور ہاتھ کہول کر نماز پڑہیے۔ جو طریقہ رسول اللہ تھا و طریقہ اہلبیت اطہار اور طریقہ تمامی صحابہ و تابعین و امام مالک جو آجتک مالکیون مین رائج ہے۔ چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہین و حکی بن المنذر عن عبد اللہ بن الزبیر والحسن بصری و ابن سیرین انہ یرسلھما وکذلک عند مالک فی المشھور یرسلھما وان طال ذلک علیہ وضع الیمنی علی الیسری للاستراحۃ صہ۱۵

یعنی ابن المنذر نے عبداللہ زبیر خلیفہ و صحابی اور امام حسن بصری

اور ابن سیرین سے یہ روایت کی ہے کہ وہ ہاتھ کھول کر نماز پڑہتے تھے - اور مالک سے بھی روایت مشہور یہی ہے مگر بغرض استراحت وہ اسکی اجازت دیتے تھے کہ نماز مین طول ہوجائے تو داہنا بائین پر رکھے۔

کیونکہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑہیگا تو آپکو ہزارون دقتین پیش ہین - اولاً یہ کہ اگر سینہ پر ہاتھ باندہیگا تو گو مذہب شافعی مین جائز ہے - مگر حنفیون کے یہان ناجائز - اور دونون کا استدلال حدیث سے ہے - پھر امام شافعی کو یہ بھی شکایت ہوگی کہ ہمنے تو ہاتھ کہول کر نماز پڑہنے کی بھی اجازت دی تھی - اور امام احمد بن حنبل علیحدہ ناراض ہونگے کیونکہ اونسے دو روایت ہے۔ اگر اس احتمال سے نکل گئے تو پھر یہ دقت ہے کہ کس طرح رکھے گا کیونکہ علامہ جلبی لکھتے ہین کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی (کف دست) بائین ہاتھ کے گٹے پر رکھنا چاہیے - ابو یوسف کہتے ہین داہنے ہاتھ سے بائین ہاتھ کا (رسغ) گٹا پکڑنا چاہیے - محمد کہتے ہین اسی طرح رکھنا چاہیئے (یعنی پکڑنا نہ چاہیے) مفید مین ہے کہ (رسغ) گٹے کو خنصر و ابہام سے پکڑنا چاہیئے - یہی مختار ہے - درایہ مین ہے کہ کوع الیسر (جو نر انگشت اور خنصر کی طرف ہے) کو کف ایمن سے پکڑے - یہی قول احمد و شافعی ہے - ابو یوسف محمد کی ایک روایت یہ ہے کہ باطن اصابع کو رسغ پر طولاً رکھے اور نہ پکڑے

اور اکثر مشایخ نے اسکو مستحسن سمجھا ہے کہ باطن کف دست
راست کو کف دست چپ پر رکھے اور خنصر وابہام سے حلقہ
باندہے رعیع پر صہ۱۵ جلد ۳

کیا کوئی کہ سکتا ہے کہ شریعت سہلہ سمحہ مین ایسی موشگافی ہو سکتی ہے
حاشا وکلا یہ سب حنفیون کی ایجاد ہے جس سے شریعت اسلامی کی
تضحیک وتوہین ہوتی ہے۔

ان سب کے بعد عینی نے اسرار شریعت بتایا ہے چنانچہ لکھتے ہین
الوجہ الخامس فی الحکمۃ فی الوضع علی الصدر او السرۃ فقیل
الوضع علی الصدر ابلغ فی الخشوع وفیہ حفظ نور
الایمان فی الصلاۃ فکان اولی من اشارتہ الی العورۃ بالوضع
تحت السرۃ وھذا قول من ذھب الی ان السنۃ الوضع علی الصدر
ونحن نقول الوضع تحت السرۃ اقرب الی التعظیم وابعد من التشبیہ
باھل الکتاب واقرب الی ستر العورۃ وحفظ الازار عن
السقوط وذلک کما یفعل بین یدی الملوک وفی الوضع علی
الصدر تشبیہ بالنساء فلا یسن صہ۱۲ جلد ۳

کہ ہاتھ باندہنے کا کیا فائدہ ہے سینہ پر ہاتھ رکھے گا تو یہ فائدہ ہے کہ اس مین
نور ایمان کی حفاظت ہوتی ہے نماز مین تو یہ اولی ہے بہ نسبت اسکے کہ
ناف پر ہاتھ رکھکر اشارہ کرے طرف عورت یعنی آلہ تناسل کیطرف
اور حنفی اسکا یہ فائدہ بتاتے ہین کہ زیر ناف رکھنے سے ایک فائدہ تو یہ ہے

کہ ستر عورت ہوتی ہے (کیا نماز بلا لباس کے ہوتی ہے) دوسرا فایدہ
یہ ہے کہ ازار (یا پائجامہ یا تہبند) گرنے سے محفوظ رہتا ہے۔ جیسا کہ بادشاہون
کے سامنے کیا جاتا ہے تیسرا فائدہ یہ ہے کہ تشبہ اہل کتاب سے کچھ بعد
ہوجاتا ہے۔ یہ سب فوائد ہین زیر ناف ہاتھ باندہنے کے
اور چونکہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے عورتونکی مشابہت ہوتی ہے۔
لہذا یہ مسنون نہین ہے صفحہ ۱۶۲ جلد ۳

اس بیان سے اور بھی میرے دعوے کی تصدیق ہوئی کہ امام
ابو حنیفہ اسکے موجد ہین کیونکہ وہ عجمی نژاد تھے شاہی آداب سے
واقف لہذا اوسی قیاس پر نماز کا خشوع قائم کیا جسمین اونکو اہل
کتاب کے طریقے نے بھی مدد دی کہ وہ شاید سینہ پر ہاتھ رکھتے تھے لہذا
انہونے زیر ناف رکھا کہ تشبہ اہل کتاب سے بھی علحدہ ہون اور پھر
شاہی آداب بھی قائم رہے۔ یہ فوائد بھی حاصل ہون کہ ہاتھ
عضو مخصوص پر رہے کیونکہ نماز سے بڑہکر کسوقت تخلیہ ہوسکتا ہی
بھلا شریعت کو ان اسرار و فوائد سے کیا واسطہ اوسکی تعلیم تو یہی ہے
ما اتیکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا جو کچھ تمکو رسول
دین اوسکو لے لو اور جس سے منع کرین اوس سے باز رہو۔ یہ کس خدا
نے کہا کہ تم اپنی رائے دوڑاؤ اپنی عقل اپنے قیاس سے کام لو۔ اسکی
تو ہزار ہا دفعہ ممانعت کی گئی ہے پھر آپ کون ہین جو بادشاہان عجم کے
طریقہ کو جاری کرتے ہین کہ دست بستہ کھڑے ہون۔ اور اہل کتاب کا

طریقہ سیکھے ہین کہ ہاتھ باندھکر نماز پڑہتے ہین اور اس سے نہین شرماتے کہ خدا کے سامنے کہان ہاتھ رکھتے ہین۔

اب شافعی اور حنفی کا فرق یہ نکلا کہ چونکہ شافعیون پر بقول عینی زنانہ پن غالب ہے لہذا اونہون نے عورتونکی مشابہت اختیار کی۔

اور حنفیون کو اوسکے مقابلہ مین دوسری قوت شہوانی کے دبانے کی ضرورت تھی لہذا اونہونے زیر ناف ہاتھ رکھا کہ ازار نہ کھل جائے اور اصل نماز جو روح نماز ہے یعنی حضور قلب اوسکی کسیکو فکر نہوئی کیونکہ پہلے لکھ چکا ہون حضور قلب بغیر ارسال یدین یعنی بغیر ہاتھ ہاتھ کہولکر نماز پڑہنے کے ناممکن ہے۔

افسوس صد افسوس کہ اسلام کو ان لوگون نے کیسا ذلیل کیا کہ ایک نماز کو بھی اپنی اصلی حالت پر نہ رہنے دیا جس سے اسلام کی استقامت ظاہر ہوتی اور اسکی فیاضی کہ ہر وقت ہاتھ کھلے ہوے ہین جسکی طرف خداوند عالم نے اشارہ فرمایا ہے بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء

فھذا اخر الکلام فی ھذا المقام واللہ ولی الانعام والصلوۃ والسلام علی رسولہ والہ الغر الکرام ولعنۃ اللہ علی اعدائھم الکفرۃ الفجرۃ اللئام فقعہ الاحقر الاھقر خادم الشرع الاطھر علی اظھر حشرہ اللہ مع النبی والہ خیر البشر [illegible]۔

بتاریخ [illegible]

[illegible] ہجری

تحقیق صوم عاشورا

جواب اشتہار امرتسری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عشرہ محرم الحرام سے جو یزیدی فرقون مین جوش ہوتا ہے اوسکی حالت اس سے ظاہر ہے کہ وہابی صرف ہمکو روکتے ہی نہین بلکہ اس ذریعہ سے بھی یزید کی ٹھیکہ داری کی آمدنی بڑھاتے ہین مولوی ثناء اللہ صاحب ہر سال ہزارہا اشتہار ۴ فیصدی بیچ لیتے ہین شیعونکو رونے اور غم کرنے ہی سے کہان فرصت مگر یزیدی اسکو نہایت شوق سے لیتے ہین۔

ہمکو بھی عرصہ سے اشتیاق تھا کہ دیکھین وہ اشتہار کیسا ہے جو ہمیشہ شایع ہوتا ہے۔ اتفاقاً امسال کرمی میر امداد حسین صاحب نے شہر میرٹھ سے روانہ کیا جو حسب ذیل ہے۔

محرم اور تعزیہ۔ ماہ محرم کی ۹۔۱۰ تواریخ مین روزہ رکھنا سنت ہے اوس کی وجہ یہ ہے کہ جناب رسالتماب فخر عالم افتخار بنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لیگئے تو یہودیون کو محرم کی دسوین تاریخ روزہ رکھتے پایا۔ حضور نے اون سے دریافت فرمایا کہ کیون تم اس روز روزہ رکھتے ہو انہون نے کہا اس روز حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات ملی تھی اوسکے شکر مین ہم روزہ رکھتے ہین۔ یہ سنکر حضور فخر عالم نے فرمایا نحن اقرب بموسیٰ ہم تو حضرت موسیٰ سے بہت قریب ہین۔ پس آپنے بھی دسوین محرم کا روزہ رکھا۔ مگر زندگی کے اخیر سال فرمایا کہ اگر مین آیندہ سال تک زندہ رہا تو نوین تاریخ کا بھی رکھونگا۔ پس محرم مین صرف دو روزہ رکھنا ایک مذہبی کام ہے اس کے علاوہ تعزیہ وغیرہ جو مسلمانون نے جاری کر رکھا ہے سب فضول بدعت اور گناہ کے کام ہین۔ انجمن ہذا کی طرف سے بذریعہ اشتہار ہمیشہ علماء کرام کا فتویٰ شایع کیا جاتا ہے جس سے بہت سے خدا کے بندون کو ہدایت بھی ہوتی ہے اور آیندہ کو ہونے کی امید ہے اس دفعہ امسال بھی بذریعہ اشتہار ہذا اہل اسلام متبعین سنت خیر الانام کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ تعزیہ کی مذموم رسم کو چھوڑ دو۔ اس رسم سے خدا۔ رسول اور تمام اہل بیت ناراض ہین۔ ہر سال کہین نہ کہین اس وجہ سے فساد ہوتا رہتا ہے جس سے رعایا مین تفرقہ ہونیکے علاوہ حکام وقت کو بھی پریشانی ہوتی

ہے۔ پس بہتر ہو کہ مسلمان ایام محرم مین وہی کام کیا کرین جن سے خدا اور رسول علیہ السلام اور اہلبیت کرام راضی ہون اور دنیا مین بھی عزت سے رہین۔ بھائیو! غور کرو کہ مسلمانون کا کس قدر مال ایسے کامون مین ضایع ہوتا ہے حالانکہ مسلمانون کی قومی اور دینی ضروریات اس قدر ہین کہ اون کو پورا کرنیکے لئے مسلمانون کے پاس کافی روپیہ نہین۔ پھر یہ کیا عقلمندی ہو کہ ایسے فضول کامون مین روپیہ ضایع کیا جاتا ہو جو نہ دین کے کام ہون نہ دنیا کے۔ بھائیو ہوش کرو علمائے کرام ہمکو ہمارے فائدے کی سوجھاتے ہین ہم کو بھی چاہیے کہ اون فتوے کو دل کے کانون سے سنین"

اس کے بعد دس بیس یا سو پچاس مولویون کی دستخط ہو جو قواعد اہلحدیث کے خلاف ہو کیونکہ وہ تقلید کسی کی جائز نہین جانتے مگر مخالفت عزاداری مین سب روا یا جائز ہے۔

محرم کی ۹۔۱۰ کے روزہ رکھنے کے بارہ مین جو حدیث پیش کی ہو اوسکا مطلب تو ظاہر ہے کہ ان لوگون نے حضرت کو اس بارہ مین یہود کا مقلد بنایا ہو کہ چونکہ حضرت نے مدینہ مین آکر یہود کو روزہ رکھتے پایا۔ اسلئے حضرت نے بھی روزہ رکھنا شروع کیا۔

یہ ایک ایسا خیال ہو کہ ایماندار آدمی کانپ اوٹھے کیونکہ خدا تو فرماتا ہے اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء۔ یعنی تم صرف اوسی بات کا اتباع کرو جو خدا کی طرف سے تمپر نازل کیا گیا ہو اور اوسکے سوا اور کسی کو اپنا ولی نہ بناو۔ مگر اہلسنت نہین بلکہ وہابی کہتے ہین کہ رسول اللہ صلعم کو یہود کی پیروی اسدرجہ منظور تھی کہ نہ حضرت کو اس آیہ کا حکم یاد رہا نہ ان آیات کا جنمین بالخصوص یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا حکم ہے۔

خدا تو فرماتا ہے وان احکم بینہم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم واحذرھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللہ الیک فان تولوا فاعلموا انما یرید اللہ ان یصیبہم ببعض ذنوبھم وان کثیراً من الناس لفاسقون۔ افحکم الجاھلیۃ یبغون ومن احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون۔ یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین۔ سورہ مائدہ ع ۱۱

یعنی اسے رسول تم حکم کرو مطابق اوسکے کہ خدانے نازل کیا۔ اور راون کی خواہشون کی پیروی نکرو اور ڈرتا رہ اون سے کہ کہین تمکو بھکا نہ دین بعض اون چیزون سے کہ خدانے نازل کیا۔ اگر وہ پھیر لین تو جان تو کہ خدا چاہتا ہے کہ ان کی بعض معصیت کے سبب سے اوپر مصیبت نازل کرے اور اکثر لوگ فاسق ہین۔ کیا حکم جاہلیت کی خواہش کرتے ہین۔ خدا سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے اوس قوم کیلئے جو صاحب یقین ہوا ے ایمان والو نہ دوست بناؤ یہود کو نہ نصاری کو یہ ایک دوسرے کے دوست ہین۔ اور جو شخص تم مین سے انکو دوست بنائیگا۔ تو وہ بھی انہین لوگون سے ہوگا بیشک خدا نہین ہدایت کرتا ظالمین کو۔

خداوند عالم تو قرآن مین اس طرح کا حکم نازل کرتا ہے نہ صرف رسول اللہ پر بلکہ تمامی مومنین پر کہ یہود و نصاری سے محبت نہ کرو۔ اون پیروی نہ کرو۔ وہ تو تمکو بہکانا چاہتے ہین سوائے اون احکام کے جو تمپر نازل ہوئے اور کسی کی پیروی نہ کرو۔ مگر اہلسنت کہتے ہین کہ حضرت نے جو یہودیون کو روز عاشور روزہ رکھتے دیکھا تو آپنے بھی اونکی پیروی شروع کر دی۔ وہ بھی اس طرح کہ نہ اون کے کسی عالم سے دریافت کیا کیونکہ عوام کے افعال تو اکثر خلاف شریعت ہوتے ہین نہ خود توراۃ مقدس مین دیکھا کہ اوسمین بھی یہ حکم ہے یا نہین۔ بلکہ معاذ اللہ حضرت نے یہود کی بے سمجھے تقلید شروع کر دی۔ خدا اونلوگونپر لعنت کرے جو رسول اللہ پر ایسی تہمت دیتے ہین۔

مگر ہم اس سے بھی قطع نظر کرتے ہین کیونکہ جب یقیناً یہ معلوم ہوا کہ معاذ اللہ حضرت نے یہ روزہ صرف یہود کی پیروی مین رکھا تھا نہ بحکم خدا تو اب اڈیٹر صاحب اہلحدیث کولم سے کم یہ تو ضروری ہے کہ دیکھین توراۃ مین اس روزہ کا کیا حکم ہے کیونکہ اب تو توراۃ کے ہزارون نسخے اردو مین لڑکے بھی پڑھتے ہین لہذا اوس مین دیکھ لینا چاہئے کہ یہ روزہ کس شان کا ہے تاکہ معلوم ہو اگر رسول اللہ نے معاذ اللہ یہود کی پیروی کی ہوگی تو اوسی طرح جس طرح اون کے یہان حکم ہوگا۔

کتاب احبار باب شانزدہم وسوم آیہ ۲۳ لغایت ۳۲ مین ہے۔

عہد ثم اور خداوند تعالی نے موسی سے خطاب کیا کہ بنی اسرائیل سے کہہ کہ ساتوین مہینہ کی

پہلی تاریخ تمہارے لئے راحت اور یادگاری خاص کا دن ہو اس دن جماعت مقدس فراہم ہوگی کوئی کاروبار نہ کرنا اور اس مہینہ کے عاشورہ کے دن دسوین تاریخ یوم الغفران ہو یعنی تمہاری مغفرت کا دن ہو اس دن مین تمہاری دعوت یعنی فراہم جماعت مقدس ہوگی تم اس دن اپنکو غمزدہ بناؤ اور خداوند کیلئے قربانیان گذرانو اور کوئی کام دنیا کا مت کرو کیونکہ وہ یوم الغفران ہے تاکہ اس دن مین تمہارے لئے خدا کے حضور مین مغفرت طلب کیجائے۔ جو کوئی کہ عین اس دن مین غمگین نہ ہو جائیگا وہ اپنی قوم سے کٹ جائیگا اور جو انسان اسدن مین کوئی کام کریگا اس انسان کو اس قوم مین فنا کرونگا۔

یہی طریقہ تمہاری قرنون اور پشتون مین آیندہ تک جاری رہے۔ یہ بزرگ دن سبت السبوت یعنی سبتون سے بہی بزرگ ہو تم اپنے دلکو غمگین بنانا جسوقت کہ اس ماہ کے نو دن گذر جائین تو نوین تاریخ کی شام سے دسوین تاریخ کی شام تک ہر کاروبار سے باز رہنا (یعنی شب عاشورا و روز عاشورا) یوم غم ہے اور یہ دن خدا کے حضور مین تمہارے لئے مغفرت طلب کریگا"

یہ ترجمہ انگریزی بائبل سے لیا گیا ہے ملاحظہ اصلاح ۱۲ جلد ۱۲

توراۃ مقدس کا اردو ترجمہ جو نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی نے چوتھی بار مرزاپور مین چھپوایا ہو اوس مین اور اس ترجمہ مین کچھ فرق ہو مگر مطلب ایک ہی ہو ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶۰

۲۷ ساتوین مہینے مین بھی اور اسکے دسوین روز کفارہ دینے کا دن ہوگا۔ تمہاری مقدس جماعت ہوگی تم اس دن آپکو غمزدہ بناؤ۔

۲۹ جو کوئی انسان کہ عین اس دن مین غمگین نہ ہو جاویگا وہ اپنی قوم سے کٹ جاویگا۔

۳۲ یہ تمہارے لئے بہت آرام کرنیکے لئے ہوگا تم آپکو غمگین بناؤ تم اس مہینے کے نوین دن کی شام سے دوسری شام تک اپنے آرام کا وقت مان لیجیو"

دونون ترجمون سے آپ سمجھ سکتے ہین کہ اس مترجم نے گو تحریف کیا ہو مگر اصل پھر بھی نمایان ہے کہ شریعت موسوی مین یہ روز غم کرنے کا مقرر تھا جس سے پہلا حصہ روایت اڈیٹر اہلحدیث کا خود بخود ڈھہ گیا کیونکہ حدیث مذکور مین یہ روز فرح و سرور بتایا گیا ہے بوجہ اسکے کہ اوس روز فرعون سے بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ کو نجات ملی حالانکہ توراۃ کی عبارت کہہ رہی ہو کہ وہ روز غم کا ہی

تو اگر رسول اللہؐ نے یہود کی متابعت مین اسروز روزہ بھی رکھا ہوگا تو وہ روزہ غم کا ہوگا نہ روزہ فرح و سرور

یہود کا تقلب امور دین مین سبکو معلوم ہے کہ وہ تعمیل احکام شریعت مین کیسے سخت تھے پھر کیونکر ممکن ہے کہ وہ اسروز سرور و شادی کی عید کرتے اور حضرت سے خلاف واقع بیان کرتے کہ آج کا روز روز عید ہے اور کیونکر ممکن تہا کہ حضرت خلاف حکم توراۃ محض اونکے غلط بیان پر عید سرور کرتے لہذا اگر بفرض محال مان بھی لیا جاے کہ حضرت نے اوسروز روزہ رکھا تو وہ اوسی قسم کا روز غم ہوگا جسکا حکم توراۃ مقدس مین مذکور ہے کہ اس روز شب و روز غم کرنا چاہیے! تو اب اہلسنت کو اور بہی لازم ہے کہ اوسروز غم کرین۔ کیونکہ یہ حکم توراۃ ہے جسپر کل یہود عامل تھے۔ اور بقول اہلسنت حضرت نے بھی اوسروز متابعت یہود فرمائی تو بہر طور روز عاشور قدیم الایام سے روز غم قرار پایا۔

اڈیٹر صاحب اہلحدیث نے جو یہ فتویٰ شایع کیا ہے اسمین نہ کسی حدیث کا پتہ دیا ہے نہ کتاب کا کہ آیا یہ حدیث ہے یا اونکے کسی بزرگ کا مقولہ کیونکہ صحیح بخاری مین اسکے متعلق چند حدیثین مذکور ہین مگر وہ سب اس عبارت سے مختلف ہین کیونکہ پہلی حدیث یہ ہے ان عائشۃ قالت کان رسول اللہؐ امر بصیام عاشورا فلما فرض رمضان کان من شاء صام و من شاء افطر صفحہ ۱۳۱ جلد ۲ فتح الباری جزو ثامن

یعنی عائشہ کا بیان ہے کہ رسول اللہؐ نے حکم دیا روزہ عاشور کا جب روزہ رمضان واجب ہوا تو جسکا جی چاہتا رکھتا اور جسکا جی چاہتا روزہ نہ رکھتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت نے خود روزہ کا حکم دیا تھا نہ اس سبب سے کہ یہود روزہ رکھتے تھے

دوسری حدیث یہ ہے ان عائشۃ قالت کان یوم عاشوراء یصومہ قریش فی الجاہلیۃ و کان رسول اللہ یصومہ فی الجاہلیۃ فلما قدم المدینۃ صامہ و امر بصیامہ فلما فرض رمضان ترک عاشوراء فمن شاء صامہ و من شاء ترکہ

یعنی چونکہ قریش زمانہ جاہلیت میں عاشور کو روزہ رکھتے تھے اسلئے رسول اللہؐ بھی زمانہ جاہلیت مین روزہ رکھتے تھے جب مدینہ تشریف لائے تو خود بھی روزہ رکھا اور دوسرونکو

بھی حکم دیا جب روزہ رمضان فرض ہوا تو وہ روزہ چھوڑ دیا گیا اب جو چاہے رکھے جو چاہے چھوڑ دے

یہ روایت روایت اڈیٹر اہلحدیث کے بھی خلاف ہے اور نیز روایت سابق کیونکہ اس مین حضرت نے تقلید کفار قریش اختیار کی تھی حالانکہ مقولہ اڈیٹر اہلحدیث مین حضرت نے تقلید یہود اختیار کی تھی۔

اب حضرات اہلسنت کو مناسب ہے کہ دونو حدیثون کے اختلاف کو رفع کرین کہ کون صحیح ہے۔ اڈیٹر صاحب کو تو اشتہار بیچکر روپیہ کمانا ہے اسلئے اونکو کیا غرض کہ تحقیق کرین۔ مگر وہ کاش فتح الباری دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ اس حدیث نے اسلامی دنیا مین کیا ہلچل ڈالی ہے۔ کیونکہ عائشہ کہتی ہین حضرت بتقلید اہل جاہلیت زمانہ جاہلیت مین روزہ رکھتے تھے۔ جب وارد مدینہ ہوئے تو روزہ عاشورکا حکم دیا اسپر ابن حجر لکھتے ہین کہ اس سے معلوم ہوا حضرت کا حکم بروزہ عاشور وقت ورود مدینہ ہے۔ اور اسمین شبہہ نہین کہ حضرت ماہ ربیع الاول مین وارد مدینہ ہوئے تو ضرور یہ حکم عاشور محرم ۲ھ ہجری مین ہوگا۔ حالانکہ اوسی ۲ھ مین روزہ ماہ رمضان کا فرض ہوا۔ جس سے لازم ہوا کہ فرض روزہ عاشور اور روزہ رمضان ایک ہی ۲ھ مین ہو (حالانکہ روایات مذکورہ مین یہ ہے کہ حضرت نے روزہ عاشورا کا حکم دیا تھا اور سب روزہ رکھتے تھے۔ جب روزہ رمضان فرض ہوا تو وہ حکم اوٹھہ گیا) تو اگر فرضیت صوم عاشورا فرض بھی کیا جاے تو اوسکا فرض ہونا منسوخ ہوگیا۔

یہ تو پہلی مصیبت تھی اب دوسری مصیبت سنئے کہ اس حدیث سے استمرار عمل رسول بصوم عاشور اظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ہمیشہ اسمین روزہ رکھتے تھے وکان رسول اللہ یصومہ فی الجاھلیۃ کہ حضرت زمانہ جاہلیت مین بھی روزہ رکھتے تھے حالانکہ اسی صحیح بخاری کی ابتدائی کتاب الصوم مین ہے قال صام النبیؐ یوم عاشوراء وامر بصیامہ فلما فرض رمضان ترك وكان عبد اللہ لا یصومہ الا ان یوافق صومہ ص ۲۳۹

کہ حضرت نے ایک دفعہ روز عاشورا روزہ رکھا اور حکم بھی دیا جب رمضان کا روزہ واجب ہوا تو اوسکو چھوڑ دیا اور عبد اللہ بن عمر اوس روز روزہ نہ رکھتے تھے۔

جس سے معلوم ہوا کہ یہ فعل استمراری نہ تھا بلکہ ایکدفعہ ایسا ہوا تو اب وہ حدیث کیا ہوئی جس میں
عایشہ نے بیان کیا کہ حضرت زمانہ جاہلیت میں روزہ رکھا کرتے اور جب مدینہ آئے تو اوسکا حکم دیا۔
چوتھی مصیبت یہ ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ ابن عمر جنکی نسبت عام طور سے بیان کیا
جاتا ہے کہ سنت رسول اللہ کی پیروی میں انکا ظیر نہ تھی۔ اس روز روزہ نہیں رکھتے
تھے۔ جس سے یا تو وہ تارک فریضہ قرار پاتے ہیں یا اصلیت صوم یوم عاشورا باطل ہوتی ہے۔
کیونکہ ابن حجر لکھتے ہیں ونقل عیاض ان بعض السلف کان یری بقاء فرضیۃ عاشورا
لکن انقرض القائلون بذالک ونقل ابن عبد البر الاجماع علی انہ الان لیس بفرض
والاجماع علی انہ مستحب وکان ابن عمر یکرہ قصدہ بالصوم ثم انقرض القول
بذالک
یعنی قاضی عیاض نے نقل کیا ہو بعض سلف سے کہ وہ اب بھی روزہ عاشورا کو فرض جانتے تھے
مگر جن لوگوں کا یہ قول تھا وہ تمام ہوگئے۔ ابن عبد البر نے اسپر اجماع نقل کیا ہو کہ اب فرض نہیں ہے
اور اسپر بھی اجماع ہے کہ وہ مستحب ہی مگر ابن عمر مکروہ جانتے تھے کہ اس روز روزہ رکھیں یہ قول
بھی تمام ہوگیا اب کوئی اسکا قائل نہیں رہا۔
اس سے آپکو اچھی طرح معلوم ہوسکتا ہو کہ یہ سب اقوال محض بطرفداری یزید پیدا کئے گئے تھے
کہ خوشامد یزید میں پہلے تو اسکے قائل ہوئے کہ عاشورہ کو روزہ رکھنا فرض ہو۔ پھر اسکے قائل ہوئے
کہ مستحب ہے۔ حالانکہ حکم شریعت کسی کی راے کے تابع نہیں ہے بلکہ حکم خدا و رسول کے تابع ہے
لہذا بدیہی طور پر معلوم ہوا کہ یہ سب ایجاد اسی یزید کی خوشنودی کیلئے کیا گیا تھا۔ کیونکہ جب یقینی
طور پر معلوم ہے کہ ابن عمر اس روز کے روزہ کو مکروہ جانتے تھے تو پھر اجماع وجوب پر یا استحباب پر
کیونکر ممکن ہو۔ اسلئے کہ مسلمہ علم اصول فقہ سے ہے کہ ایک مجتہد بھی اگر خلاف کریگا تو اجماع نہوگا
پھر آخری عبارت ثم انقرض القول بذالک جسکا مشار الیہ غالبًا قول استحباب ہے۔
بتا رہی ہو کہ یہ سب اقوال خلاف حکم شریعت تھے کہ جب زمانہ تسلط بنی امیہ ختم ہوا اور بنی عباس کا
دور آیا تو قول استحباب بھی جاتا رہا۔ اسلئے کہ متوکل کے قبل جتنے خلفاے بنی عباس گذرے ہیں
طریقہ بنی امیہ کے خلاف تھے پھر کیونکر ممکن ہوسکتا ہو کہ کوئی قائل بہ استحباب روزہ عاشورا ہو۔

پانچوین مصیبت یہ ہے کہ اس حدیث مین کفار جاہلیت کے روزہ کا بھی ذکر ہے حالانکہ
سبکو معلوم ہے کہ کفار قریش کسی مذہب و دین کے پابند نہ تھے خصوصاً شریعت حضرت موسیٰ سے
اونکو تعلق نہ تھا پھر وہ کیون روزہ رکھنے لگے ۔ ابن حجر لکھتے ہین ۔

واما صیام قریش لعاشوراء فلعلھم تلقوہ من الشرع السالف و لھذا کانوا
یعظمونہ بکسوۃ الکعبۃ فیہ وغیر ذلک

یعنی قریش کا بروز عاشورا روزہ رکھنا ۔ شاید کہ شریعت سابقہ سے لیا ہو اسی لئے اس روز
کی تعظیم کرتے تھے پوشش خانہ کعبہ سے کہ اوس روز خانہ کعبہ کو پوشش پہناتے ۔
تو اب شریعت سالف سے یا تو مراد شریعت موسوی ہے جسکے وہ پابند نہ تھے یا شریعت ابراہیمی
ہے جسپر قریش کا عمل درآمد کچھ نہ کچھ ضرور رہا
تو تعظیم روز عاشورا کا زمانہ اور بھی مقدم نکلا کہ زمانہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے اسکی ابتدا
ہے کیونکہ خانہ کعبہ کے بانی وہی حضرت تھے اور حضرت اسمعیل کے قصہ مین فدیناہ بذبح عظیم
قرآن مین موجود ہے جس سے معلوم ہوا کہ اسیوجہ سے تعظیم اس روز کی قدیم زمانہ سے جاری
تھی مگر افسوس اہلسنت اوسکے مٹانے کی فکر مین ہین ۔
دوسری وجہ یہ لکھتے ہین عن عکرمہ انہ سئل عن ذلک فقال اذنبت قریش ذنبا
فی الجاھلیۃ فعظم فی صدورھم فقیل لھم صوموا عاشوراء یکفر ذلک
ھذا معناہ
یعنی عکرمہ سے سوال کیا گیا اس سے تو جواب دیا کہ قریش نے زمانہ جاہلیت مین ایک گناہ کیا
تھا جو اونکو بہت عظیم معلوم ہوا تو کسی نے کہا عاشورا کو روزہ رکھو شاید یہی کفارہ ہو ۔
مگر اسپر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خود ابن درید سے لکھ چکے ہین انہ اسم اسلامی لا یعرف فی
الجاھلیۃ ص۳۱۲
کہ یہ نام اسلامی ہے اہل جاہلیت اسکو نہین جانتے تھے ۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ زمانہ جاہلیت مین اسکا
وجود ہو جبکہ نام تک اسکا کوئی نہ جانتا تھا ۔
ابن وحیہ نے اسی حدیث عائشہ سے قول ابن درید پر اعتراض کیا تھا کہ حدیث عائشہ مین موجود

ہے کہ اہل جاہلیت بروز عاشورا روزہ رکھتے تھے تو ابن حجر لکھتے ہین وھذ الاخیر لا دلالہ فیہ علی رد ما قال ابن درید۔ یعنی اس حدیث کے ذریعہ سے قول ابن درید نہین باطل ہوسکتا۔ جس سے اچھی طرح معلوم ہوا کہ اصل روایت موضوع ہے۔

تیسری روایت بخاری کی یہ ہو عن حمید بن عبد الرحمن انہ سمع معویہ بن ابی سفیان یوم عاشورا عام حج علی المنبر یقول یا اھل المدینۃ این علماء کم سمعت رسول اللہ صلعم یقول ھذا یوم عاشورا و لم یکتب اللہ علیکم صیامہ وانا صائم فمن شاء فلیصم ومن شاء فلیفطر۔

یعنی جس سال معویہ نے حج کیا تو منبر رسول پر جاکر بروز عاشورا کہا اے اہل مدینہ کہان ہین تمھارے علما کہ رسول اللہ صلعم سے ہمنے سنا ہے یہ روز عاشورا ہے خدا نے اسکا روزہ تمپر واجب نہین کیا اور ہم روزہ سے ہین جسکا جی چاہے روزہ رکھے جسکا جی چاہے افطار کرے۔

اس حدیث نے پہلی سب حدیثونکو خاک مین ملا دیا کیونکہ راوی اسکے معویہ خلیفہ اہلسنت ہین جو منبر رسول پر جاکر اس اعلان سے یہ حدیث بیان کر رہے ہین کہ حضرت نے فرمایا روزہ عاشورا واجب نہین ہے جسکا جی چاہے روزہ رکھے یا نہ رکھے۔

ابن حجر لکھتے ہین ھو کلہ من کلام النبی صلعم کما بینہ النسائی فی روایتہ وقد استدل بہ علی انہ لم یکن فرضا قط

یعنی پوری حدیث کلام رسول اللہ صلعم ہے جیسا کہ نسائی نے اپنی روایت مین بیان کیا ہو اور استدلال کیا ہے اس سے کہ کبھی بھی یہ روزہ فرض نہ تھا۔

تو اب کل حدیثین اس سے ماقبل کی وضعی ٹھہرین کیونکہ اون سب سے فرضیت صوم عاشورا ظاہر ہے اور یہان حضرت نص صریح فرماتے ہین کہ یہ واجب نہین ہے۔

ابن حجر نے یہان بہت کچھ ہاتھ پیر مارا ہے اور چاہا ہے کہ اس حدیث کو رد کرین مگر لن یصلح العطار ما افسدہ الدھر پہلا جواب یہ دیا ہے ولا دلالۃ فیہ لاحتمال ان یرید ولم یکتب اللہ علیکم صیامہ علی الدوام کصیام رمضان و غایتہ انہ عام خص بالادلۃ الدالۃ علی تقدم وجوبہ۔

یعنی اسمین یہ احتمال ہو کہ حضرت کا مطلب یہ ہو کہ خدا نے اس روزہ کو بطور دوام نہین واجب کیا جیسا کہ رمضان کا روزہ واجب ہے - غایۃ الامر یہ ہو کہ حدیث عام ہے جو خاص کردی گئی ہے اون دلیلون سے جو دلالت کرتی ہین تقدم وجوب پر۔

مگر کوئی اس عقلمند سے پوچھتا کہ رسول اللہ م تو اس صراحت سے فرما رہے ہین کہ اسکا روزہ واجب ہی نہین کیا گیا تو آپ یہ معنی کہان سے نکال رہے ہین کہ مثل روزہ رمضان نہین واجب ہے۔ کیونکہ کلام رسول اللہ م تو صاف ہے واجب ہی نہین کیا گیا۔ پھر استمرار وغیر استمرار کو اسمین کیا دخل۔

یہان تو بجز اسکے کوئی چارہ نہین کہ اس حدیث کو صحیح مانئے تو پہلی روایتون کو باطل بنایئے جسمین حکم وجوب ہو۔ پھر عام وخاص کی یہان کہان گنجایش ہے یہان تو تناقض ہے۔ اور اگر اسکو باطل جانتے ہین تو صحت صحیح بخاری سے دست بردار ہو جایئے۔ اور اسپر بھی آپکو کوئی نفع نہین کیونکہ پہلے آپ تحقیق کر چکے ہین ایک ہی سال مین دونو واجب ہوا ۲ھ کے محرم مین صوم عاشورا اور رمضان مین روزہ رمضان جو اوسکا ناسخ ٹھہرا۔ پس اگر عام وخاص مانتے ہین تو دونو کے وجوب کا قائل ہونا پڑیگا وہو محال۔

اسیوجہ سے تو امام نسائی نے نہایت وضاحت سے کہدیا انہ لو یکن فرضا قط کہ کبھی بھی یہ واجب ہی نہین ہوا۔

دوسری تاویل یہ کی او المراد انہ لم یدخل فی قولہ تعالی کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم ثم فسرہ بانہ شہر رمضان ولا یناقض ھذا الامر السابق لصیامہ الذی صار منسوخا ویوید ذلک ان معویہ انما صحب النبی ص من سنۃ الفتح والذین شہد وا امرہ بصیام عاشورا والنداء بذلک شہدوہ فی السنۃ الاولی اوائل العام الثانی۔

یعنی یہ مراد ہے کہ روزہ عاشورہ حکم کتب علیکم الصیام مین نہین داخل ہو جسکی تفسیر کی کہ وہ روزہ ماہ رمضان ہے اور یہ مناقض امر سابق نہین ہے جسمین حکم روزہ دیا اور وہ منسوخ ہو گیا۔ جسکی تائید اس سے بھی ہوتی ہو کہ معاویہ تو ۸ھ سے صحبت نبی مین داخل ہوا

اور جن صحابہ نے حکم سابق سنا تھا اونہون نے پہلے ہی سال مین یعنی اوائل ۲ھ مین سنا تھا۔

مگر افسوس یہ تاویل تو پہلے سے بھی بدتر ہے کیونکہ یہان نہ ذکر کتب علیکم الصیام ہے نہ اوسکی تفسیر۔ بلکہ حضرت فرماتے ہین کہ روزہ عاشورا فرض نہین کیا گیا تو پھر اوس حکم روزہ رمضان سے اسکو کیا واسطہ۔ اور اس سے بڑھکر کیا تناقض ہوسکتا ہے کہ ایکدفعہ تو فرض کہین دوسرے وقت بیان کرین کہ وہ نہ فرض نہین ہوا تھا اس سے بڑھکر کیا تناقض ہوسکتا ہے۔

اسلام وکفر معویہ کی بحث بھی بے سود ہے کیونکہ وہ تو حدیث رسول بیان کررہا ہے کسی وقت مین اسلام لایا ہو ہان اگر وہ یہ کہتا کہ ہمنے حضرت کو کبھی روزہ رکھتے نہین دیکھا یا نہین سنا تو آپ کہہ سکتے تھے کہ حضور روالا تو شہ مین اسلام لائے اور یہ صحابہ اسکے قبل کے مسلمان ہین جو آپسے زیادہ واقف ہین۔

مگر یہان تو یہ کوئی بات نہین چل سکتی کیونکہ وہ قول رسول بیان کررہا ہے کہ حضرت نے یہ فرمایا اور آپکے یہان تو یہ بھی مسلم ہے کہ جو سب سے آخر مین مسلمان ہوا اوسکی روایت زیادہ معتمد ہے۔

ابن حجر کو اسپر بھی تو غور کرنا چاہئے تھا کہ معویہ کہہ رہا ہے یا اهل المدینة این علماءکم یعنی اے اہل مدینہ تمھارے علما کہان ہین جس سے معلوم ہوا کہ وہ تمامی علماء اہل مدینہ کو چیلنج دے رہا ہے۔ تو اگر کچھ بھی آپکی تاویلون مین گنجایش ہوتی۔ تو کیا ممکن تھا کہ وہ علماء اہل مدینہ ساکت رہتے۔ لہذا معلوم ہوا کہ کل علماء اہل مدینہ اسمین متفق تھے۔ کسیکو اوس سے مخالفت نہ تھی ورنہ ناممکن تھا کہ معویہ اس طرح للکار کر پکارے اور کوئی جواب نہ دیسکے۔

الا اینکہ آپ فرمائے وہ کل صحابہ اور علماء اہل مدینہ اس نومسلم سے ایسا خائف ہوے یا بہ شعار روافض کار فرمائے تقیہ ہوے کہ ایک شخص نے بھی اسکے خلاف آوازہ نکالی۔

تو آپکی یہ تاویلین نہ صرف مخالف معویہ کی روایت کے ٹھہرین۔ بلکہ کل علماء اہل مدینہ کے خلاف کیونکہ وہ سب موجود تھے اور کسی نے اسپر انکار نہین کیا۔

اور ہم کہتے ہین کہ اصل روایت ہی موضوع ہے کیونکہ بتصریح ابن حجر معویہ نے بعد حصول خلافت دو مرتبہ حج کیا ایک ۵۰ھ مین دوسرے ۵۷ھ مین لکھتے ہین واخرجہ حجہا سنۃ سبع وخمسین

والذی یظهر ان المراد بہا فی هذہ الحدیث الحجۃ الاخیرۃ -

کہ دوسرا حج معویہ کا ۵۰ھ مین ہوا اور بظاہر اسی حج مین معویہ نے اس حدیث کو بیان کیا -

مگر اہل علم جانتے ہین کہ معویہ اس سفر مین پہلے مدینہ آیا اور وہان سے مکہ گیا جہان اوس نے جناب امام حسینؑ اور عبد اللہ بن الزبیر اور عبد الرحمن بن ابی بکر کے سر و نپر ایک ایک سپاہی کو معین کیا کہ اگر بوقت خطبہ یہ لوگ کسی طرح کلام کرین تو بے تامل قتل کر دینا اوسکے بعد معویہ نے ان سب کے سامنے کہا کہ یہ لوگ بیعت یزید کر چکے وسار معویہ الی الشام من لیلتہ مدرسہ تاریخ خمیس یعنی اوسی رات کو معویہ مکہ سے شام کی طرف روانہ ہوا - پھر وہ مدینہ کہان آیا جو منبر پر جاتا اور اس حدیث کو بیان کرتا کیونکہ صحیح بخاری مین ہے کہ معویہ نے بروز عاشورہ منبر پر اس حدیث کو بیان کیا - تو یہ اوسی وقت ممکن ہو کہ بعد حج معویہ مدینہ پھر آیا ہو - جو کسی طرح ثابت نہین کیونکہ تاریخ خمیس سے معلوم ہوا کہ وہ سیدہا مکہ سے شام کو چلا گیا -

اسیوجہ سے ابن حجر کو یہ تاویل کرنی پڑی وکانہ تاخر بمکۃ او المدینۃ فی حجتہ الی یوم عاشورا یعنی گویا کہ معویہ نے مکہ مین یا مدینہ مین اسقدر توقف کیا کہ روز عاشورا ملا - بکی غلطی اس سے ظاہر ہے کہ وہ تاویل مین توقف مکہ یا مدینہ کو بیان کرتے ہین حالانکہ قول معویہ مین یا اہل المدینۃ موجود ہے تو اگر مکہ مین اوتنے دن قیام بھی کیا تو کیا فائدہ واقعہ تو مدینہ کا ہے اسکو ثابت کرنا چاہیئے کہ وہ مدینہ مین آیا اور روز عاشورا تک ٹھہرا رہا -

ابن حجر صاحب معویہ کے اس قول سے این علماءکم کہ اہل مدینہ کے علما کہان ہین - یہ نتیجہ نکالتے ہین فی سیاق هذہ القصۃ اشعار بان معویۃ لم یرلہم اهتماما بصیام عاشورا فلذلک سال عن علمائہم او بلغہ عمن یکرہ صیامہ او یوجبہ یعنی اس روایت مین اسکا اشعار ہے کہ معویہ نے ان لوگونکو روزہ عاشورا مین کسی قسم کا اہتمام نہین دیکھا اسوجہ سے معویہ نے علماء المدینہ سے سوال کیا یا اوسکو یہ خبر ہو گئی تھی کہ لوگ اسکو مکروہ جانتے ہین یا واجب اس تاویل سے بھی معلوم ہوا کہ اصل روزہ عاشورا بالکل بے وجود ہے کیونکہ اگر کچھ بھی اسکی اصلیت ہوتی تو کب ممکن تہا کہ اہل مدینہ اوسمین اہتمام نہ کرتے جو اسکی نوبت آتی کہ معویہ اونکو ٹوکتا - جبکہ تمامی اہلسنت کا اجماع ہے کہ معویہ بہ نسبت دیگر صحابہ کے مسائل شرعی سے جاہل

تھا۔ چنانچہ خود ابن حجر نے بھی لکھا کہ وہ ۷ھ میں صحبت رسول مین داخل ہوا۔
دوسری دلیل اس خرافت کی یہ ہو کہ اگر یہ وجہ بیان حدیث قرار دیجائے تو حدیث سے اور بھی اوسی کی تائید ہوئی کہ یہ کوئی شی قابل اہتمام نہین ہو کیونکہ اوسنے بھی حدیث رسول بیان کیا ہے کہ یہ روزہ ہمپر واجب نہ تھا۔ تو پھر کس عقل سے وہ عدم اہتمام اہلمدینہ پر اعتراض کرسکتا تھا اور اوسکے ثبوت مین اس حدیث کو پیش کرتا جس سے اور بھی بے اصلیت اس روزہ کی ثابت ہو۔

چوتھی روایت یہ ہو عن ابن عباس قال قدم النبیؐ المدینۃ فرای الیہود تصوم یوم عاشورا فقال ماھذا قالوا ھذا یوم صالح ھذا یوم نجی اللہ بنی اسرائیل من عدوھم فصامہ موسی قال فانا احق بموسی منکم فصامہ وامر بصیامہ
یعنی ابن عباس سے روایت ہو کہ جب حضرت مدینہ مین تشریف لائے تو یہود کو روزہ رکھتے دیکھا پوچھا کیا ہو توسبنے کہا یہ روز صالح ہے اسروز خدانے نجات دی بنی اسرائیل کو اونکے دشمن سے لہذا حضرت موسیٰ نے روزہ رکھا تو حضرت نے فرمایا ہم زیادہ احق ہین موسیٰ کے ساتھ لہذا خود بھی روزہ رکھا اور حکم بھی دیا۔
اسی حدیث کو غالباً اڈیٹر صاحب نے بھی لیا ہے مگر الفاظ مین اختلاف ہے۔
مگر افسوس خود ابن حجر نے اس حدیث پر چند اعتراض لکھا ہے (۱) وقد استشکل ظاھر الخبر لاقتضائہ انہ ص حین قدوم المدینۃ وجد الیہود صائما یوم عاشورا وانما قدم المدینۃ فی ربیع الاول
یعنی ظاہر حدیث تو کہتی ہو کہ حضرت نے مدینہ آکر اونکو بروز عاشور روزہ رکھتے پایا حالانکہ حضرت بماہ ربیع الاول تشریف لائے۔ پھر کیونکر ممکن ہو کہ حضرت نے اونکو روزہ رکھتے پایا ہو بروز عاشورا
والجواب عن ذلک ان المراد ای اول علمہ بذلک وسوالہ عنہ کان بعد ان قدم المدینۃ لا انہ قبل ان یقدمھا علم ذلک وغایتہ ان فی الکلام حذفا تقدیرہ قدم النبیؐ المدینۃ فاقام الی یوم عاشورا فوجد الیہود فیہ صیاما

یعنی اسکا جواب یہ ہو کہ مراد یہ ہے کہ حضرت کو پہلے پہل علم اسکا اور سوال اس بارہ مین بعد قدوم مدینہ ہوا نہ یہ کہ حضرت کو پہلے سے علم ہو۔ عدۃ القاری کہ اس کلام مین محذوف ہو اور اصلیت اوسکی یہ ہے کہ جب حضرت مدینہ مین تشریف لائے اور روز عاشور تک قیام کیا تو یہود کو روزہ رکھتے ہوئے پایا۔

اس تاویل سے بخاری کی روح پھڑک جائیگی اور قبل عذاب روز قیامت وہ اس عذاب دنیوی کو ملاحظہ کرینگے کہ ہمنے تو یہ روایت کی تھی قدم النبی المدینۃ فرای الیہود تصوم یوم عاشورا فقال ما ھذا کہ جب حضرت مدینہ مین تشریف لائے۔ تو یہود کو بروز عاشورا روزہ رکھتے دیکھا۔ اور ہمارا شارح یہ تاویل کر رہا ہو کہ دس مہینہ بعد حضرت نے اونکو روزہ رکھتے دیکھا پھر بتایئے اس سے بڑھکر کیا عذاب ہو سکتا ہو کہ جو شخص بخاری کا شارح ہے اور اوسکے صحت کا ٹھیکہ دار وہ اس طرح روایت بخاری کی دہجی اوڑا رہا ہے۔ سچ کہا ہو من چہ می سرایم طنبورہ من چہ می سراید۔

ارے صاحب خدا سے ڈریئے یہ بخاری شریف ہو اسمین تحریف کہان ہو سکتی ہو جو آپ فرماتے ہین کلام مین محذوف ہے۔ اور یہ نہین فرماتے کہ یہ قدرت خدا ہے جو اپنے دین حق کی تائید کے لیئے وضعی روایتون مین ایسی نشانیان دکھا دیتا ہے کہ اوس سے موضوعیت اوس حدیث کی ظاہر ہو جائے۔

حدیث صحیح بخاری مین تو سرا ہی ہو کہ حضرت نے آنکھ سے اونکو روزہ دار دیکھا اور روایت مسلم مین وجد ہے کہ اونکو روزہ دار پایا جس سے بدیہی طور پر معلوم ہوا کہ رویت ہو یا وجدا سب اوسی وقت کا واقعہ ہو جب آپ وارد مدینہ ہوئے نہ کہ دس مہینہ بعد

پھر اگر اس تاویل کو بھی مان لین کہ دس مہینہ بعد اسکا علم ہوا اور حضرت نے دریافت کیا پہلے اسے معلوم نہ تھا۔ تو بھی وہ سب روایتین غائب ہوتی ہین جو پہلے مذکور ہوین کہ حضرت زمانہ جاہلیت مین بھی روزہ رکھتے تھے اور حکم دیتے تھے جس سے پھر ہمارا مقصود بہر طور حاصل ہوا کہ صحیح بخاری مجموعۂ خرافات ہے نہ مجموعۂ صحاح روایات۔

اب دوسری تاویل ملاحظہ ہو جسمین ان یکون اولئک الیہود کانوا یحسبون

یوم عاشورا بحساب السنین الشمسیۃ فصادف یوم عاشورا بحسابھم
الیوم الذی قدم فیہ المدینۃ وھذا التاویل مما یترجح بہ اولویۃ المسلمین
واحقیتہم بموسیٰ ع لاضلالھم الیوم المذکور وھدایۃ اللہ المسلمین لہ۔
یعنی یہ بھی احتمال ہو کہ یہود کا حساب چونکہ شمسی تھا لہذا اونکے حساب سے عاشورا اوسی روز
تھا جس روز حضرت وارد مدینہ ہوئے جس سے اور بھی اولویۃ مسلمین اور احقیت اون کی
حضرت موسیٰ سے ظاہر ہوئی کہ وہ تو گمراہ ہوگئے تھے اوس روز سے اور مسلمین نے ہدایت
پائی۔

مگر یہ تاویل جیسی خوبصورت ہو ظاہر ہے کہاں روز عاشورا کہاں ربیع الاول حالانکہ حدیث
مین صاف طور پر یہ ہو کہ حضرت نے اونکو بروز عاشورا روزہ رکھتے دیکھا جس سے معلوم ہو
کہ وہ روز عاشورا بحساب عرب تھا نہ بحساب یہود۔

اسیوجہ سے خود ابن حجر نے اس تاویل کو رد کر دیا کہتے ہین ولکن سیاق الاحادیث
یدفع ھذا التاویل و الاعتماد علی التاویل الاول کہ سیاق حدیث سے یہ تاویل
باطل ہوتی ہو اور اعتماد تاویل اول پر ہے۔

اسکے بعد ایک روایت طبرانی کی لکھی ہے کہ یوم عاشورا یہ نہین ہو جسکو لوگ بیان کرتے
ہین بلکہ وہ روز ہو جسمین خانہ کعبہ پر پوشش ڈالی جاتی۔ اور وہ تاریخ سنہ مین دورہ
کرتی جسکے لئے وہ ایک یہودی کے پاس جایا کرتے جو حساب کرتا جب وہ یہودی مرگیا
تو زید بن ثابت کے پاس آتے سنداس روایت کی حسن ہے۔

شیخ ہیثمی لکھتے ہین کہ ہم اس حدیث کے مطلب کو نہ سمجھ سکے۔ ابن حجر لکھتے ہین کہ آثار قدیمہ ابوریحان
بیہروتی سے معلوم ہوا کہ یہود اپنے روزہ اور عید کے لئے نجوم کے حساب پر اعتماد کرتے تھے کیونکہ
اونکا سال شمسی ہوتا نہ ہلالی۔ اس لئے وہ محتاج تھے اس شخص کی طرف جو ان کا حساب
کرتے۔

مگر افسوس اسکا خیال نہ کیا کہ پوشش خانہ کعبہ کی ضرورت تو اہل مکہ کو تھی۔ وہان زید بن ثابت
کہان تھے جنکے پاس وہ لوگ بعد موت اوس یہودی کے آیا کرتے۔

دوسرا اعتراض اس حدیث پر ابن حجر یہ لکھتے ہین واستشکل رجوعہ الیہم فی ذلک یعنی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہو کہ حضرت نے یہود سے اسکو دریافت کیا تھا۔ تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ حضرت اون کی طرف رجوع کرتے۔

اسی کو ہم پہلے لکھ چکے ہین کہ اس حدیث سے لازم آتا ہو کہ حضرت یہود کی تقلید کرین حالانکہ خدا اس سے منع کرتا ہے۔

اسکے جواب مین لکھتے ہین واجاب المازری باحتمال انیکون اوحی بصدقھم او تواتر عندہ الخبر بذلک زاد عیاض واخبرہ من اسلم منہم کابن سلام ثم قال لیس فی الخبر انہ ابتداء الامر بصیامہ بل فی حدیث عائشہ التصریح بانہ کان یصومہ قبل ذلک فغایۃ ما فی القصۃ انہ لم یحدث لہ بقول الیہود تجدید حکم وانما ھی صفۃ حال وجواب سوال ولم یختلف الروایۃ عن ابن عباس فی ذلک ولا مخالفۃ بینہ وبین حدیث عائشہ ان الجاھلیۃ کانوا یصومونہ کما تقدم اذ لا مانع من توارد الفریقین علی صیامہ مع اختلاف السبب فی ذلک قال القرطبی لعل قریشا کانوا یستندون فی صومہ الی شرع من مضی کابراھیم وصوم رسول اللہ یحتمل انیکون بحکم الموافقۃ لھم کما فی الحج واذن اللہ فی صیامہ علی انہ فعل خیر فلما ھاجر ووجد الیہود یصومونہ وسالھم وصام وامر بصیامہ احتمل ذلک ان یکون استئلافا للیہود کما استالفہم باستقبال قبلتہم ویحتمل غیر ذلک علی کل حال فلم یصم اقتداء بھم فانہ کان یصومہ قبل ذلک وکان ذلک فی الوقت الذی یحب فیہ موافقۃ اھل الکتاب فیما لم ینہ عنہ ص۱۳ جلد۲ فتح الباری

مازری نے یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہو خدا نے وحی کی ہو اسکی کہ یہود کی اس خبر مین تصدیق کرین (مگر افسوس حدیث مین کوئی اسکا ذکر نہین) اور ممکن ہے کہ حضرت کو تواتر اسکی خبر پہونچی ہو اعرض یہ ہو کہ صرف یہود کی خبر دینے سے حضرت نے نہین باور کیا۔ بلکہ تواتر سے یہ بات ثابت ہوئی (مگر افسوس حدیث کا لفظ اسکے موافق نہین)

قاضی عیاض نے یہ احتمال پیدا کیا ہے کہ ممکن ہے اون یہود نے خبر دی ہو جو اسلام لا چکے ہون
مثل ابن سلام کے مگر ابن سلام کا اسلام اسکے بعد ہے نہ اوسوقت جب حضرت تشریف لائے
تھے۔ اور یہ واقعہ اوسیوقت کا ہے)

پھر کہا قاضی نے کہ حدیث مین یہ نہین مذکور ہے کہ حضرت نے اس روزہ کا آج حکم پہلے پہل دیا۔
بلکہ حدیث عائشہ سے معلوم ہوا کہ حضرت پہلے سے روزہ رکھتے تھے (مگر افسوس جو شخص کچھ بھی عقل
رکھتا ہے الفاظ حدیث سے یہی نتیجہ نکالتا ہے کہ حضرت نے یہود کو جونکہ روزہ رکھتے دیکھا تو اون سے
وجہ پوچھی جب وجہ بتائی تو حضرت نے بھی روزہ رکھا اور حکم بھی دیا تو پھر یہ کہنا کہ حضرت نے
ابتدائی حکم نہین دیا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ رہی حدیث عائشہ تو وہ سرے سے اسکی معارض ہے
پھر اوس سے استناد کیونکر ہوسکتا ہے۔ اوسکو صحیح مانو تو اس سے دست بردار ہوجاؤ کیونکہ وہان
بیان ہے حضرت پہلے سے زمانہ جاہلیت مین روزہ رکھتے تھے۔ اور یہان یہ بیان ہے کہ جب
حضرت نے یہود سے دریافت کیا تب روزہ رکھا جس سے صریحی تناقض نمایان ہے۔

قاضی عیاض لکھتے ہین تو غایۃ الامر اس قصہ مین یہ ہے کہ حضرت نے قول یہود سے حکم جدید نہین دیا
بلکہ یہ صفہ حال و جواب سوال ہے (مگر یہ تقریر ایسی مضحک ہے کہ جواب کی ضرورت نہین کیونکہ حدیث
کا لفظ اسکو رد کر رہا ہے فقال ماہذا حضرت نے پوچھا یہ روزہ کیسا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت
اسکو نہ جانتے تھے۔ قالوا ہذا یوم صالح یہود نے بتایا یہ روز نیک ہے کہ خدا نے موسیٰ کو نجات دی
قال فانا احق بموسیٰ منکم فصامہ حضرت نے فرمایا تو ہم زیادہ احق ہین موسیٰ کے ساتھ اسکے بعد
روزہ رکھا اور حکم صیام دیا۔ تو اس سے کون احمق یہ سمجھ سکتا ہے کہ حضرت نے یہود کے بیان
پر نہین حکم روزہ دیا۔ بلکہ یہ تو بدیہی ہے جسمین کسی بچہ کو بھی عذر نہین ہوسکتا کہ اگر یہ حدیث مانی
جائے تو حضرت مقلد یہود ٹھہرتے ہین)
پھر لکھتے ہین کہ ابن عباس کی روایتین اس بارہ مین مختلف نہین ہین نہ اس سے مخالفت
حدیث عائشہ لازم آتی ہے کیونکہ ممکن ہے دونو فریق روزہ رکھتے ہون اگرچہ سبب مین اختلاف
ہو۔ کہا قرطبی نے ممکن ہے کہ قریش شریعت سابقہ حضرت ابراہیم کے بنا پر روزہ رکھتے ہون اور
روزہ رسول اللہ صلعم کا ممکن ہے بموافقت اونکے ہو جیسا کہ حج مین ہوا۔ یا خدا نے آپکو اذن دیا

ہو کہ یہ بھی فعل خیر ہے۔ جب ہجرت کیا اور یہود کو روزہ رکھتے پایا اور اون سے سوال کیا تو روزہ رکھا اور حکم روزہ دیا۔ اختلاف حدیث ابن عباس کا تو مدعی کوئی نہین اور مخالفت حدیث عائشہ تو بدیہی ہی۔ اس سے بھی بحث نہین کہ دونو فریق روزہ رکھتے ہون۔ بلکہ بحث اسقدر ہی کہ حدیث عائشہ کہتی ہی حضرت پہلے سے روزہ رکھتے تھے اور حدیث ابن عباس کہتی ہی بعد ورود مدینہ و دریافت یہود روزہ رکھا۔ تو بتائے کون سی حدیث صحیح ہی۔ کیونکہ حدیث عائشہ پر حضرت مقلد کفار قریش ٹھہرتے ہین اور حدیث ابن عباس پر مقلد یہود۔ جو دونو باطل ہے۔)

افسوس صرف اس غرض سے کہ روز شہادت امام حسین علیہ السّلام روز عید قرار پائے کہ حضرت اس روز روزہ رکھا کرتے یہ سب افترا رسول اللہ صلعم پر کیا جاتا ہی جس سے علماء اہلسنت اس مصیبت مین گرفتار ہین کہ کوئی بات درست نہین ہوتی۔

پھر لکھتے ہین کہ ممکن ہی حضرت نے یہود سے ایتلاف کرنے کو ایسا کیا ہو کہ روزہ رکھا ہو جیسا کہ استقبال قبلہ مین بھی حضرت نے ایسا ہی کیا اور دوسرے بھی احتمالات ہین۔ بہرحال حضرت نے یہود کی تقلید مین ایسا نہین کیا بلکہ قبل سے روزہ رکھتے تھے۔ اور یہ اوس زمانہ کی بات ہے کہ جب حضرت موافقۂ اہل کتاب چاہتے تھے جس امر مین کہ نہی نہین ہوئی تھی (مگر افسوس ان سب کا نتیجہ وہی نکلتا ہی کہ حضرت احکام شریعت مین پابند حکم خدا نہین تھے۔ بلکہ اپنی رائے اور اجتہاد سے جو کام چاہتے کرتے پھر یہ لوگ کیونکر دعوی اسلام کرسکتے ہین حالانکہ خدا فرماتا ہی اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء

بہرحال اگر یہ روایت صحیح مانی جائے تو وہ روایت بھی غلط ہوتی ہی جو عائشہ سے منقول ہی کہ حضرت پہلے سے روزہ رکھتے تھے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہی کہ خلاف حکم قرآن آپ یہود کی اقتدا کرتے تھے۔ حالانکہ قرآن پکار پکار کر منع کر رہا ہے۔ ولن ترضی عنک الیہود والنصاری حتی تتبع ملتہم قل ان ہدی اللہ ہو الہدی ولئن اتبعت اھوائہم بعد الذی جاءک من العلم مالک من اللہ من ولی ولا نصیر۔

یعنی یہود و نصاریٰ تو اوسی وقت تمسے خوش ہو سکتے ہین کہ تم اونکے مذہب کی پیروی کرو کہدو
کہ ہدایت تو وہی ہی جو خدا کی ہدایت ہو۔ اگر تو اون کی پیروی کریگا تو پہر خدا سے بچانے والا نہ کوئی
ولی ہے نہ نصیر۔

یہ تو فرمان الٰہی ہی اور حضرات اہلسنت لکھتے ہین کہ رسول اللہ بہت دوست رکھتے تھے اونکی
پیروی او راتباع کو۔ خدا رحم کرے۔

ان سب کے بعد ابن حجر یہ روایت لکھتے ہین صحیح مسلم سے سمعت ابن عباس یقول
صام رسول اللہ عاشورا وامر بصیامہ قالوا انہ یوم تعظمہ الیہود والنصاریٰ
یعنی ابن عباس سے روایت ہی کہ وہ کہتے تھے کہ حضرت نے بروز عاشورا روزہ رکھا اور حکم
دیا کہا گیا کہ وہ روز ہے کہ اوسکی تعظیم یہود و نصاریٰ کرتے تھے۔

اسپر یہ اعتراض لکھتے ہین بان التعلیل بنجاۃ موسیٰ وغرق فرعون یختص بموسیٰ
ویہود واجیب باحتمال ان یکون عیسیٰ کان یصومہ وھو مما لم ینسخ من شریعۃ
موسیٰ لان کثیرا منہا ما نسخ بشریعۃ عیسیٰ لقولہ تعم ولاحل لکم بعض الذی
حرم علیکم۔

کہ نجاۃ حضرت موسیٰؑ اور غرق فرعون تو خاص حضرت موسیٰؑ و یہود سے متعلق ہی۔ پھر حضرت عیسیٰؑ
کا ذکر یہان کیسا تو اسکا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ممکن ہی حضرت عیسیٰؑ بھی اس روز روزہ رکھتے ہون
اور یہ حکم اون کی شریعت مین نہ منسوخ ہوا ہو کیونکہ حضرت موسیٰؑ کی اکثر شریعت حضرت عیسیٰؑ کے
اس قول سے منسوخ ہوئی ہے کہ تاکہ حلال کرین بعض اوس چیز کو کہ حرام کی گئی ہے۔ تہر (جس سے
معلوم ہوا کہ بعض شریعت منسوخ ہوئی ہی) اور اکثر احکام فرعیہ نصاریٰ کے ماخوذ ہین توراۃ سے۔
امام احمد نے ایک دوسری روایت نکالی ہے۔ ابن عباس سے صوم یہود کے بارے مین بروز عاشورا
کہ سفینہ حضرت نوحؑ نے اوس روز استقرار لیا کوہ جودی پر اسکے شکریہ مین حضرت نوحؑ و موسیٰؑ نے
روزہ رکھا اور ذکر حضرت موسیٰؑ خاص طور پر اسوجہ سے ہوا کہ وہ شریک ہین حضرت نوحؑ کے نجاۃ
مین اور غرق اعدا مین (چونکہ اس روز عاشورے کے روز غم کرنیکا حال خاص توراۃ مقدس سے
مذکور ہو چکا ہی لہذا اسپر زیادہ توجہ کی ضرورت نہین۔ کیونکہ جب توراۃ مین خاص طور پر عید غم

منانے کا حکم ہو کہ امروز غم کرو۔ تو یہ سب روایتیں خود وضعی ثابت ہوئیں خواہ بسبب نجاۃ حضرت موسیٰ ہوا یا بوجہ نجاۃ حضرت نوح کیونکہ اہل حکم تو غم کریگا ہے)

پانچوین حدیث بخاری کی یہ ہی عن ابی موسیٰ قال کان یوم عاشورا تعدہ الیہود عیدا قال النبیؐ فصوموہ انتم یعنی ابو موسیٰ سے روایت ہو کہ روز عاشورا کو یہود روز عید قرار دیتے تھے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ تملوگ امروز روزہ رکھو۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ سبب حکم روزہ یہی تھا کہ حضرت نے یہود کو اس روز عید کرتے دیکھا جس سے روایت ابن عباس کی تائید ہوئی۔

اس حدیث کی شرح مین ابن حجر لکھتے ہین فظاہرہ ان الباعث علی الامر بصومہ محبۃ مخالفۃ الیہود حتی یصام ما یفطرون فیہ لان یوم العید لا یصام وحدیث ابن عباس یدل ان الباعث علی صیامہ موافقتہم علی السبب وھو شکر اللہ علی نجاۃ موسی لکن لا یلزم من تعظیمہم لہ واعتقادھم بانہ عید انہم کانوا یصومونہ فلعلہم کان من جملۃ فی شرعہم ان یصوموہ وقد ورد صریحا فی حدیث ابی موسیٰ ہذا فیما اخرجہ المصنف فی الھجرۃ بلفظ واذا اناس من الیہود یعظمون عاشورا ویصومونہ ولمسلم من وجہ آخر عن قیس بن مسلم باسنادہ قال کان اھل خیبر یصومون یوم عاشورا یتخذونہ عیدا ویلبسون نساءہم فیہ حلیہم وشارتہم وھو بالشین المعجمۃ ای ھیئتہم الحسنۃ وقولہ ھذا یوم للاشارۃ الی نوع الیوم لا الی شخصہ۔ مثلہ قولہ تعالیٰ ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فیما ذکرہ الفخر الرازی فی تفسیرہ ص ۳۱۴

یعنی ظاہر یہ ہے کہ حضرت نے حکم صوم بمخالفت یہود دیا تھا کیونکہ حضرت اسکو دوست رکھتے تھے کہ اون کی مخالفت کی جائے لہذا چونکہ وہ روز عید یہود تھا۔ اس لئے حضرت نے حکم روزہ دیا کیونکہ عید کے روز روزہ نہیں ہو اور حدیث ابن عباس بتاتی ہی کہ حکم روزہ بموافقت یہود تھا کیونکہ خدا نے اوس روز حضرت موسیٰ کو نجاۃ دی تھی (یہ اختلاف بیانی بھی قابل قدر ہے کہ ایک طرف تو حضرت کو مقلد یہود بتاتے ہین کہ حضرت کو اون کی خاطر اسقدر منظور تھی کہ اون

احکام شرعیہ مین بھی آپ اون کی اقتدا کرتے۔ دوسری جگہ یہ بیان ہوتا ہے کہ حضرت کو اس درجہ اونکا خلاف منظور تھا کہ جس روزہ وہ عید کرتے آپ روزہ کا حکم دیتے۔ اس اختلاف کی بھی کوئی حد ہے۔ خود روایات سابقہ مین تو یہ بیان ہے کہ حضرت نے اونکو روزہ دار پایا اسلئے آپنے بھی روزہ رکھا۔ اور یہان یہ بیان ہوتا ہے کہ حضرت نے اون کی مخالفت مین روزہ رکھا۔ کس دلیل سے کہ اس حدیث مین مذکور ہے کہ وہ روز عید تھا۔ اور روز عید روزہ نہین رکھا جاتا لہذا اسکی تاویل مین فرماتے ہین)

لیکن اون کے عید جانتے اور تعظیم کرنے کو یہ نہین لازم ہے کہ وہ روزہ نہ رکھتے ہون کیونکہ ممکن ہے اون کی شریعت مین بھی حکم ہو کہ روز عید روزہ رکھے چنانچہ خود بخاری نے جو کتاب ہجرت مین روایت کی ہے اسی ابوموسی سے روایت ہے کہ یہود کو دیکھا کہ وہ اس روز عاشورا کی تعظیم کرتے ہین۔ اور روزہ رکھتے ہین اور صحیح مسلم مین ہے کہ اہل خیبر روز عاشورا روزہ رکھتے اور اوسکو عید بناتے اور اپنی عورتون کو لباس و زیور پہناتے تو اب حدیث مین جو ہذا الیوم ہو تو مراد اوس سے اشارہ ہو طرف نوع یوم کی طرف نہ خاص اوسی روز کے لئے جیسا کہ لا تقربا ہذہ الشجرۃ مین بھی تاویل کی ہو فخر رازی نے اپنی تفسیر مین اس عبارت نے اچھی طرح بتا دیا کہ کس طرح کا اختلاف ہو کہ کوئی تاویل بنتی نہین اور ان سب کی غرض صرف اسیقدر ہے کہ روز عاشور کو کسی طرح حضرت کا روزہ ثابت کرین جو ایک خیال محال ہے۔

چھٹی حدیث صحیح بخاری کی یہ ہو عن ابن عباس قال ما رایت النبیؐ یتحری صیام یوم فضلہ علی غیرہ الا ہذا الیوم یوم عاشورا وہذا الشہر یعنے شہر رمضان کہ یعنی ابن عباس کہتے ہین کہ ہمنے رسول اللہ کو کسی روز مین یہ نہین دیکھا جو بروز عاشور قصد کرتے یا روزہ ماہ رمضان مین۔

جس سے معلوم ہوا کہ مثل روزہ ماہ رمضان روزہ عاشورا بھی واجب ہے کیونکہ ابن عباس ان دونون روزونکو ایک سان بیان کرتے ہین جسمین سے روزہ رمضان یقیناً واجب ہے تو روزہ عاشور بھی واجب ہوا حالانکہ کل روایتون کا مطلب یہی ہے کہ اگر بفرض محال روزہ

واجب بھی تھا تو منسوخ ہو چکا یہانتک کہ ابن عمر کبھی روزہ اسروز نہ رکھتے۔

ابن حجر شرح مین لکھتے ہین هذا یقتضی ان یوم عاشورا افضل الایام للصائم بعد
رمضان لکن ابن عباس اسند ذلک الی علمه فلیس فیه مایرد علم غیره وقد
روی مسلم من حدیث ابی قتادة مرفوعًا ان صوم عاشورا یکفر سنة وان
صیام یوم عرفة یکفر سنتین وظاهره ان صیام یوم عرفة افضل من صیام
عاشورا وقد قیل فی الحکمة فی ذلک ان یوم عاشورا منسوب الی موسیٰ
ویوم عرفة منسوب الی النبی صلعم فلذلک کان افضل

یعنی اس حدیث کا مقتضی تو یہ ہو کہ روز عاشورا تمامی ایام سے افضل ہو۔ بعد ماہ رمضان (اس
اسکا جواب دیتے ہین) لیکن یہان تو ابن عباس نے اپنا علم بیان کیا ہے اس سے یہ نہین لازم آ
کہ دوسرے کا علم باطل ہو کیونکہ صحیح مسلم مین ابو قتادہ سے روایت ہے کہ روزہ عاشورا ایک سال
کے گناہونکا کفارہ ہوتا ہو۔ اور روزہ عرفہ دو سال کا جس کا ظاہر یہ ہے کہ روزہ عرفہ افضل ہے روز
عاشورا سے۔ اسکی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ روزہ عاشورا منسوب ہو حضرت موسیٰ کی طرف
اور روزہ عرفہ خود حضرت کی طرف لہذا روزہ عرفہ افضل ہوا۔

اب تو اچھی طرح معلوم ہوا کہ بخاری نے محض از راہ ناصبیت اس حدیث کو لکھا ورنہ صحیح مسلم
مین صاف طور پر مذکور ہے کہ روزہ عرفہ گناہان دو سالہ کا کفارہ ہوتا ہے جس سے افضلیت
اسکی بدیہی ہو۔ تو پھر بخاری کا یہ کہنا کہ عاشورا رمضان کے روزہ کے برابر حضرت کسی روزہ کا قصد
نہ کرتے تھے کس درجہ لغو ہے۔

ساتوین حدیث عن سلمة بن الاکوع قال امر النبی صلعم رجلا من اسلم ان اذن فی
الناس ان من کان اکل فلیصم بقیة یومه ومن لم یکن اکل فلیصم فان الیوم
یوم عاشورا

یعنی سلمہ بن اکوع سے روایت ہو کہ حضرت نے ایک شخص کو قبیلہ اسلم سے حکم دیا کہ پکار دو لوگو
مین کہ جس نے کچھ کھالیا ہو وہ بقیہ یوم روزہ رکھے اور جس نے نہین کھایا ہے وہ روزہ رکھے
کہ آج روز عاشورا ہے۔

یہ آخری روایت ہو بخاری کی جس نے اچھی طرح ثابت کردیا کہ روزہ عاشورا واجب ہے کیونکہ اس مین صاف حضرت دیتے ہین کہ جسنے آج کچھہ کھایا ہو وہ بھی روزہ رکھے جس نے نہ کھایا ہو وہ بھی روزہ رکھے کہ آج روز عاشورا ہے۔ اس سے بڑھکر حکم وجوب کیا ہو سکتا ہی حالانکہ تیسری حدیث مین صاف طور پر معویہ نے بیان کیا ہے کہ هذا یوم عاشورا ولم یکتب الله علیکم صیامه

یہ روز عاشورا ہے کہ اسکا روزہ خدانے واجب نہین کیا ہی جسکا جی چاہے روزہ رکھے جسکا جی چاہے نہ رکھے۔ اس حدیث کو اس حدیث سے ملائے تو نتیجہ معلوم ہو کہ یہان حضرت اس طرح حکم دے رہی ہین کہ جس نے کھایا ہو وہ بھی روزہ رکھے جس نے نہ کھایا ہو وہ بھی روزہ رکھے۔ اس سے بڑھکر کیا تناقض ہو سکتا ہے۔

ابن حجر لکھتے ہین کہ اس حدیث سے لوگون نے اسپر استدلال کیا ہی کہ اگر دنکو وجوب صوم معلوم ہوجائے تو اوسی وقت سے نیت کر لینا چاہئیے یہی روزہ کافی ہوگا وقد تقدم البحث فی ذلك والرد علی من ذهب الیه وان عند ابی داؤد وغیرہ امر من کان اکل ذلك الیوم مع الامر بامساکه یعنی اسکی بحث پہلے گذر چکی ہی۔ اور جو شخص اس کا قائل ہو رد کر دیا گیا ابو داؤد کی روایت ہی کہ اوس روز امساک کرے پھر قضا کرے۔

اس حدیث سے تو معلوم ہوا کہ روزہ عاشورا ہمیشہ واجب رہا کیونکہ بتصریح ابن حجر جسکو یہ حکم منادی دیا گیا اوسکا نام ہند تھا جو سنہ حدیبیہ مین اسلام لایا اور باب اذا نوی بالنہار صوما مین بھی یہ روایت درج ہے جسکی شرح مین ابن حجر بطریق احمد روایت کرتے ہین مر قومك ان یصوموا هذا الیوم یوم عاشورا

جس سے وجوب اسکا ظاہر ہی حالانکہ ابن حجر لکھتے ہین والذی یترجح من اقوال العلما انه لو یکن فرضا وعلی تقدیر انه کان فرضا فقد نسخ بلا ریب فنسخ حکمه وشرائطه یعنی قول مرجح یہی ہی کہ روزہ عاشورا فرض نہ تھا اور اگر فرض تھا تو منسوخ ہو گیا بلا ریب تو حکم و شرائط اوسکے بھی منسوخ ہو گئے۔

مگر جب سنہ ۶ھ جنگ حدیبیہ مین حضرت نے یہ حکم دیا تو پھر اسکی منسوخیت کیونکر معلوم ہوئی اس لئے

کہ حکم وجوب اور منسوخیت تو پہلے سال ہجرت سے متعلق تھا اور رجب ۶ھ میں حضرت نے یہ حکم دیا تو اسکا ناسخ کون ہوگا بلکہ یہی سب کا ناسخ ہوگا۔

خود فتح الباری میں ہے عن اختہ حفصہ ان النبی قال من لم یبیت الصیام من اللیل فلا صیام لہ ص ۲۵۹

یعنی جس نے رات سے نیت روزہ نہ کی اوسکا روزہ ہی نہیں۔ مگر صوم عاشورا کے بارے میں یہ تاکید ہے کہ اگر رات کو نیت نہ کی ہو بلکہ کچھ کھا بھی لیا ہو تو بھی روزہ رکھو۔ اس سے بڑھکر کون واجب ہو سکتا ہے۔

ابن حجر طحاوی سے ناقل ہیں کہ واجبی اور سنتی روزہ کے احکام مختلف ہیں اگر کوئی روزہ ایسا ہو جو روز معین کو واجب ہو مثل روز عاشور تو دن کی نیت بھی کافی ہے اور اگر وہ روزہ معین نہ ہو مثل رمضان کے اچھوش روزہ ماہ رمضان کے لئے کوئی روز معین نہیں ہی تو اوس میں نیت رات کو ضروری ہے۔ اور سنتی روزہ میں دن اور رات دونو نیت ہو سکتی ہے وقد تعقبہ امام الحرمین بانہ کلام غث لا اصل لہ یعنی امام الحرمین نے اسپر یہ تعقب کیا ہے کہ یہ کلام بالکل لغو ہے جسکی کوئی اصلیت نہیں۔

ہمنے کل حدیثیں صحیح بخاری کی مع شرح لکھدی ہے جس سے تمامی اہل فہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ روزہ عاشورا کا حکم کس درجہ خلاف واقع ہے کہ سراسر تہمت کی گئی ہے رسول اللہ پر کیونکہ ہر حدیث دوسری حدیث کے معارض ہے جس سے ہر شخص بدیہی طور پر یہ حکم لگا سکتا ہے کہ یہ کل وضعی روائتیں ہیں جو محض یزید کی خوشامد میں بنائی گئیں تاکہ روز شہادت امام حسینؑ روز عید قرار پائے کہ روزہ رکھا جائے۔ حالانکہ نہ حضرت نے کبھی اس روز روزہ رکھا نہ اس کا حکم دیا۔ حالانکہ اہلسنت کے یہاں ابھی اسمیں اختلاف ہے کہ روز عاشورا کون روز ہے کیونکہ فتح الباری میں ہے فیوم عاشورا ھو العاشر وقیل ھو الیوم التاسع ص ۲۱۳

اور عمدۃ القاری میں ہے اختلف الصحابۃ فیہ ھل ھو الیوم التاسع او الیوم العاشر او الیوم الحادی عشر ص ۲۴۶ جلد ۵

یعنی صحابہ میں اختلاف ہے کہ یوم عاشورا ۹ محرم ہے یا ۱۰ یا ۱۱۔ پھر جس مذہب میں روز عاشورا

تحقیق روز عاشورا

بھی معین نہو اوسکا کیا کہنا۔

وصام ابو اسحق عاشورا ثلثۃ ایام یوما قبلہ ویوما بعدہ فی طریق مکہ ص۳۴۶
یعنی ابو اسحق نے تین روز روزہ رکھا راہ مکہ مین ایک روز قبل ایک روز بعد۔ اس سے بڑھکر کیا یزید کی طرفداری ہوسکتی ہے۔

اب اسیر طرہ سنئے وفی المحیط وکرہ افراد یوم عاشورا بالصوم لاجل التشبہ بالیہود وفی البدایع وکرہ بعضہم افرادہ بالصوم ولم یکرھہ عامتہم لانہ من الایام الفاضلۃ

یعنی بعض لوگون نے مکروہ جانا ہے روزہ عاشورا کو۔ کیونکہ اس سے تشبہ یہود حاصل ہوتا ہے اور بدایع مین ہے کہ بعض نے تنہا اس روز روزہ رکھنا مکروہ سمجھا ہے
حالانکہ جتنی روایتین بخاری کی گذری ہین اون سب سے حضرت کا روزہ رکھنا محض بغرض تشبہ یہود ظاہر ہے کہ حضرت نے خاص طور پر حکم قرآن کے خلاف محض یہود کی رضا کیلئے اس روز روزہ رکھا۔

اب اس سے بڑھکر کون سی علامت وضع چاہتے ہین کہ خود انہین روایتون سے وضعیت ان احادیث کی نمایان ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ عینی صاف طور سے فرماتے ہین والاثار فی ھذا الباب عن ابن عباس مضطربۃ ص۳۴۷
یعنی جتنی روایتین ابن عباس سے اس بارہ مین وارد ہین وہ سب مضطرب ہین جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہو کہ یہ ساری شرارت راویان احادیث کی ہے جنہون نے اس قسم کا افترا رسول اللہ ؐ پر کیا۔ تو ابن عباس بیچارے کیا چیز ہین۔

اب ہم ان کل روایات پر ایک تنقیدی نظر زاد المعاد ابن القیم سے لکھتے ہین جس سے معلوم ہوجائیگا کہ یہ سب روایتین کس شان کی ہین۔
زاد المعاد جلد اول صفحہ ۱۶۵ مین پہلے اوس روایت ابن عباس کو لکھا ہے کہ جب حضرت مدینہ مین تشریف لائے تو یہود کو روزہ رکھتے دیکھا اوسپر آپنے خود بھی روزہ رکھا اور حکم بھی دیا۔
اس حدیث کو نقل کرکے لکھتے ہین۔

(۱) وقد استشکل بعض الناس هذا وقال انما قدم رسول اللہ ﷺ المدینۃ فی شھر ربیع الاول فکیف یصح قول ابن عباس انہ قدم المدینۃ فوجد الیہود صیاما یوم عاشورا۔ یعنی یہ اشکال کیا گیا ہے کہ حضرت تو ماہ ربیع الاول مین وارد مدینہ ہوئے تو پھر قول ابن عباس کہان درست رہا کہ حضرت نے یہود کو بروز عاشورا روزہ رکھتے دیکھا (پہلے بھی یہ اعتراض مذکور ہوا۔)

(۲) وفیہ اشکال آخر دوسرا اشکال یہ ہو کہ صحیحین سے ثابت ہو عائشہ سے کہ قریش پہلے سے اس روز روزہ رکھتے تھے جب حضرت نے ہجرت کیا تو اس روز عاشورا کو روزہ رکھا جب رمضان کا روزہ واجب ہوا تو حضرت نے فرمایا جسکا جی چاہے روزہ رکھے جسکا جی چاہے نہ رکھے (تو یہ حدیث پہلی حدیث کے معارض ہوئی)

(۳) واشکال آخر وھو ما ثبت فی الصحیحین ان الاشعث بن القیس دخل علی عبد اللہ بن مسعود وھو یتغدی فقال یا ابا محمد ادن الی الغداء فقال اولیس الیوم یوم عاشوراء فقال وھل تدری ما یوم عاشورا وقال وما ھو قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصومہ قبل ان ینزل صوم رمضان فلما نزل رمضان ترکہ وقد روی مسلم فی صحیحہ عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین صام یوم عاشوراء وامر بصیامہ فقالوا یا رسول اللہ انہ یوم یعظمہ الیہود والنصاری فقال رسول اللہ صلی اللہ

یعنی تیسرا اشکال یہ ہے کہ صحیحین سے ثابت ہو کہ اشعث بن قیس داخل ہوا ابن مسعود پر وہ صبح کا کھانا کھا رہے تھے اشعث بن قیس کو اونھون نے بلایا۔ تو اشعث نے کہا آج کیا روز عاشورا نہین ہے۔ ابن مسعود نے کہا کچھ تجھے معلوم ہے کہ روز عاشورا کیا ہے کہا کیا ہے۔ کہا ابن مسعود نے کہ رسول اللہ ﷺ اس روز روزہ رکھتے تھے قبل نزول حکم صوم رمضان۔ جب حکم روزہ رمضان نازل ہوا تو حضرت نے اس روزہ عاشورا کو ترک کر دیا۔

اور صحیح مسلم مین ہے کہ جب حضرت نے بروز عاشورا روزہ رکھا تو لوگون نے کہا اس روز کی تعظیم کرتے ہین یہود و نصاری تو حضرت

علیہ وسلم اذا کان العام المقبل ان
شاء اللہ صمنا الیوم التاسع فلم
یات العام المقبل حتی توفی رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھذا فیہ
ان صومہ والامر بصیامہ قبل وفاتہ
بعام وحدیثہ المتقدم فیہ ان ذلک
کان عند مقدمہ المدینۃ ثم ان ابن
مسعود اخبر ان یوم عاشوراء ترک
برمضان وھذا یخالف حدیث ابن
عباس المذکور ولا یمکن ان یقال
ترک فرضہ لانہ لو یفرض لما ثبت فی
الصحیحین عن معاویہ بن ابوسفیان
سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یقول ھذا یوم عاشوراء ولم
یکتب اللہ علیکم صیامہ وانا صائم
فمن شاء فلیصم ومن شاء فلیفطر
ومعاویۃ انما سمع ھذا بعد الفتح قطعاً

نے فرمایا جب سال آیندہ ہوگا تو انشاء اللہ
ہم نوین کو بھی روزہ رکھینگے مگر حضرت نے
قبل آنے دوسرے سال کے انتقال فرمایا۔

تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت نے جس
سال انتقال فرمایا اوسکے قبل حکم دیا روزہ کا
حالانکہ پہلی حدیث مین یہ ہے کہ جب آپ مدینہ
تشریف لائے تھے تب روزہ رکھا اور حکم دیا
پھر حدیث ابن مسعود سے معلوم ہوا کہ حضرت نے
بعد نزول حکم صوم رمضان صوم عاشورا کو
ترک کر دیا تھا۔ اور حدیث ابن عباس اسکے
مخالف ہے کہ ایک سال قبل وفات آپ
یہ روزہ رکھتے تھے۔

اور یہ کوئی نہین کہہ سکتا کہ حضرت نے ترک
فرض کیا ہو کیونکہ حدیث معویہ سے معلوم
ہوا کہ یہ روزہ فرض نہ تھا اور معویہ نے
اس کو بعد فتح مکہ ۸ھ مین سنا
تھا۔

(۴) اشکال یہ ہے کہ روایت صحیح مسلم مین ہے ابن عباس سے کہ جب کسی نے کہا یہود اس
روز کی تعظیم کرتے ہین تو حضرت نے فرمایا آیندہ سال ہم نوین کو بھی روزہ رکھینگے مگر حضرت اوس
وقت تک زندہ نہ رہے۔ پھر اوسی مسلم مین حکم بن اعرج سے روایت ہو کہ ابن عباس سے مین نے
صوم عاشورا کو پوچھا تو اونھون نے کہا جب ماہ محرم کا چاند دیکھو تو نو تاریخ تک گنو۔ نوین کو روزہ
رکھو۔ حکم بن اعرج نے کہا کیا رسول اللہ اسی طرح روزہ رکھتے تھے تو کہا ہان (مطلب یہ ہے کہ
کہ جب حضرت نے کبھی نوین کو روزہ ہی نہ رکھا کیونکہ آپ نے سال آیندہ کا وعدہ کیا تھا جسکے قبل

انتقال فرمایا - تو پھر ابن عباس کا یہ کہنا کہ حضرت نوین کو روزہ رکھتے تھے کیسے صحیح ہو سکتا ہو -
(۵) اشکال یہ ہو کہ اگر یہ روزہ واجب تھا اور فرض اول اسلام مین تو پھر آپنے اسکے قضا کا کیون نہ حکم
دیا اون لوگون کو جنہون شب سے نیت نہ کی تھی - اور اگر فرض نہ تھا تو پھر امساک کا کیسے حکم دیا اون
لوگون کو جو کھا چکے تھے جیسا کہ مسند و سنن مین ہو - یہ حکم تو واجب مین ہوتا ہو نہ مستحب مین - پھر
ابن مسعود کا یہ قول کیونکر درست ہو سکتا ہو کہ جب رمضان کا حکم دیا تو حضرت نے صوم عاشورا کو ترک
کردیا اور استحباب اوس کا نہ ترک ہوا -
(۶) کہ ابن عباس تو عاشورا ۹ کو قرار دیتے ہین اور خبر دیتے ہین کہ حضرت اسی تاریخ کو روزہ رکھتے
تھے - حالانکہ وہی ابن عباس روایت کرتے ہین کہ حضرت نے فرمایا عاشورا کا روزہ رکھو اور
یہود کا خلاف کرو ایک روز قبل روزہ رکھو اور ایک روز بعد حالانکہ وہی ابن عباس روایت
کرتے ہین کہ ہمکو رسول اللہ صلعم نے روزہ عاشورا کا حکم دیا جو دسوان روز ہے جیسا کہ ترمذی نے
ذکر کیا ہے ص ۱۶۹ زاد المعاد جلد اول
اگرچہ یہ خرابیان پہلے بھی بیان ہو چکی ہین مگر چونکہ ابن القیم نے سبکو ایک جگہ جمع کیا ہو اسلئے ہمنے بھی
لکھدیا تا کہ معلوم ہو کہ خون ناحق امام حسین ایسا ہلکا نہین ہو کہ چھپ سکے کیونکہ قاتلان امام نے
اگرچہ اس قسم کی ہزارون وضعی حدیثین بنائین - یہانتک کہ اونکو یہ درجہ دیا گیا کہ نہ صرف صحیحین
مین درج کی گئین جنکا درجہ بعد کتاب الباری ہے - بلکہ تمامی صحاح ستہ مین اون سے زینت
دی گئی ہے - جسکی غرض یہ ہے کہ اہل اسلام بلا کسی تنقیح و تفتیش کے قبول کرلین -
مگر خدا نے ان وضعین حدیث مین اسدرجہ اختلاف ڈال دیا کہ ایک معمولی عقل والا آدمی بھی
ان احادیث کو جب دیکھیگا تو سمجھ جائیگا کہ یہ محض وضعی حدیثین ہین جنمین کسی طرح توافق نہین ہو سکتا
اسی لیئے ابن القیم کے جوابونکو ہمنے نہ لکھا کیونکہ اونکا جواب اور جواب الجواب فتح الباری کی عبارت
مین آچکا ہو لہذا زیادہ لکھنا موجب تضیع اوقات ہے کیونکہ کل جوابات اونکے آچکے ہین -
کیونکہ خود ہی لکھتے ہین وان لم یسلک ھذا المسلک تناقضت الاحادیث واضطربت ص ۱۷۱
یعنی اگر اس طرح تاویل نہ کی جائے تو حدیثونکا تناقض اور اضطراب لازم آتا ہے - جس سے معلوم
ہوا کہ اگر تاویل نہ کی جاوے تو حدیث مین تناقض و اضطراب لازم آتا ہو پھر کیا یہ حدیثین کیونکر

[illegible] لکھتے ہین واخبران رسول اللهؐ کان یصومه کذلک فاما
انیکون فعل ذلک هو الاولی واما انیکون حمل فعله علی الامر به وعزمه علیه فی المستقبل
ویدل علی ذلک انه هو الذی روی صومه یوماً قبله ویوما بعده ص۲۲۱

یعنی ابن عباس نے جو یہ خبر دیا کہ حضرت نوین کو روزہ رکھنے تھے تو یا مراد ہو کہ ایسا کرنا بہتر ہے۔ یا یہ کہ چونکہ حضرت نے اسکا ارادہ کیا تھا کہ آیندہ سال ایسا کرینگے لہذا ابن عباس نے اوسکو حضرت کا فعل قرار دیا جسکی دلیل یہ ہو کہ اونہین سے روایت ہو کہ ایک روز قبل روزہ رکھو ایک روز بعد۔

یہ ہے تحقیق ابن القیم جسپر تمامی وہابیون کو ناز ہو حالانکہ اعتراض یہ تھا کہ ابن عباس نوین کو عاشورا بناتے ہین اور خبر دیتے ہین کہ رسول اللهؐ اوس روز روزہ رکھتے تھے۔ حالانکہ خود ہی روایت کرتے ہین کہ حضرت نے فرمایا اگر زندہ رہے تو آیندہ سال ہم کو بھی روزہ رکھینگے جس سے معلوم ہوا کہ ابھی رکھا نہین تھا۔ مگر ابن عباس نے کہدیا کہ حضرت یونہی روزہ رکھتے تھے۔ تو پھر وہ اعتراض کیونکر دفع ہوا۔

غرض جسکو خدا نے کچھ بھی فہم دیا ہو وہ ان روایات سے بدیہی طور پر یہ نتیجہ نکال سکتا ہو کہ جتنی حدیثین اس بارہ مین ہین وہ سب موضوع ہین کیونکہ پہلا بیان یہ ہو کہ حضرت زمانہ جاہلیت مین بھی تقلید اہل جاہلیت روزہ رکھتے تھے جسکو کوئی مسلمان نہین باور کر سکتا کہ حضرت نے کبھی بھی تقلید اہل جاہلیت کی ہو۔

دوسرا بیان یہ ہو کہ جب آپ مدینہ آئے اور یہود کو روزہ رکھتے دیکھا تو اون کی تقلید مین آپنے روزہ رکھنا شروع کیا جو سراسر احکام صریحہ قرآن کے خلاف ہو۔ پھر آپ تو ربیع الاول مین آئے اوس مہینہ مین عاشورا کہان تھا جو کسیکو روزہ رکھتے دیکھتے۔

تیسرا بیان یہ ہو کہ اوسی سال روزہ ماہ رمضان سے منسوخ بھی ہو گیا تو جب منسوخ ہو گیا پھر کیونکر ممکن ہو کہ حضرت حکم منسوخ پر عمل کرین۔ چوتھا بیان یہ ہو کہ کبھی بھی یہ روزہ فرض ہی نہوا۔ پانچوان بیان یہ ہو کہ حضرت نے پھر کبھی یہ روزہ رکھا ہی نہین جیسا کہ ابن مسعود کی حدیث ہے فلما نزل ترک چھٹا یہ بیان ہو کہ حضرت کو اس روزہ مین اسقدر اہتمام تھا کہ حکم دیا

جس نے دن کو کچھ کھا بھی لیا ہے وہ بھی روزہ رکھے حالانکہ اسی صحیح بخاری مین یہ روایت موجود ہے
کہ جسنے شب کو نیت نہ کی ہو اوسکا روزہ ہی نہین چھٹا بیان یہ ہے کہ حضرت نے فرمایا اگر زندہ رہے تو
سال آیندہ نہم کو بھی روزہ رکھینگے مگر افسوس آپنے قبل آنے سال کے انتقال کیا۔ لیکن ابن عباس نے
یہ خبر دیدی کہ ہمیشہ حضرت اسی روز کو روزہ رکھتے تھے۔

تو پھر کس عاقل کو شبہ ہو سکتا ہے کہ چونکہ جناب سید الشہدا روحی لہ الفدا اس روز شہید ہوئے
لہذا خوشامد یزید مین یہ حدیثین وضع کی گئین کہ اوس روز روزہ رکھنا سنت ہے۔ حالانکہ محض افترا
ہے کیونکہ اگر ہم فرض کرلین کہ حضرت کو روز شہادت امام حسینؑ بھی نہ معلوم تھا تو بھی یہ کیونکر ممکن تھا کہ
حضرت بلا حکم خدا یہود کی تقلید کرتے۔ کیونکہ سبکو معلوم اسلام مین یا قبل از اسلام کوئی امر
ایسا بروز عاشورا نہین ہوا تھا جس سے اوسکی خصوصیت نمایان ہو بجز اسکے کہ روایات اہلسنت
سے نجاۃ حضرت موسیٰ اس تاریخ کو ظاہر ہوتی ہے۔ حالانکہ توراۃ سے اسکے خلاف ظاہر ہے کیونکہ وہ دن
روز غم قرار دیا گیا ہے تو بالفرض اگر حضرت موسیٰؑ کو نجات بھی ملی ہو تو اوسکا اثر اسلام پر کیا پڑتا تھا
جسکے لیے یہ اہتمام کیا جاتا۔

دلائل وضعیت حدیث لہذا معلوم ہوا کہ یہ سب وضعیات ہو دان اسلام سے ہے کہ محض قاتلان
امام حسینؑ کی ہوا خواہی مین یہ حدیثین بنائی گئین اور درج صحیحین بلکہ صحاح ستہ کی گئین۔ جسکی
سب سے دلیل واضح یہ ہے۔

(۱) عاشورا اسلامی نام ہے چنانچہ سابقاً مذکور ہوا انہ اسم اسلامی صـ۲۱۳ فتح الباری جلد ۲
عینی مین ہے و فی الجمہرۃ ھو اسم اسلامی لا یعرف فی الجاھلیۃ لانہ لا یعرف فی کلامہم
فاعولاء و رد علی ھذا بان الشارع نطق بہ و کذلک الصحابۃ قالوا ان عاشورا
کان یسمی فی الجاھلیۃ و لا یعرف الا بھذا الاسم صـ۲۲۶
یعنی جمہرہ مین ہے کہ یہ اسلامی نام ہے جو اہل جاہلیۃ مین نہین معلوم تھا۔ اسکا یہ جواب دیا گیا ہے کہ مگر
حدیثون مین یہ نام آیا ہے۔ جسکا جواب ابن حجر نے یہ دیا ہے کہ اس سے وہ اعتراض نہین رفع ہوتا۔
(خصوصاً جبکہ سب کی موضوعیت نمایان ہے) تو جب اسلامی نام ہوا تو ضرور ہے کہ اسکی ابتدا شہادت
امامؑ کے بعد سے ہو۔

(۲) یہ کہ اسمین اختلاف ہے عاشورا ۹-۱۰-۱۱ کونسی تاریخ ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ سب بعد کو وضع ہوا اصل مین قاتلان امام حسینؑ روزہ عاشور کو رکھتے تھے اوسپر ترقی کی گئی تو تین روز روزہ رکھا گیا جیسا کہ عینی مین ہے صام ابو اسحق عاشورا ثلاثة ایام یوماً قبله ویوماً بعده فی طریق مکه کہ ابو اسحق نے تین روز روزہ رکھا راہ مکہ مین ۹-۱۰-۱۱- حالانکہ ماہ رمضان کا روزہ حالت سفر مین قصر ہو جاتا ہے- لیکن یہ روزہ عاشورا کا ایسا واجب تھا کہ سفر مین بھی نہ ترک ہو سکا حالانکہ ابن شہاب زہری جو یہ روزہ رکھتا وہ مشہور ناصبی ہے جس سے صحیحین بھری ہوئی ہین- اسی طرح ابو اسحق جتنے ہین وہ سب مجاہیل ہین- ملاحظہ ہو میزان الاعتدال صفحہ ۳۶۲ تو پھر اسمین کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ سب افعال از راہ ناصبیت کئے گئے-

(۳) یہ کہ محیط و بدایع مین کراہت اس روزہ کی مذکور ہے تو اگر یہ حدیثین وضعی نہین ہین تو پھر کراہت کے کیون قائل ہوئے-

(۴) یہ کہ فضائل صوم عاشورا مین بیان کیا گیا ہے من صام عاشورا فکانما صام الدهر کله وقام لیله وفی اخری من صام یحتسب له بالف سنة من سنی الاخرة صفحہ ۳۲۴ عینی جلد ۵ یعنی جو شخص روزہ رکھے عاشور کو اوس نے گویا روزہ رکھا تمام عمر اور قیام کیا تمام شب- اور دوسری روایت مین ہے کہ اوسکے روزہ کا حساب ہزار برس کا ہوگا مطابق سنہ آخرت جو ایک روز پانچ ہزار برس یا دس ہزار برس کا ہوتا ہے-

حالانکہ اصول مقررہ اہلسنت سے ہے کہ جس کام کا ثواب زیادہ بیان کیا جائے وہ حدیث وضعی ہے

(۵) یہ کہ عینی مین ہے ومن اعجب ما روی فیه ان رسول اللہؐ قال فی الصرد انه اول طائر صام عاشوراء وهذا من قلة الفهم فان الطائر لا یوصف بالصوم قال الحاکم وضعه قتلة الحسینؑ قلت اطلاق الصوم للطائر لیس بوجه الصوم الشرعی حتی تنسب قائله الی قلة الفهم وانما غرضه ان الطائر ایضاً یمسك عن الاکل یوم عاشوراء تعظیما له وذلك بالهام من اللہ تعالیٰ فیدل علی فضله بهذا الوجه صفحہ ۳۲۸ یعنی سب سے عجیب یہ روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے صرد (نام طائر) کے بارہ مین فرمایا یہ پہلا طائر ہے جس نے بروز عاشورا روزہ رکھا- یہ قول بوجہ قلت فہم ہے کیونکہ طائر کو نہین کہہ سکتے کہ وہ روزہ رکھتا ہے-

امام حاکم لکھتے ہین کہ اس حدیث کو قاتلان امام حسین ؓ نے وضع کیا۔ خود علامہ عینی فرماتے ہین کہ طائر کا صوم بوجہ شرعی نہین ہوتا جس سے قلت فہم کا الزام دیا جائے۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ وہ طائر بھی اوس روز بوجہ تعظیم روز عاشورا امساک کرتا ہے کھانے سے بہ الہام خدا تو اس سے فضیلت اس روز کی نمایان ہوئی۔

دیکھئے اب اس سے بڑھکر کیا دلیل وضعیت ہو سکتی ہے کہ امام حاکم نے بصراحت تمام اقرار کیا کہ اس حدیث کو قاتلان امام حسین ؓ نے وضع کیا مگر کیا حق ایمانداری ادا کیا ہے عینی نے کہ کہا یہ روزہ بوجہ شرعی نہین ہے۔ بلکہ وہ کھانے پینے سے باز رہتا ہے بہ الہام الٰہی جس سے اس روز کی افضلیت نمایان ہوئی۔

فوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ امام شوکانی مین ہے صسہ

حدیث من صام یوم عاشورا اعطی ثواب عشرۃ الاف ملك الخ ذکرہ فی اللالی مطولا عن ابن عباس مرفوعاً وھو موضوع حدیث ان اللہ افرض علی بنی اسرائیل صوم یوم فی السنۃ وھو یوم عاشورا وھو الیوم العاشر من المحرم فصوموہ ووسعوا علی اھلیکم فانہ الیوم الذی تاب اللہ علی آدم رواہ ابن ناصر عن ابی ھریرۃ مرفوعاً وساقہ فی اللالی مطولا وفیہ من الکذب علی اللہ ورسولہ ما یقشعر لہ الجلد فلعن اللہ الکذابین وھو موضوع بلاشك حدیث ان النبی قال ان الصرد اول طیر صام عاشورا رواہ الخطیب عن ابی غلیظ مرفوعاً ولا یعرف فی الصحابۃ من لہ ھذا الاثر وفی اسنادہ عبد اللہ بن معویہ منکر الحدیث ورواہ الحکیم الترمذی عن ابی علیہ عن ابی ھریرہ قال الصرد اول طیر صام۔ ورواہ ابو نعیم فی الحلیۃ عن قیس بن عباد قال کانت الوحوش تصوم یوم عاشورا۔ حدیث من اکتحل بالاثمد یوم عاشورا لم یرمد ابدا رواہ الحاکم عن ابن عباس مرفوعاً فی اسنادہ جویبر قال الحاکم انا ابرء الی اللہ من عھدہ جویبر قال فی اللالی اخرجہ البیھقی فی الشعب وقال اسنادہ ضعیف بمرۃ۔ ورواہ ابن النجار فی تاریخہ من حدیث ابی ھریرہ

وفی اسنادہ اسمٰعیل بن معمر بن قیس قال فی المیزان لیس بثقہ حدیث من وسع علیٰ عیالہ یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ سائر سنتہ رواہ الطبرانی عن انس مرفوعا وفی اسنادہ الہیصم بن شداخ مجہول ورواہ العقیلی عن ابی ہریرہ قال سلیمان بن عبد اللہ مجہول والحدیث غیر محفوظ قال فی اللآلی قال الحافظ ابو الفضل العراقی فی امالیہ قد ورد من حدیث ابی ہریرۃ من طرق صحح بعضہا ابو الفضل بن ناصر وخطأہ ابن الجوزی فی الموضوعات وابن تیمیہ فی ... لہ فحکم بوضع الحدیث من تلک الطریق قال والحق ما قالاہ ص ۳۳

یعنی یہ حدیث کہ جو شخص بروز عاشورا روزہ رکھے اوسکو دس ہزار فرشتون کا ثواب ملیگا اسکو سیوطی نے لآلی مصنوعہ مین نہایت طول سے لکھاہے بروایت ابن عباس مگر یہ حدیث موضوع ہے۔

(۲) حدیث خدانے فرض کیا ایکروز کا روزہ بنی اسرائیل پر سال بھر مین وہ روز عاشورا ہے دسوین محرم کی پس تم لوگ بھی روزہ رکھو اور وسعت دو اپنی عیال پر کہ خدانے اس روز توبہ حضرت آدم قبول کیا۔ راوی اسکا ناصر ہے ابو ہریرہ سے مرفوعا۔ لآلی مصنوعہ مین یہ حدیث طولانی مذکور ہے۔ اس حدیث مین افترا کیا ہے خدا ور سول پر کہ جاہل کانپ جاتی ہے پس خدا لعنت کرے وضاعین کذابین پر کہ یہ حدیث بلا شک موضوع ہے۔

(اس سے آپ کو صحیح بخاری کی کل احادیث کی موضوعیت بخوبی معلوم ہوگی کیونکہ سب کا منشا یہی ہے کہ یہ روزہ بنی اسرائیل پر واجب تہا وہ رکھتے تھے حالانکہ اصلی توراۃ کی عبارت ہمنے پیش کردی ہے کہ کہین اوس مین روزہ کا حکم نہین ہے بلکہ غم کرنے کا حکم ہے جس سے اس روز کا روز غم ہونا زمانہ حضرت موسیٰ سے بدیہی طور پر معلوم ہوا اگر ایمان دار اہل سنت ملاحظہ کرین کہ اونہون نے توراۃ مین بھی تحریف کیا اور اس روز کو روز عید بنایا اور روزہ اس کا واجب یا مستحب قرار دیا۔)

حدیث ہی کہ حضرت نے فرمایا عمر وہ ہلا جابر ہے ... لکھا اسکو خطیب نے اپنی غلطی سے مرفوعا روایت کیا ہے حالانکہ صحابہ مین کوئی شخص ... معلوم ہوتا ہے جو اس کا راوی ہو

اور اس حدیث کے رواۃ مین عبد اللہ بن عمرو ہے جو منکر الحدیث ہے۔

اس روایت کو حکیم ترمذی نے ابی علیہ سے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ صرد اول دوا ہوا ہے ابونعیم نے حلیہ مین جبیر بن عمادہ سے روایت کیا ہے کہ وحوش بھی روزہ رکھتے تھے بروز عاشورا۔

(صحیح بخاری مین بندر بندریا کی زناکاری اور سنگساری کی بھی کہانی موجود ہے مگر افسوس اس حدیث کو بخاری نے نہین لکھا۔)

حدیث سرمہ بروز عاشورا یہ ہے کہ جو شخص اس روز سرمہ لگائے اوسکی آنکھ خوش نہ کرے اسکو حاکم نے ابن عباس سے بذریعہ جوبیر روایت کیا ہے اور کہا ہے۔ خدا پناہ دے ہم کو عہدہ جوبیر سے۔ کہا لآلی مین کہ اسکو بیہقی نے شعب الایمان مین روایت کیا ہے اور کہا اسناد اس کے ضعیف ہین۔ ابن النجار نے بھی اپنی تاریخ مین ابوہریرہ سے روایت کیا ہے جس کے اسناد مین اسمٰعیل بن معمر ہے جو بقول میزان غیر موثق ہے

حدیث۔ جو شخص وسعت دے اپنی عیال پر بروز عاشورا تو خدا اسسال بھر اوسکو وسعت دیگا طبرانی نے انس سے روایت کیا ہے مرفوعاً اس کے اسناد مین ہیصم بن شداخ مجہول ہے عقیلی نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہا سلیمان نے عبد اللہ مجہول ہے اور حدیث غیر محفوظ۔ لآلی مصنوعہ مین ہے کہا ابو الفضل نے یہ حدیث کئی طرق کا وارد ہے کہ بعض طرق سے صحیح ہے مگر اسپر تعقب کیا ہے ابن الجوزی نے موضوعات مین ابن تیمیہ نے اپنے فتوی مین دونون نے حکم بہ وضع کیا ہے اس طرق سے اور کہا کہ حق یہی ہے جو ان دونون نے کہا۔

یہ من سر سنیان اہل سنت نہین بلکہ اہل حدیث کی جنھون نے روح یزید کے خوش کرنے کا کیا سامان کیا ہے کیسی کیسی حدیثین بنائی ہین اور کیسے کیسے علمائے اون حدیثون کو اپنے مقدس کتابون مین درج کیا ہے پھر ہمین کے ان روایات کی موضوعیت مین کیا شک رہ سکتا ہے

جس مین اونھون نے رسول اللہ پر بروز عاشورا کے صوم کا اتہام دیا اور کہو کہ

تو طایرو وحوش کو بھی اس روز روزہ دار بناتے ہین۔ کیا خوب کہاہے شاعر نے ؎

یک حسینے نیست کو گردد شہید ٭ ورنہ بسیار اند در عالم یزید

غضب خدا کا فرزند رسول تو اس ظلم وستم سے شہید کیا جاے اور علماے اہل سنت اوس روز جشن عید منانے کیلئے یہ اہتمام کرین کہ ایسے ایسے وضعی حدیثین بنا مین جس پر بہ قول امام شوکانی بے اختیار لعنت اللہ علی الکاذبین زبان سے نکل آتے۔

وجوہ فضیلت عاشورا

جس واضع نے صرف قبول توبہ حضرت آدم کو بروز عاشورا بنایا ہے اوس کو شاید یہ معلوم تھا کہ عینی نے تو دس پیغمبرون کا نام لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہین الیوم الثالث لم سمی الیوم العاشر عاشوراء اختلفوا فیہ فقیل لانہ عاشر المحرم وهذا ظاهر وقیل لان اللہ تعالی اکرم فیہ عشرۃ من الانبیاء بعشر کرامات الاول موسی ع فانہ نصر فیہ وفلق البحر له وغرق فرعون وجنودہ الثانی نوح ع استوت سفینتہ علی الجودی الثالث یونس انجی فیہ من بطن الحوت الرابع فیہ تاب اللہ علی آدم قالہ عکرمۃ الخامس یوسف علیہ السلام فانہ اخرج من الجب فیہ السادس عیسی فانہ ولد فیہ وفیہ رفع السابع داود علیہ السلام فیہ تاب اللہ علیہ الثامن ابراهیم ولد فیہ التاسع یعقوب علیہ السلام فیہ رد بصرہ العاشر نبینا محمد ص فیہ غفر له ما تقدم من ذنبہ وما تأخر هكذا ذكروا عشرۃ من الانبياء وقلت ذكر بعضهم من العشرۃ ادریس فانہ رفع الی مكان من السماء وایوب فیہ كشف اللہ ضرہ وسلیمان فیہ اعطی الملك ص ۳۴۳

یعنے عاشورا کے نام مین اختلاف ہے کیون یہ نام رکھا گیا بعض لوگون نے کہا چونکہ وہ دسوین محرم ہے اس لئے عاشورا ہوا جو ظاہر ہے دوسرے یہ کہا گیا ہے کہ خدا نے چونکہ دس نبیون کو دس کرامتون سے مخصوص کیا ہے لہذا یہ عاشورا ہوا (۱) حضرت موسی کو فرعون سے نجات ملی اور وہ غرق ہوا (۲) نوح ع کی کشتی کوہ جودی پر ٹھہری (۳) حضرت یونس کو نجات ملی شکم ماہی سے (۴) حضرت آدم کا توبہ قبول کیا گیا

قابل اس کا عکرمہ (خارجی ہے) ۵۔ حضرت یوسف چاہ سے نکالے گئے (۶) عیسیٰ اسی روز پیدا ہوے اور اسی روز اوٹھائے گئے (۷) حضرت داود کا توبہ قبول ہوا (۸) حضرت ابراہیم اسی روز پیدا ہوے (۹) حضرت یعقوب کی بینائی لوٹ آئی (۱۰) حضرت محمد صلعم کی گناہان آیندہ وگزشتہ کو خدا نے بخشدیا۔ عینی کہتے ہین بعض نے اس عشرہ مین (۱۱) حضرت ادریس کو بھی ذکر کیا ہے (جو آسمان کی طرف بلند کیے گئے (۱۲) حضرت ایوب کی بیماری دفع ہوی (۱۳) حضرت سلیمان کو ملک ملا۔

غرض صرف اس وجہ سے کہ یزید کو اس روز فتح ملی اور امام حسین قتل کیے گئے یہ روز ایسا متبرک ہے کہ تمامی انبیا کو جو کچھ نعمت ملی یا اون کی بلا دفع ہوی وہ سب اسی روز۔ پھر اس سے بڑھ کر کون سا روز متبرک اور قابل عید ہو سکتا ہے۔

مگر کلام شوکانی سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ کتنی روایتین وضعی اس مین بنائی گئی ہین بعض توبہ حضرت آدم کی روایت تو بالخصوص وضعی ہے لہذا مزید تحقیقات کی ضرورت نہین کیونکہ اہل سنت نے اسی روز کے لیے خاص طور پر دعائین بھی تصنیف کی ہین جنہین المنسب واقعات کو ذکر کیا ہے اور خطبے بھی بنائے جس سے کمال درجہ کی محبت اون کی ظاہر ہے۔ کہ وہ اس روز عاشور کو کیسا متبرک سمجھتے ہین کہ اسمین سب دعائین اون کی معاذاللہ قبول ہوتی ہین۔

آخر مین ہم مولوی عبد الحی صاحب فرنگی محلی کی عبارت درج کرتے ہین تاکہ یہ رسالہ جس طرح اہل حدیث کے لیے حجت ہو گا حنفیون کے لئے بھی کہ مولوی عبدالحی صاحب کی تصنیف ہے چنانچہ مولوی صاحب ممدوح اثار مرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ مین لکھتے ہین صفحہ ۳۲

فایدہ مفیدہ قد وجدت فی کتب الاوراد والوظائف احادیث فی اعمال خاصۃ یوم عاشورا اکثرھا موضوعۃ ولاباس فی تفصیلھا فانھا مما یکثر السوال عنہ مع تنقیح ما ھی موضوعۃ وما لیست بموضوعۃ	یعنے فایدہ مفیدہ۔ بعض کتب اوراد وظایف مین چند حدیثین خاص اعمال روز عاشورا مین ہین مگر اکثر اون کی موضوع ہین اور چونکہ اس بارے مین اکثر سوال ہوتا ہے تفصیل مین مضایقہ نہین بس جاننا چاہیے

فاعلم ان احادیث الصلوة المخصوصة فی یوم عاشوراء مما ذکرها بعض المشایخ فی دفاترهم کلها موضوعة

کہ جتنی حدیثین نماز مخصوص عاشورا کے بارے مین وارد ہین بعض مشایخ نے اپنے دفاتر مین لکھا ہے موضوع ہین

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات اہل سنت نے بمزید مسرت یزید خاص روز عاشورا کے لئے صرف روزہ کی حدیثین نہین بنائی ہین بلکہ نماز اور بہت سے اعمال ترتیب دئے ہین کہ روح یزید خوش اور شادمان ہو۔ خدا ان سے سمجھے۔

پھر اون احادیث کو جو صحاح ستہ وغیرہ مین ہین دربارہ روز عاشورا لکھتے ہین۔ صفحہ ۲۲۳

واما ما هو موضوع من الاخبار الواردة فی فضل صیام عاشوراء وفضل ذلك الیوم فمنها حدیث ابن عباس مرفوعا من صام یوم عاشوراء کتب الله له عبادة ستین سنة بصیامها وقیامها ومن قام یوم عاشوراء اعطی ثواب عشرة آلاف ملك ومن صام یوم عاشوراء اعطی ثواب عشرة آلاف شهید ومن صام یوم عاشوراء کتب الله له اجر سبع سموات ومن افطر عنده مؤمن فی یوم عاشوراء فكانما اطعم جمیع فقراء امة محمد واشبع بطونهم ومن مسح علی راس یتیم رفعت له بكل شعرة علی راسه درجة فی الجنة فقال عمر یا رسول الله لقد فضلنا الله یوم عاشوراء قال نعم خلق الله السموات یوم عاشوراء والا

یعنے رہی وہ حدیثین جو اس بارہ مین وضعی ہین وہ حسب ذیل ہین (۱) حدیث ابن عباس کہ روزہ عاشورا پر ساٹھ برس کے صیام وقیام کا ثواب ملیگا (۲) جو شخص روزہ رکھے اوسکو دس ہزار فرشتہ ۱۰ ہزار شہید ساتون آسمان کا اجر لکھا جاے گا اور جو اس روز افطار کراے کسی مومن کو تو گویا اوسنے جمیع فقراء امت محمد کو اطعام کیا اور اونکی شکم کو بھر دیا اور جو شخص کسی یتیم کے سرپر مسح کرے تو ہر بال کے عوض مین اوسکا درجہ بلند ہوگا جنت مین عمر نے کہا یا حضرت خدا نے ہمکو بڑی فضیلت دی بوجہ عاشورا تو حضرت نے فرمایا خدا نے اس روز نو آسمانون کو پیدا کیا

کمثله وخلق القلم یوم عاشوراء واللوح مثله
وخلق جبرئیل یوم عاشوراء وملائکته
یوم عاشوراء وخلق آدم یوم عاشوراء و
غفر ذنب داود یوم عاشوراء واعطی
سلیمان یوم عاشوراء وولد النبی صلی الله
علیه وسلم یوم عاشوراء واستوی الرب
علی العرش یوم عاشوراء ویوم القیامة یوم
عاشوراء اخرجه ابن الجوزی بسند فیه
حبیب ابن حبیب وقال موضوع آفته حبیب
انتهی واقره علیه السیوطی وابن عراق و
الحافظ ابن حجر وغیرهم وفی میزان الاعتدال
للذهبی حبیب ابن ابی حبیب الخرططی المروزی
عن ابراهیم الصائغ وغیره کان یضع الحدیث
قاله ابن حبان وغیره روی محمد بن قهزاد
عن حبیب عن ابراهیم عن میمون بن مهران
عن ابن عباس مرفوعا من صام یوم عاشوراء
کتب الله له عبادة سبعین سنة واعطی
ثواب عشرة آلاف ملك وثواب سبع سموات
ومن افطر عنده مؤمن یوم عاشوراء فکانما
افطر عنده جمیع امة محمد ومن اشبع جائعا
فی یوم عاشوراء فکانما اطعم جمیع فقراء الامة
ومن مسح راس یتیم یوم عاشوراء رفعت له
بکل شعرة درجة فی الجنة وذکر حدیثا طویلا

اور زمین کو۔ لوح وقلم۔ جبرئیل اور
ملایکہ سب بروز عاشورا پیدا ہو
حضرت آدم کی پیدایش اور غفران
ذنب داؤد سب بروز عاشورا
ہوا۔ رسول اللہ بھی بروز عاشورا
متولد ہوے اور خدا اپنے عرش
پر عاشورہی کو جمے اور قیامت
بھی بروز عاشورا ہوگی۔
ابن الجوزی نے اس کو بسند حبیب
ابن حبیب روایت کیا ہے اور کہا
ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے
آفت اس کی حبیب ابن حبیب
سے ہے۔ سیوطی۔ ابن عراق
حافظ ابن حجر نے بھی اس کا اقرار
کیا ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے
کہ حبیب ابن حبیب خرططی مروزی
ابراہیم صایغ وغیرہ سے روایت
کرتا ہے اور حدیث بناتا ہے ابن
حبان وغیرہ نے بھی لکھا ہے
محمد بن قہزاد نے حبیب سے اور
ابراہیم سے میمون بن مہران
سے ابن عباس سے ایک طولانی
روایت کی ہے جو اصل عبارت

موضوع وفیه ان الله خلق العرش یوم
عاشوراء والکرسی یوم عاشوراء والقلم یوم
عاشوراء وخلق الجنة یوم عاشوراء و
اسکن آدم الجنة یوم عاشوراء الی ان
قال وولد النبی صلی الله علیه وسلم یوم
عاشوراء واستوی الله علی العرش یوم
عاشوراء ویوم القیامة یوم عاشوراء فانظر
الی هذه الافک انتهی - پہر لکہتے ہین
واما هذه الاحادیث الطول التی ذکر
فیها کثیر من الوقایع العظیمة الماضیة و
المستقبلة انها فی یوم عاشوراء فلا اصل
لها وان ذکرها کثیر من ارباب السلوك
والتاریخ فی توالیفهم ومنهم الفقیه ابو
اللیث ذکر فی تنبیه الغافلین حدیثا
طویلا فی ذلك وکذا ذکر فی بستانه
فلا تغتر بذکرهم لان العبرة فی هذا
الباب لنقد الرجال لا لمجرد ذکر الرجال و
منها حدیث ابی هریرة مرفوعا ان الله
افترض علی بنی اسرائیل صوما فی السنة و
هو یوم عاشوراء وهو الیوم العاشر من
المحرم وصوموه ووسعوا فیه علی اهلیکم فانه من وسع
علی اهله من ماله یوم عاشوراء اوسع الله
علیه سائر سنته فصوموه فانه الیوم الذی

مین مذکور ہے اوسکے بعد لکہتے
ہین فانظر الی هذه الافک یعنی
اس جہوٹ بہتان کو دیکہو پہر لکہتے ہین
یہ طولانی حدیثین جس مین اکثر
وقائع عظیمہ ماضیہ ومستقبلہ کو
لکہتے ہین کہ یہ سب روز عاشورا
ہوئے ان کی کوئی اصل نہین
ہے اگرچہ اسکو ارباب سلوک و
تواریخ نے اپنی تالیفات مین
لکہا ہے جس مین سے فقیہ
ابو اللیث ہین جنہون نے تنبیہ
الغافلین مین ایک طولانی حدیث
اس بارے مین لکہی ہے اسی
طرح اپنی بستان مین بہی لکہا ہے
تو ان لوگون کی تحریر سے دہوکہا
نہ کہا کہ اصل امر اس بارہ مین
نقد الرجال ہے نہ بڑے بڑے
علما کا لکہدینا۔

حدیث ابوہریرہ ہے کہ خدا نے
بنی اسرائیل پر سال بہر مین ایک
روز روزہ واجب کیا تہا اور
وہ روز عاشورا تہا اس لئے
اپنی عیال پر وسعت دینا چاہئے

تاب الله فيه على آدم وهو اليوم الذي
رفع الله فيه ادريس مكانا عليا وهو اليوم
الذي نجى الله فيه ابراهيم من النار و
هو اليوم الذي اخرج فيه نوحا من السفينة
وهو اليوم الذي انزل الله فيه التوراة
على موسى وفيه فدى اسمعيل من الذبح
وهو اليوم الذي اخرج الله فيه يوسف
من السجن وهو اليوم الذي رد الله على
يعقوب بصره وهو اليوم الذي كشف
الله فيه البلاء عن ايوب وهو اليوم
الذي اخرج الله فيه يونس من بطن الحوت
وهو اليوم الذي فلق الله فيه البحر لبني
اسرائيل وهو اليوم الذي غفر الله
فيه لمحمد ذنبه ما تقدم منه وما تاخر
وفي هذا اليوم عبر موسى البحر وفي
هذا اليوم انزل الله التوبة على قوم
يونس فمن صام هذا اليوم كان له كفارة
اربعين سنة وهو اول يوم خلق الله
من الدنيا واول مطر نزل من السماء
يوم عاشوراء فمن صام يوم عاشوراء
صام الدهر كله وهو صوم الانبياء
ومن احيى ليلة عاشوراء فكانما عبد الله
مثل عبادة اهل السموات السبع ومن

کیونکہ جو شخص اسمین وسعت دیگا اپنی
عیال پر اپنے مال سے تو خدا سال بھر
تک وسعت دیگا پس اسروز روزہ
رکھو کہ خدا نے اس روز توبہ آدم کو
قبول کیا - اسی روز خدا نے حضرت
ادریس کو آسمان کی طرف بلند کیا
ابراہیم کو اسی روز نجاۃ ملی نار
سے - نوح اسی روز اپنی کشتی سے
نکلے - اسی روز خدا نے توراۃ کو
نازل کیا اسی روز حضرت اسمعیل
کے لئے فدیہ آیا جس سے ذبح سے
بچگئے - اسی روز حضرت یوسف قید
سے رہا ہوے - اسی روز حضرت
یعقوب کی بینائی لوٹ آئی اسیروز
بلاے حضرت ایوب دفع ہوی اسی
روز حضرت یونس کو بطن ماہی سے
نجات ملی - اسی روز خدا نے دریا
کو شگافتہ کیا بنی اسرائیل کیلیے
اسی روز خدا نے رسول اللہ کے
گناہوں کو بخشا - اسی روز حضرت
موسی نے بحر سے عبور کیا اسی روز
توبہ قوم حضرت یونس قبول ہوا تو
جو شخص اس روز روزہ رکھی کفارہ

صلی فیه اربع رکعات یقرء فی کل رکعة
بالحمد مرة وقل هو الله احد غفر الله له
ذنوب خمسین عاما ماضیة وخمسین عاما
مستقبلة وبنی له فی الملاء الاعلی الف
منبر من نور ومن سقی شربة من ماء
فکانما لم یعص الله طرفة عین ومن اشبع
اهل بیت مساکین یوم عاشوراء مر علی
الصراط کالبرق الخاطف ومن تصدق
بصدقة فکانما لم یرد سایلا قط ومن
اغتسل یوم عاشوراء لم یمرض الا مرض الموت
ومن اکتحل یوم عاشوراء لم ترمد عینه
تلك السنة کلها ومن امر یده علی
راس یتیم فکانما امر یده علی یتامی
ولد ادم کلهم ومن عاد مریضا یوم
عاشوراء فکانما عاد مرضی ولد ادم کلهم
اخرجه ابن الجوزی وقال رجاله ثقات
والظاهر ان بعض المتاخرین وضعه
ورکبه علی هذا الاسناد وقال ابن عراق
قلت قال الذهبی ادخل علی ابی طالب محمد
بن احمد العشاری احادیث فحدث
به بسلامة باطن وفی سنده کذابون
النجاد وقد عزا خرجه وجوز الخطیب ان

ہوگا ۴۰ برس کا یہ وہ روز ہے جسے
خدا نے دنیا میں پیدا کیا اور باران
نازل ہوا اسی روز عاشورا کو تو جو
شخص اس روز روزہ رکھے اوس
نے گویا تمام عمر روزہ رکھا۔ یہ روز
انبیا کے روزہ رکھنے کا ہے جسنے اوس شب
کو عبادت کی بہ بیداری دوس نے
گویا عبادت کی اہل سموات کے
برابر۔ جسنے چار رکعت نماز پڑہی
کہ ہر ہر رکعت میں یک بار حمد پڑھے
اور قل ہو اللہ تو خدا اوس کے
پچاس برس کے گناہوں کو بخش
دیگا گذشتہ اور ۵۰ برس آیندہ
اور ملا اعلیٰ میں اوسکے لئے
ہزار منبر نور کا بنا یگا جو ایک بار
پانی پلاے تو گویا اوسنے کبھی معصیۃ
خدا ہی نہ کی چشم زدن برابر اور جو
ایک خاندان کو مسکینوں کے سیر
کرے گا بروز عاشور تو وہ صراط
پر مثل برق خاطف گزریگا اور
جو تصدق کرے تو گویا اوس نے
کسی سایل کو کبھی محروم ہی نہیں
رکہا۔ جو اس روز غسل کرے گا وہ

مما ادخل علیہ النقیہ - ص ۳۲۶ || وہ کبھی بیماری نہ ہوگا الا مرض الموت

مین جو شخص بروز عاشورا سرمہ لگائیگا تو پھر کبھی سال بھر تک اوسکی آنکھ ہی نہ جوش کریگی۔ جو شخص کسی یتیم کے سیر ہات پھیرگیا گویا اوس نے تمام اولاد آدم کے یتیمونکے سرون پر ہاتھ پھیرا اور جو شخص اسروز کسی مریض کی عیادت کرے تو گویا اوس نے تمامی فرزندان آدم کے عیادت کی۔

اس روایت کو ابن الجوزی نے تخریج کیا ہے اور کہا کہ رجال اسکے ثقاۃ ہین اور ظاہر یہ ہے کہ بعض متاخرین نے اسکو وضع کیا ہے اور اس ترتیب سے رواۃ اوس کے رکھے - ابن عراق نے کہا کہ ذہبی نے کہا کہ ابو طالب محمد بن احمد عشاری پر بعض رواۃ نے اوس کے داخل کردیا جس نے بلا مہابلہ اس روایت کی حدیث بیان کی اسکی سند مین ابو بکر نجار ہے جو آخر عمر مین اندھا ہو گیا تھا خطیب نے یہ تجویز کیا ہے کہ اوسپر کچھ داخل کیا گیا ہو جس مین یہ بھی داخل کیا گیا ہے۔

مین کہتا ہون کہ اس تحقیقات سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ علماے اہل سنت کیسے کیسے چالاک گزرے ہین کہ ایسی ایسی روایتین بنائین جس مین کوئی قدح نہین ہوسکتی ہین کیونکہ ابن الجوزی نے آخر صاف کہدیا کہ بعض متاخرین نے اس طرح اس حدیث کو بنایا کہ راوی اس کے کل ثقہ لوگ قرار دئے گئے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس قاعدہ سے صحیحین کی حدیثین وضع نہین بنائی جاتین جو صرف اسوجہ سے یہ حدیثین مان کی جاتی ہین کہ درج صحیح بخاری ہین۔

مولوی عبد الحی صاحب لکھتے ہین۔ ص ۳۲۶

ومن الاحادیث الواردۃ فی یوم عاشورا احادیث فضل الاکتحال فیہ وھی لا تخلو عن ضعف شدید بل ھی موضوعۃ واحادیث التوسعۃ علی العیال وقد حکم علیھا ابن الجوزی وابن تیمیہ فی منہاج	بھی احادیث سے وہ حدیثین بھی ہین جنمین ذکر ہے سرمہ لگانے کا بروز عاشورا یہ حدیثین ضعف سے خالی نہین بلکہ سب موضوع ہین۔ رہی وہ حدیثین جو دربارہ توسیع علی العیال ہے ذکر کرکے

السنة وغيرهما ممن حذى حذوهما بالوضع
وقد تعقب كثير من المحققين في لهم و
اثبتوا انها حسنة قابلة للاحتجاج و
العمل بها و مع ذلك فهو مجرب ايضا
فاخرج الحاكم في مستدركه ومن طريقه
ابن الجوزي بسنده الى جويبر عن
الضحاك عن ابن عباس مرفوعا من
اكتحل بالاثمد يوم عاشوراء لم يرمد ابدا
قال الحاكم انا ابرء الى الله من عهدة
جويبر انتهى وفي ميزان الاعتدال جويبر
ابن سعيد ابو القاسم الازدي المفسر
البلخي صاحب الضحاك قال ابن معين
ليس بشيء وقال الجوزجاني لا يشتغل
به وقال النسائي والدارقطني وغيرهما
متروك الحديث قلت له عن انس
شيء روى عنه حماد بن زيد وابن
المبارك ويزيد ابن هارون وطائفة
ابو مالك عن جويبر عن الضحاك عن ابن
عباس مرفوعا قال يجب الصلوة على الغلام
اذا عقل والصوم اذا اطاق ويروى
عن جويبر عن الضحاك عن ابن عباس
حديث من اكتحل بالاثمد يوم عاشوراء لم يرمد
ابدا قال ابو قدامة السرخسي قال يحيى

بالون کو وسعت دینا چاہیے) تو اگرچہ
ابن الجوزی و ابن تیمیہ نے اون کو
موضوع کہا ہے منہاج السنۃ مین
اور دوسرے علمانے بھی مگر بہت سے
لوگون نے تعقب کیا ہے اور ثابت
کیا ہے کہ وہ حدیثین حسن ہین (درجہ صحیح
سے گری ہوئی) جو قابل احتجاج و
عمل ہے اور مع ذلک مجرب ہے۔
(۱) حاکم نے مستدرک مین اور اسی طریق
سے ابن الجوزی نے جویبر سے ضحاک
سے ابن عباس سے روایت کی ہے
کہ جو شخص سرمہ لگائے بروز عاشورا
کبھی اوسکو جوش چشم نہ ہوگا کہا حاکم
نے ہم بری ہین عہدہ جویبر سے۔
میزان الاعتدال مین ہے کہ جویبر بن
ابو القاسم ازدی مفسر بلخی صاحب
ضحاک۔ کہا ابن معین نے وہ کوئی
چیز نہین ہے۔ کہا جوزقانی نے اوسمین
اشتغال نہ کرنا چاہیے۔ نسائی و دار
قطنی اوسکو متروک الحدیث کہتے ہین
ذہبی کہتے ہین کہ اسکی روایت انس
سے بھی ہے۔ حماد بن زید و ابن المبارک
یزید بن ہارون اور ایک طائفہ راوی ہین

القطان تساهلوا فی اخذ التفسیر عن القوم
لا توثقوهم فی الحدیث ثم ذکر لیث بن ابی سلیم
وجویبرا والضحاک ومحمد بن ابی السائب
وقال هولاء لا یحمد حدیثهم ویکتب التفسیر
عنهم انتهی واخرج البیهقی حدیث الکحل من
طریق الحاکم وقال سنده ضعیف بمرة و
کذلک رواه بشر بن احمد بن بشر
النیسابوری عن عمه الحسین بن بشر ولم
ار ذلک فی روایة غیره عن جویبر وجویبر
ضعیف والضحاک لم یلق ابن عباس انتهی
واخرجه ابن النجار فی تاریخه من حدیث
ابی هریرة بلفظ من اکتحل یوم عاشورا باثمد
فیه مسک عوفی من الرمد وفی سنده
اسماعیل بن معمر قال الذهبی فی المیزان
لیس بثقة انتهی وقال ابن عراق فی تنزیه
الشریعة وجاء من حدیث سلمان رایت
بخط ابی العلامة ابی الفتح المراغی منسوبا
الی تخریج الحافظ السلفی وفی سنده محمد
بن عبد الرحمن ضعیف وفی الجزء المسمی
بالغنی عن الحافظ والکتاب بقولهم لم یصح
شئی فی هذا الباب للحافظ ابی حفص
بن بدر الموصلی ما نصه الاکتحال یوم

راوی ہین۔ ابو مالک جویبر ابن عباس
سے مرفوعا روایت کرتے ہین کہ واجب
ہے نماز لڑکے پر جب وہ عاقل ہو اور
روزہ جب اوسکو طاقت آجاوے
جویبر سے روایت ہے کہ جو شخص سرمہ
لگائے بروز عاشورا اوسکی آنکھین
کبہی خوش نہ کرینگی۔ کہا ابو قدامہ سرخسی
نے کہ کہ یحیی بن قطان نے
کہا مساہلہ کرو روایت مین اوس
قوم سے جن پر تم کو وثوق نہ ہو
حدیث مین۔ پہر ذکر کیا لیث بن
ابی سلیم وجویبر وضحاک
ومحمد بن ثابت کو اور کہا ان کی
حدیثین قابل وثوق نہین ہین مگر
تفسیر اون سے لی جاوے گی۔
(۲) بیہقی نے سرمہ والی حدیث کو
طریق حاکم سے نقل کیا ہے اور کہا سند
اوسکی نہایت ہی ضعیف ہی اسیطرح
بشیر بن احمد بن بشیر نیشاپوری نے
بہی اپنے چچا حسن بن بشیر سے روایت
کی ہے مگر مینے کسی روایت مین بجز
جویبر کے نہ پایا اور جویبر ضعیف ہ

يوم عاشوراء لم يرد فيه شيء عن النبي
صلى الله عليه وسلم وهي بدعة ابتدعها
قتلة الحسين انتهى وفي بعض كتب الحنفية
ما نصه يكره الكحل يوم عاشوراء لان يزيد
او ابن زياد اكتحل بدم الحسين وقيل
بالاثمد لتقر عينه بقتل الحسين انتهى
كلام ابن عراق وفي الصواعق المحرقة في الرد
على اهل البدع والزندقة لابن حجر المكي
اعلم ان ما اصيب به الحسين رضي الله
عنه في يوم عاشوراء انما هو الشهادة
الدالة على مزيد حظوته ورفعته ودرجته
عند الله والحاقه بدرجات اهل بيته
فمن ذكر ذلك اليوم مصابه لم ينبغ ان
يشتغل الا بالاسترجاع امتثالا للامر واحرازا
لما رتبه تعالى عليه بقوله اولئك عليهم
صلوات من ربهم ورحمة واولئك
هم المهتدون ولا يشتغل ذلك اليوم
الا بذلك ونحوه من عظائم الطاعات
كالصوم واياه ان يشتغل ببدع الرافضة
ونحوهم من الندب والنياحة والحزن
اذ ليس ذلك من اخلاق المؤمنين والا
لكان يوم وفاته صلى الله عليه اولى بذلك
واحرى او ببدع الناصبة المتعصبين

ضحاک ہے اور ابن عباس سے ملاقات
نہین ہوی۔
(۳) ابن النجار نے اپنی تاریخ مین حدیث
ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ جو شخص
لگاے بروز عاشورا اوس سرمہ سے
جس مین مشک ہو تو وہ عافیت پائیگا
رد ہے اس مین اسمٰعیل بن عمر ہے
جس کے بنسبت ذہبی کہتے ہین وہ
موثوق نہین ہے۔
(۴) کہا ابن عراق نے تنزیہ الشریعۃ مین
کہ حدیث سلمان سے آیا ہے جس کو بخط
علامہ ابوالفتح خزاعی مین دیکھا اور وہ
منسوب ہے طرف تخریج حافظ سلفی کے
اوس کی سند مین محمد بن عبدالرحمان
ہے جو ضعیف ہے۔
(۵) جزء مسمی بالنہی عن الحافظ والکتاب
مین ہے کہ اس بارے مین کوئی حدیث
صحیح نہین آئی چنانچہ حافظ ابو حفص بن
بدر موصلی کہتے ہین کہ روز عاشورا کے
سرمہ لگانے کے بارہ مین کوئی حدیث
رسول اللہ صلعم سے نہین آئی بلکہ اس بدعت
کو جاری کیا ہے قاتلان امام حسین نے
(۶) بعض کتب حنفیہ مین ہے کہ مکروہ ہے

على اهلبيت او الجهال المقابلين الفاسد
بالفاسد والبدعة بالبدعة والشر بالشر
من اظهار غاية الفرح والسرور واتخاذه
عيدا واظهار الزينة فيه كالخضاب و
الاكتحال ولبس جديد الثياب وتوسيع
النفقات وطبخ الاطعمة والحبوب الخارجة
عن العادات واعتقادهم ان ذلك من
السنة والمعتاد والسنة ترك ذلك
كله فانه لم يرد فى ذلك شئ يعتمد عليه
ولا اثر صحيح يرجع اليه وقد سئل بعض
ائمة الحديث والفقه عن الكحل والغسل
والحناء وطبخ الحبوب ولبس الجديد و
اظهار السرور يوم عاشورا فقال لم يرد
فيه حديث صحيح ولا استحبه احد من
ائمة المسلمين لا من الاربعة ولا من غيرهم
ولم يرد فى الكتب المعتمدة فى ذلك صحيح
ولا ضعيف وما قيل من ان من اكتحل يوم
لم يرمد ذلك العام ومن اغتسل لم يمرض
كذلك ومن وسع على عياله فيه وسع
الله عليه سائر السنة وامثال ذلك
من فضل الصلوة فيه وانه توبة آدم واستواء
السفينة على الجودى وانجاء ابراهيم من
النار وفداء الذبيح من الكبش ورد يوسف

سرمہ لگانا بروز عاشورا کیونکہ یزید اور
ابن زیاد نے خون امام حسین سے سرمہ
لگایا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ ان دونو
نے سرمہ لگایا تھا اس غرض سے
کہ امام حسین کے قتل سے انکی آنکھیں
ٹھنڈی ہون۔

(۷) صواعق محرقہ مین ہے کہ جو مصیبت
امام حسین پر بروز عاشورا واقع ہوگئی
یہ وہی شہادت ہے جو حضرت کی
جلالت قدر وعظمت مرتبہ پر دال
ہے اور آپ لحق ہوی اہل بیت کے
ساتھ تو جو شخص اسروز مصیبت امام
کو ذکر کرے اوس کو انا للہ وانا الیہ
راجعون کہنا چاہئے۔ تاکہ وہ مرتبہ
حاصل ہو جو خدا نے کہا ہے اولئک
علیہم صلوات من ربہم ورحمۃ واولئک
ہم المہتدون اور اس روز ایسی ہی
کام کرنا چاہیے یا جو مثل اسکے اعظم
طاعات سے ہو مثل صوم کے اور ہرگز
نہ مشغول ہونا چاہیے روافض کی
بدعتون مین جو وہ اسروز ندبہ کرتے
ہین اور نوحہ اور حزن کہ یہ سب اخلاق
مومنین سے نہیں ہے ورنہ روز وفات

على يعقوب فكل ذلك موضوع الاحاديث التوسعة على العيال لكن في سنده من تكلم فيه فصار هؤلاء لجهلهم يتخذونه موسما واولئك لرفضهم يتخذونه ماتما وكلاهما مخطئ مخالف للسنة كذا ذكر جميع بعض الحفاظ وقد صرح الحاكم بان الاكتحال يوم بدعة مع رواية خبر من اكتحل بالاثمد يوم عاشوراء لم ترمد عينه ابدا لكنه قال انه منكر ومن ثم اورده ابن الجوزي في الموضوعات من طريق الحاكم ونقل المجد اللغوي عن الحاكم ان سائر الاحاديث في فضله غير الصوم وفضل الصلوة فيه والانفاق والخضاب والادهان والاكتحال وطبخ الحبوب كله موضوع ومفترى وبذلك صرح ابن القيم ايضا فقال حديث الاكتحال والادهان والتطيب يوم عاشوراء من وضع الكذابين والكلام فيمن خص يوم عاشوراء والكحل انتهى كلام ابن حجر ص ٣٢٩

رسول زیادہ اولی تہا اسکے ساتہ۔
اسیطرح بدعت نواصب مین بھی مشغول ہونا چاہئے جو اہل بیت کی عداوت مین اظہار فرح و سرور کرتے ہین اور اسکو روز عید بناتے ہین زینت کرتے ہین خضاب لگاتے ہین۔ سرمہ لگاتے ہین نیا لباس پہنتے ہین
نفقہ اہل و عیال مین وسعت دیتے ہین اقسام جدیدہ طعام پکاتے ہین اور اوس قسم کے غلے جن کی عادت نہین جاری ہے اس کو وہ سنت رسول جانتے ہین حالانکہ سنت یہ ہے کہ ان باتون کو ترک کرنا چاہئے کیونکہ اس بارے مین کوئی حدیث قابل اعتماد نہین وارد ہوئی ہے بعض ائمہ حدیث وفقہ سے سوال کیا گیا سرمہ لگانے اور غسل کرنے اور حنابندی اور طبخ حبوب (نیا غلہ پکانا) اور لباس جدید پہننے اور اظہار فرح و سرور کے لئے بروز عاشور تو جواب دیا کہ کسیطرح کی حدیث صحیح اس مین نہین آئی۔ نہ کسی امام یا ائمہ مسلمین سے اسکو مستحب جانا نہ ائمہ اربعہ نے نہ غیروں نے نہ کسی کتاب مین یہ حکم وارد ہوا ہے نہ کسی حدیث صحیح مین نہ ضعیف مین اور یہ جو کہا گیا ہے کہ جو سرمہ لگائے اس روز اوس کو رمد نہ ہوگا اور جو غسل کرے وہ مریض نہ ہوگا اور جو وسعت دے اپنے عیال پر اس روز تو خدا سال بہر وسعت دیگا

یا قبل اسکے جو حدیثین نماز کے متعلق وارد ہین یا یہ کہ خدا نے توبہ آدم کو قبول کیا یا یہ کہ حضرت نوح کی کشتی کوہ جودی پر ساکن ہوی یا حضرت ابراہیم کو اس روز آگ سے نجاۃ ملی یا فدیہ اسمعیل آیا اور حضرت یوسف اپنے باپ کو مل گے۔ یہ کل حدیثین موضوع ہین مگر حدیث توسعہ علی العیال مگر اوسمین بھی وہ شخص ہے جس کے بارے مین کلام کیا گیا ہے۔

پس ان ناصبیون نے بسبب جہالت اوسکو روز عید قرار دیا اور ان لوگون نے (روافض) اسکو ماتم قرار دیا حالانکہ دونون خاطی ہین مخالف سنیت (مگر فرق یہ ہے کہ بنابر فرض شیعون نے اس روز ماتم کیا اور نواصب و خوارج بزرگان اہل سنت نے ہزارون وضعی روایتین بھی بنائین) حاکم نے باوصفیکہ اسکی روایت کی ہے کہ سرمہ لگانا بروز عاشور موجب امن ہے رمد سے مگر تصریح کی ہے کہ یہ بدعت ہے اسیوجہ سے ابن الجوزی نے اسکو موضوعات مین داخل کیا ہے اور مجد لغوی نے حاکم سے روایت کیا ہے کہ جتنی حدیثین اس روز کی فضیلت مین ہین (بہ استثناے صوم) وہ سب موضوع ہین خواہ نماز کے فضایل مین ہون یا انفاق خضابات ادہان (تیل ملنا) سرمہ لگانا۔ دالون کا پکانا سب موضوع و مفتری ہین اسی کی تصریح کی ہے ابن القیم نے بھی۔ اور کہا کہ حدیث سرمہ یا تیل لگانے کی حدیث یا عطر کی حدیث بروز عاشورا یہ سب کذابین کی موضوعات سے ہے اسیطرح جن حدیثون مین سرمہ لگانے کی تخصیص ہے بروز عاشورا۔ تمام ہوا کلام ابن حجر جو آثار مرفوعہ مولوی عبدالحی صاحب مین منقول ہے بہ صفحہ ۳۲۹۔

اسکے بعد صفحہ ۱۳۲ مین ابن تیمیہ کا یہ قول نقل کرتے ہین۔

ما یذکرون فی فضایل عاشوراء من التوسعۃ علی العیال و فضایل المصافحۃ و الحناء و الخضاب و الاغتسال و نحو ذلک و یذکرون فیہا صلوۃ کل ذلک کذب علی رسول اللہ لم یصح فی عاشوراء الا فضل صیامہ	یعنے ابن تیمیہ کہتے ہین کہ جتنی حدیثین فضایل عاشورا مین بیان کی جاتی ہین خواہ وہ توسعہ عیال سے متعلق ہو یا فضایل مصافحہ مین یا خضاب لگانے اور غسل کرنے مین یا نماز مین جو اسمین ذکر کیگئی ہین وہ

سب جھوٹ ہے افترا ہے رسول اللہ پر بہ استثناے اون روایتون کے جنمین روزہ کے

فضایل مذکور ہین۔

مولوی عبد الحی صاحب انسب اقوال کو تسلیم کرتے ہین مگر توسعہ علی العیال مین وہ مخالف ہین مگر ہمکو اوس سے یہان بحث نہین۔ کیونکہ ان عبارتون سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ حضرات اہل سنت نے کس کس طرح عزت افزائی کی ہے قاتلان امام حسین کی خود بخاری نے یزید کی مغفرت کی حدیث رسول اللہ کے فضل سے گڑھی۔ ملاحظہ ہو اصلاح نمبر ۷ جلد ۱۲ صفحہ ۲۶

پھر روز عاشورا کو ایسا روز متبرک بنایا کہ دنیا۔ آسمان۔ زمین۔ ملایکہ سب کی پیدایش اسی روز ہوئی۔ یہان تک کہ خدا نے عرش اعظم پر جلوس نہ کیا جب تک روز عاشورا نہ آیا جتنے انبیا دنیا مین گزرے ہین اون سب سے جو بلا دفع ہوئی وہ اسی روز۔ پھر روزہ نماز۔ عید کرنے سرمہ لگانے خضاب کرنے لباس فاخرہ پہننے کے متعلق اس قدر حدیثین بنائین جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اہل سنت کو کیسی خوشی ہوئی شہادت فرزند رسول سے کہ اس قدر افترا کیا رسول اللہ پر تو اب کسکو اس مین شک ہو سکتا ہے کہ جو حدیثین صوم کی متعلق اب تک صحیحین یا صحاح ستہ مین رہگئی ہین وہ سب اونہین موضوعات سے ہین جنکو قاتلان امام حسین ؑ نے وضع کیا ہے۔

نو اڈیٹر صاحب اہلحدیث کا یہ اشتہار بھی جسمین وہ روزہ کی تاکید کرتے ہین اور ہر سال ہزارہا اشتہار اپنا ۸ر فیصدی فروخت کرتے تھے وہ سب نتیجہ اوسی ٹھیکہ داری یزید کا ہے۔ ورنہ کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ جس رسول پر یہ سانحہ گزرے کہ اوسکا فرزند اور تمام نسل طاہر اوسکی اس بے رحمی سے قتل ہو اوس روز وہ روزہ رکھے۔ کیا یہ لوگ رسول اللہ کی نسبت یہ گمان کرتے ہین کہ حضرت کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ آپ کا فرزند ارجمند اس روز شہید ہوگا اور آپ کی نالایق امت اوسکو روز عید قرار دے گی تو پھر کیونکر ممکن تھا کہ حضرت اوس روز روزہ رکھکر اسکی تعلیم کر جائین کہ یہ روز مسرت ہے۔

روایات شیعہ

اگر آپ ناراض نہ ہون تو یہان چند حدیثین ہم اہل بیت طاہرین کی بھی نقل کردین بلکہ ہم پوری عبارت کافی کلینی کی مع ترجمہ یہان لکھ دیتے ہین جس سے معلوم ہوگا کہ ائمہ اطہار اس روز کے روزہ کو کیا سمجھتے ہین ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳۹

فروع کافی حصہ اول مطبوعہ نولکشور

الحسن ابن علی الہاشمی عن محمد بن موسیٰ عن
یعقوب بن یزید عن الحسن بن علی الوشا قال
حدثنی نجبۃ بن الحارث العطار قال سالت
ابا جعفر علیہ السلام عن صوم یوم عاشورا
فقال صوم متروک بنزول شہر رمضان و
المتروک بدعۃ قال نجبۃ فسالت ابا عبد اللہ
علیہ السلام من بعد ابیہ علیہ السلام عن
ذلک فاجابنی بمثل جواب ابیہ ثم قال اما
انہ صوم ما نزل بہ کتاب و لا جرت بہ
سنۃ الا سنۃ ال زیاد بقتل الحسین بن علی
علیہما السلام عنہ عن محمد بن عیسیٰ بن عبید
قال حدثنا جعفر بن عیسیٰ اخوہ قال سالت
الرضا علیہ السلام عن صوم یوم عاشورا و
ما یقول الناس فیہ فقال عن صوم ابن
مرجانۃ تسالنی ذلک یوم صامہ الادعیاء
من ال زیاد بقتل الحسین علیہ السلام و
هو یوم یتشاءم بہ ال محمد و یتشاءم بہ
اهل الاسلام و الیوم الذی یتشاءم بہ
اهل الاسلام لا یصام و لا یتبرک بہ و یوم
الاثنین یوم نحس قبض اللہ عز و جل
فیہ نبیہ و ما اصیب ال محمد الا فی
یوم الاثنین فتشاءمنا بہ و تبرک بہ

یعنے جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے
سوال کیا کہ روز عاشورا کیا ہے فرمایا
یہ روزہ متروک ہے بسبب نزول حکم روزہ
ماہ رمضان اور جو حکم متروک ہو گیا
اوسکا عمل مین لانا بدعت ہے۔
نجبہ کہتے ہین کہ مین نے ابو عبد اللہ سے
پوچھا بعد وفات آپ کے پدر بزرگوار
کے تو یہی جواب آپنے بھی دیا۔
اور فرمایا یہ وہ روزہ ہے کہ نہ اس
بارے مین کتاب نازل ہوئی نہ سنت
جاری ہوئی مگر سنت آل زیاد بوجہ
قتل امام حسین ع۔
(۲) محمد بن عیسیٰ بن عبید کی حدیث
ہے کہ جناب امام رضا علیہ السلام سے
دربارہ صوم عاشورا سوال کیا اور جو
کچھ لوگ کہتے ہین تو حضرت نے فرمایا
تو پوچھتا ہے روزہ بنی مرجانہ کو پوچھتا ہے
یہ وہ روزہ ہی کہ حرامزادگان آل
زیاد نے اوس روز روزہ رکھا بوجہ
قتل امام حسین ع کے۔ اس روز کو
منحوس جانتے ہین آل محمد اور تمامی
اہل اسلام نہ اوس روز روزہ رکھنا

۲ سن و ما ورد فی یوم عاشورا

قتل الحسین علیہ السلام وتبرک
بہ ابن مرجانۃ وتشام بہ آل محمد صلی اللہ
علیہ وآلہ فمن صامہما او تبرک بہما لقی اللہ
تبارک وتعالی ممسوخ القلب وکان حشرہ
مع الذین سنوا صومہما والتبرک بہما
وعنہ عن محمد بن عیسی قال حدثنا محمد
بن ابی عمیر عن زید النرسی قال سمعت
عبید بن زرارۃ یسال ابا عبد اللہ ع
عن صوم یوم عاشوراء فقال من صامہ
کان حظہ من صیام ذلک الیوم حظ ابن
مرجانۃ وآل زیاد قال قلت وما کان حظہم
من ذلک الیوم قال النار اعاذنا اللہ من
النار ومن عمل یقرب من النار وعنہ عن
محمد بن الحسین عن محمد بن سنان عن
ابان عن عبد الملک قال سالت ابا عبد اللہ
علیہ السلام عن صوم تاسوعا وعاشورا
من شہر المحرم فقال تاسوعا یوم حوصر
فیہ الحسین علیہ السلام واصحابہ
رضی اللہ عنہم بکربلا واجتمع علیہ خیل
اہل الشام واناخوا علیہ وفرح ابن مرجانۃ
وعمر بن سعد بتوافر الخیل وکثرتہا
واستضعفوا فیہ الحسین علیہ السلام و
اصحابہ کرم اللہ وجوہہم وایقنوا ان لا

چاہیئے نہ اسکو متبرک سمجھنا چاہیے اور روز
دوشنبہ روز نحس ہے جسمین رسول اللہ نے
انتقال کیا۔ آل محمد پر جو مصیبت نازل
ہوئی تھی اسی روز۔ اسی وجہ سے آل محمد
اسکو منحوس جانتے ہین اور ہمارے
دشمن اوسکو روز برکت روز عاشورا
وہ روز ہے جس روز امام حسین ع
شہید ہوے اور متبرک سمجھا اس کو
ابن مرجانہ نے اور منحوس سمجھا اسکو
آل محمد نے۔ پس جو شخص ان دونون
روز روزہ رکھے یا اسکو متبرک جانے
تو خدا اسے ممسوخ القلب ملاقات
کرے گا اور اوس کا حشر اون
لوگون کے ساتھ ہو گا جنھون نے
اس روز روزہ رکھنے اور متبرک
جاننے کی بدعت جاری کی۔
(۳) محمد بن عیسیٰ نے حدیث کی کہ عبید
بن زرارہ کو سنا کہ حضرت امام جعفر
صادق ع سے سوال کیا روزہ عاشورا
سے تو حضرت نے فرمایا جو شخص اس
روز روزہ رکھے گا تو اوسکو بھی وہی
حاصل ہو گا جو ابن مرجانہ اور آل زیاد
کا حظ تھا۔ مین نے عرض کیا اون کا

یا بی الحسین علیہ السلام ناصر ولا معینہ
اهل العراق بابی المستضعف الغریب
ثم قال واما یوم عاشورا فیوم اصیب
فیہ الحسین علیہ السلام صریعا بین
اصحابہ واصحابہ صرعی حولہ افصوم یکون
فی ذلک الیوم کلا ورب البیت الحرام ما
هو یوم صوم وما هو الا یوم حزن ومصیبۃ
دخلت علی اهل السماء واهل الارض وجمیع
المؤمنین ویوم فرح وسرور لابن مرجانۃ و
آل زیاد واهل الشام غضب اللہ علیهم
وعلی ذریاتهم وذلک یوم بکت جمیع بقاع
الارض خلا بقعۃ الشام فمن صامہ او تبرک
بہ حشرہ اللہ مع آل زیاد ممسوخ القلب
مسخوط علیہ ومن ادخر الی منزلہ ذخیرۃ
اعقبہ اللہ تعالی نفاقا فی قلبہ الی یوم
یلقاہ وانتزع البرکۃ عنہ وعن اهل بیتہ
وولدہ وشارکہ الشیطان فی جمیع ذلک

اس روز میں کیا حصہ تھا فرمایا آتش
جہنم خدا ہم سب کو آتش جہنم سے اور
اوس عمل سے محفوظ رکھے جو آتش
جہنم سے قریب کرے۔

(۴۴) محمد بن الحسین روایت کرتے ہیں
امام جعفر صادق ع سے کہ صوم تاسوعا
و عاشورا ۹ و ۱۰ محرم سے سوال کیا
گیا تو آپ نے فرمایا نویں محرم وہ
روز ہے کہ امام حسین کا اوس روز
محاصرہ کر لیا گیا اور آپ کے اصحاب
کا کربلا میں اور لشکر اہل شام نے آپ
پر ہجوم کیا اور خوش ہوا ابن مرجانہ
و عمر بن سعد اپنے لشکر کی کثرت اور
توافر سے۔ ان لوگوں نے ضعیف سمجھ
لیا حضرت امام حسین کو اور آپکی اصحاب
کو اور یقین کر لیا کہ بظاہر امام حسینؑ کا
نہ کوئی ناصر آئیگا نہ کوئی اہل عراق
آپ کی مدد کریں گے ہمارے ماں باپ فدا ہوں اوس امام مظلوم و غریب پر۔
لیکن روز عاشورا وہ روز ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام شہید کیے گئے
آپ اپنے اصحاب کے درمیان میں کشتہ پڑے تھے اور آپ کی اصحاب آپ کے گرد
کشتہ ہو کر پڑے تھے پھر کیا اس روز کوئی روزہ رکھ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں قسم صاحب
خانہ کعبہ کی یہ روزہ کا روز نہیں ہے بلکہ وہ روز حزن و مصیبت ہے جو اہل آسمان
و زمین و جمیع مومنین پر نازل ہوئی اور روز فرح و سرور ہے ابن مرجانہ و آل زیاد

داہل شام کے لئے جنپر خدا کا غضب نازل ہوا اور اون کی ذریات پر اور یہ عادورہے کہ تمامی بقعہ ہاے زمین اس روز گریان ہوئین بہ استثناے بقعہ شام ہ جس شخص نے اس روز روزہ رکھا یا برکت لی اس روز توخدا اوس کو حشر کرے گا آل زیاد کیساتھ ممسوخ القلب مسخوط علیہ (جنپر خدا غضبناک ہوا) جسنے اوس روز ذخیرہ کیا اپنی گھرمین توخدا اوس کے دل مین نفاق ڈالیگا روز قیامت تک اور برکت اوسکی سلب کریگا اوس سے اور اوس کے خاندان و اولاد سے اور شرکت کرے گا شیطان اوسکی ہرامر مین -"

یہ حدیثین ہمنے صرف کتاب مستطاب کافی کلینی سے لکھی ہین جس کے مصنف علام محمد بن یعقوب کلینی رحمہ اللہ کو صاحب جامع الاصول نے مجددین مائہ ثالثہ سے قبول کیا ہے -

ہم یہ نہین کہتے کہ اہل سنت ان حدیثون پر ایمان لائین اگرچہ رسول اللہ کا یہی حکم ہے انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی - مگر یہ تو ضرور معلوم ہوا کہ اہلبیت اطہار اس روز کو کیسا سمجہتے تھے -

پہلی حدیث مین جو حضرت نے فرمایا ہے کہ یہ صوم متروک ہے تو غالباً بنابر تسلیم روایات مخالفین ہے کہ اگر ہم مان بھی لین کہ حضرت نے اسروز بھی روزہ رکھا تھا تو بسبب نزول حکم روزہ ماہ رمضان وہ روزہ متروک ہوگیا اور متروک پر عمل کرنا بدعت ہے مگر اہل سنت اسپر کیون ایمان لانے لگے - مگر افسوس یہ خیال اونکا صرف اسی روزہ عاشور کی نسبت ہے ورنہ اگر کہا جاے کہ اسیطرح جن آیات قرآنی کو تم منسوخ التلاوۃ سمجہتے ہو اون کی بھی تلاوت کرو تو کافر کہینگے اور جان مارنے پر تیار ہوجاینگے تو اسکی وجہ بجز ناصبیت اور کیا ہوسکتی ہے کہ آیات منسوخ التلاوت کی قرات سے تو انسان کافر ہوجاے اور منسوخ الحکم روزہ سنت قرار دیا جاے -

اب ایڈیٹر صاحب اہلحدیث غور فرمائین کہ آپ کا یہ فرمانا "دس محرم مین صرف ایک یا دو روزہ رکھنا ایک مذہبی کام ہے" کہان تک درست ہے - کیونکہ نہ صرف احادیث ائمہ اطہار سے اس کا بدعت ہونا معلوم ہے بلکہ خود احادیث اہل سنت سے معلوم ہوا کہ کل روایتین ہوخصوص قاتلان امام حسین ہ سے ہے جو محض یزید کی طرفداری مین وضع کیگئی ہین پھر نہ معلوم آپ متبع

رسول ہوے یا پیرو سنت یزید و قاتلان امام حسین علیہ السلام۔

اس کے بعد جو آپ لکھتے ہین وہ اس کے علاوہ تعزیہ داری وغیرہ جو مسلمانون نے جاری کرر کہا ہے سب فضول بدعت اور گناہ کے کام ہین“

تو نہ معلوم یہ حکم کہان سے نکالا گیا قرآن سے یا حدیث سے کیونکہ خدا فرماتا ہے ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الهدیٰ و یتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی و نصلہ جہنم و ساءت مصیرا یعنی جو مخالفت کرے رسول کی بعد اس کے کہ ہدایت ظاہر ہوی اور پیروی کرے غیر سبیل مومنین کی تو ہم اوس کو اودہر ہی چلنے دین گے اور جہنم مین داخل کرین گے اور وہ بری بلا گشت ہے جس سے معلوم ہوا مخالفت رسول و مخالفت سبیل مومنین ایک حکم مین ہے

تو کیا آپ ائمہ اطہار ع کو مومنین بہی نہین مانتے جو اونکی مخالفت کرتے ہین کیونکہ احادیث مذکورہ مین صریحی حکم حزن و مصیبت موجود ہے پہر اوسکی مخالفت کرنا کیا اتباع غیر سبیل المومنین مین نہین داخل ہوگا۔

آپ اگر مسلمان ہون گے تو یزید اور اوس کے ذریات کو ضرور مشاققین رسول سے سمجہتے ہونگے پہر کیونکر آپ اوس کا اتباع کرکے تعزیہ وغیرہ پر اعتراض کر سکتے ہین۔

جب آپ مانتے ہین کہ تعزیہ مسلمانون کا جاری کیا ہوا ہے تو پہر حدیث ما راہ المسلمون حسنا فہو عند اللہ حسن سے کیون مخالفت کرتے ہین۔

افسوس یہ ہے کہ آپ کو دعوی اہل علم ہونے کا اور مولوی فاضل پاس ہونے کا مگر تعزیہ کے معنی ہی نہین یا نہی جانتے ہین کہ تعزیہ کس جانور کا نام ہے۔ حدیث مین اسی کا حکم ہوا یا نہین مجمع بحار الانوار صفحہ ۳۸۴ ملاحظہ فرمائیے۔ ومنہ التعزیۃ فی وفاتہ ع ان فی اللہ عزاء من کل مصیبۃ ای تعزیہ ان تصلی و تصبر بقولہ انا للہ یعنی حدیث تعزیہ وفات رسول اللہ مین ہے کہ خدا خود عزا ہے ہر مصیبت سے پس معنی تعزیہ ہے صلوۃ بہیجو اور صبر کروانا للہ سے پس جب خود حدیث مین تعزیہ کا حکم ہے وفات رسول اللہ مین اور خدا خود عزا ہے ہر مصیبت مین تو پہر تعزیہ کو فضول و بدعت کہنا موجب کفر نہین تو کیا ہے

ارے صاحب آپ تو اہل حدیث ہین پہر حدیث سے کیون منہ پہیرتے ہین جو نہین دیکہی

کہ خود مصیبت رسول مین تعزیہ کا حکم ہے آپ ان لکڑیون اور کاغذ و ابرک کو تعزیہ سمجھتے ہین
حالانکہ تعزیہ کے معنی تسلی کے ہین تو چونکہ ان لکڑیون سے جو نقل روضہ امام حسین ع عزاداران
کی ایک طرح تسکین ہو جاتی ہے اس لئے اس کو مجازاً تعزیہ کہتے ہین۔

کیون صاحب حدیث مین تو یہ حکم ہے ومن لم تیعز بعزاء اللہ فلیس منا ای من لم یدع
بدعوی الاسلام فیقول یاللاسلام او للمسلمین او للہ مجمع ۳۸۴ ۔ کہ جو شخص نہ تعزے کرے عزاء
اللہ سے وہ ہمسے نہین ہے یعنی کہ جو شخص نہ دعوت کرے ساتھ (دعوی) اہل اسلام کے اور کہے
یاللاسلام یاللمسلمین یاللہ وہ مسلمان نہین ہے پہر آپنے اس تعزیہ کو بدعت کیون کہ دیا کیا
امام حسین علیہ السلام کو آپ مسلمان بہی نہین جانتے یا اس تعزیہ کے ساتھ سواے امام حسین ع
کے اور بہی کسیکا نام لیا جاتا ہے۔

اڈیٹر صاحب ب تو تعزیہ کا وجود حدیث سے بہی معلوم ہوا اور اسکا حکم بہی کہ جو
شخص تعزیہ دار نہ ہو وہ مسلمان نہین تو پہر جو آپ اشتہار بیچکر لوگون کو گمراہ کرتے ہین
اس سے کیا آپ اس آیہ مین نہین داخل ہون گے۔

ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتب ویشترون بہ ثمنا قلیلا اولئک ما
یاکلون فی بطونہم الا النار ولا یکلمہم اللہ یوم القیمۃ ولا یزکیہم ولہم عذاب الیم اولئک الذین
اشتروا الضلالۃ بالہدی والعذاب بالمغفرۃ فما اصبرہم علی النار۔ جو لوگ خدا کی نازل کی
ہوی کتاب سے چہپاتے ہین اور اوس کے بدلے تہوڑی سی قیمت لیتے ہین وہ اپنے پیٹون مین
محض آگ بہرتے ہین ایسے لوگون سے خدا نہ کلام کرے گا بروز قیامت نہ اونکو پاک کریگا
اون کے لیے عذاب الیم ہے۔ یہی لوگ ہین جنہون نے ہدایت چہوڑکر گمراہی اور بخشش چہوڑ
کر عذاب خریدا یہ لوگ عذاب الیم کے کیسے برداشت کرنے والے ہین۔

اڈیٹر صاحب آپ تعزیہ کو رسم مذموم فرماتے ہین مگر یہ نہین بتاتے مذمومیت اسکی
عقلی ہے یا نقلی کیونکہ آیت یا حدیث تو آپ نے لکہی ہے جس سے مذمت نقلی ثابت ہو رہی
عقلی مذمت اوس کا کوی مدعی نہین ہو سکتا کیونکہ ہر بزرگ کی یادگاری عقلاً و نقلاً ممدوح ہے
اور امام حسین تو وہ بزرگ ہین کہ ان کی عظمت مین کسی خارجی کو بہی عذر نہین پہر آپ کی

یہ کیونکر لکھا دو کہ اس رسم سے خدا اور رسولؐ و تمام اہل سنت ناراض ہین، کیا کوئی آیہ آپکے پاس ہے یا حدیث حالانکہ ہم عموم آیات و احادیث اس کے استحسان و استحباب پر پیش کر چکے ہین۔

افسوس صد افسوس کہ آپ مدعی اسلام ہو کر اس درجہ امام حسینؑ سے بغض رکھتے ہین کہ یہ بھی نہین چاہتے دنیا مین آپکی تعزیہ داری قایم رہے حالانکہ اگر امام سے آپکو محبت نہ تھی تو اس خیال سے کہ آپ کے صحابہ بھی معرکہ کربلا مین کام آئے ہین آپ عزادار ہوتے

شرکت صحابہ در کربلا

چنانچہ ینابیع المودۃ شیخ سلیمان بلخی قندوزی مین ہے وفی الاصابۃ انس ابن الحارث بن نبیہ قال سمعت رسول اللہ یقول ان ابنی هذا یعنی الحسین یقتل بارض یقال لہا کربلا فمن شہد ذالک منکم فلینصرہ فخرج انس بن الحارث الی کربلا فقتل بہا مع الحسین رض (اصابہ جلد اول مطبوعہ مصر ص۶۸)

استیعاب صفحہ ۳۲ ج ا مین ہے انس بن الحارث روی عنہ سلیم والد اشعث بن سلیم من النبی فی قتل الحسین وقتل مع الحسین۔

(۱) یعنی انس صحابی تھے جیسا کہ بخاری اپنی تاریخ مین اور بغوی و ابن سکیس وغیرہ نے انس بن حارث سے روایت کی ہے۔ کہ مین نے سنا رسول اللہ سے کہ میرا فرزند حسین قتل ہوگا ایک زمین پر جس کو کربلا کہتے ہین جو اس وقت موجود ہو لازم ہے اوسپر کہ نصرت کرے اونکی۔ اسیوجہ سے انس بن حارث حضرت کے ساتھ رہے اور قتل ہوئے امام حسین کے ساتھ۔

بعض علمانے انکی صحابیت مین تردد کیا تھا مگر ابن حجر نے اصابہ مین نہایت زور دیکے اسکی تحقیق کی ہے کہ وہ صحابی تھے اسیطرح استیعاب مین ابن عبد البر کی نے اسکی تحقیق کی ہے

(۲) ہانی بن عروہ بھی صحابی تھے جن کے یہان حضرت مسلم مہمان ہوے اور اسی جرم مین وہ شہید کئے گئے یہ خود بھی صحابی ہین اور ان کے باپ عروہ بھی صحابی تھے۔ ملاحظہ ہو اصابہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۹ ذکر ہانی بن عروہ۔

(۳) حبیب ابن مظاہر (مشہور حبیب ابن مظہر) اصابہ مین ہے لہ ادراک عمر حتی قتل مع الحسین

بن علی ع۔ ص ۵۸ جلد ۲ یعنی زمانہ رسول اللہ صلعم انہون نے بھی پایا تھا اور جناب امام حسین ؑ کے ساتھ شہید ہوئے۔

(۴) عروہ غفاری ینابیع المودۃ مین ہے وکان شیخا کبیرا شہد بدرا و حنین و صفین صفحہ ۲۸۶ یعنی عروہ غفاری شیخ کبیر تھے جنگ بدر و حنین و صفین مین شریک رہ چکے تھے۔

پس اگر آپکو امام حسین ؑ سے نہین ہمدردی ہے تو ان صحابہ کے خیال سے تو اسقدر رنج کیجے کیونکہ چار بزرگوار صحابہ رسول مختار سے اس روز شہید ہوئے ہین۔

ہان اگر صحابہ مین ایمان ہوتا اور سب ایمان دار ہوتے تو امام حسین ؑ اس غربت و بیکسی سے کیون شہید ہوتے مگر اونپر محبت دنیا ایسی غالب تھی کہ جو لوگ صاحب وجاہت و اقتدار تھے وہ سب دنیا دار تھے چنانچہ ابن عمر نے تو صاف صاف کہدیا اس سے بڑھکر کیا غدر ہو سکتا ہو کہ ہم یزید کی بیعت کر چکے ہین اور آج وہ معزول کیا جاتا ہے۔

مگر یہ نہ سمجھے کہ خدا نے اون صحابہ سے انکا انتقام نہ لیا ہو ملاحظہ ہو کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ عدہ من قتل من اصحاب النبی وغیرہم قال ذکروا انہ قتل یوم الحرۃ من اصحاب النبی ثمانون رجلا ولم یبق بدری بعد ذلک ومن قریش والانصار سبعمایۃ ومن سایر الناس من الموالی والعرب والتابعین عشرۃ آلاف ص ۲۲۴ یعنی صحابہ رسول جو واقعہ حرہ مین قتل ہوئے تو ۸۰ بدری تھے جسکے بعد کوی بدری پھر نہ باقی رہا۔ اور قریش و انصار سے سات سو آدمی مارے گئے اور باقی لوگون سے جس مین موالی و عرب و تابعین سب داخل تھے دس ہزار مارے گئے۔

کہئیے ان صحابہ نے جواب ذلت کی موت گوارا کی اگر یہ انصار امام حسین ؑ سے ہوتے تو کیا آپ خیال کر سکتے ہین کہ یزید اس طرح خائب المرام ہوجاتا اور اگر بالفرض مارے بھی جاتے تو درجہ شہادت پاتے اور آج اون کے نام پر بھی اسیطرح ماتم کیا جاتا جسطرح شہیدان کربلا پر ماتم کیا جاتا ہے جس سے قیامت تک اونکا نام قایم رہتا۔

غرض حضرات اہل سنت عموما اور اہل حدیث خصوصا اگر مسلمان ہوتے تو وہ سب سے زیادہ اس مصیبت عظمی مین گریہ و بکا کرتے کیونکہ رسول اللہ نے ایکدفعہ نہین صدہا مرتبہ حیات مین بھی

اور بعد رحلت بھی اس مصیبت پر گریہ کیا ہے۔ کیا آپ نے مشکوۃ شریف مترجمہ مولوی وحید الزمان
صاحب جلد ۴ صفحہ ۱۸۱ میں یہ حدیث نہیں ملاحظہ کی ہے۔ صفحہ ۱۳۵ جلد ۴

وعن ام الفضل بنت الحارث انها
دخلت على رسول الله صلى الله عليه
وسلم فقالت یا رسول الله انی رأیت حلما
منكرا الليلة قال وما هو قالت انه
شديد قال وما هو قالت رأيت كأن
قطعة من جسدك قطعت ووضعت
في حجري فقال رسول الله صلى الله عليه
وسلم رأيت خيرا تلد فاطمة ان شاء
الله غلاما يكون في حجرك فولدت
فاطمة الحسين فكان في حجري كما
قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم فدخلت يوما على رسول الله
صلى الله عليه وسلم فوضعته في
حجره ثم حانت مني التفاتة فاذا عينا
رسول الله صلى الله عليه وسلم تهريقان
الدموع قالت فقلت يا نبي الله بابي
انت وامي ما لك قال اتاني جبرئيل
عليه السلام فاخبرني ان امتي ستقتل
ابني هذا فقلت هذا قال نعم و
اتاني بتربة من تربته حمراء

اور روایت ہے ام فضل بیٹی حارث سے کہ وہ
آئیں رسول اللہ صلعم کے پاس پس کہا یا رسول
اللہ تحقیق میں نے دیکھا ہے ایک خواب برا آج کی
رات فرمایا حضرت نے کیا ہے وہ خواب کہا ام
فضل نے تحقیق وہ خواب سخت ہے فرمایا حضرت
نے کیا ہے وہ کہا ام فضل نے دیکھا میں نے گویا
ایک ٹکڑا آپکے بدن مبارک سے کاٹا گیا ہے
اور رکھا گیا ہے میری گود میں پس فرمایا رسول
خدا نے دیکھا تونے خواب اچھا جنے گی فاطمہ بیٹا
اگر چاہا خدا نے ہو گا وہ تیری گود میں پس جنی
فاطمہ حسین کو پس تھا وہ میری گود میں جیسے
کہ فرمایا تھا رسول اللہ نے پس آئی میں ایک
روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پس
رکھدیا میں نے حسین کو ان حضرت کی گود میں
پھر میں دیکھنے لگی اور طرف پھر دیکھا میں نے اونکی
طرف پس ناگہان آنکھیں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی ڈالتی تھیں آنسو کہا ام فضل نے
پس کہا میں نے اے نبی اللہ قربان ہوں ماں باپ
ہمارے تم پر کیا ہوا آپکو کہ روتے ہو فرمایا
حضرت نے آئے میرے پاس جبرئیل اور خبر دی
مجھکو کہ تحقیق امت میری نزدیک ہے کہ قتل کرے گی اس بیٹے میرے کو پس کہا میں نے

کہ اس بیٹے کو کہا اونہوں نے ہان اور دی مجکو جبرئیل نے مٹی اوسکی سے مٹی سرخ۔
تو پھر آپ کیسے مدعی اتباع سنت رسول اللہ ہین کہ امام حسینؑ کے حال پر آپکو رونا نہین آتا۔ کیا
اسیکا نام اتباع سنت رسول ہے کہ حضرتؐ تو مصیبت امام حسینؑ کو یاد کرکے روتے تہین اور آپ اس تعزیہ
داری کو مذموم تباتے ہین پھر اسکے بعد والی حدیث۔ دیکھئے۔

وعن ابن عباس انہ قال رایت النبی
صلے اللہ علیہ وسلم فیما یری النائم
ان یوم بنصف النہار اشعث اغبر
بیدہ قارورۃ فیہا دم فقلت بابی
انت وامی ما ھذا قال ھذا دم الحسین
واصحابہ لم ازل التقطہ منذ
الیوم فاحصے ذلک الوقت فاجد قتل
ذلک الوقت رواہما البیہقی فی دلائل
النبوۃ واحمد الاخیرہ وعنہ قال
قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
احبوا اللہ لما یغذوکم من نعمہ و
احبونی لحب اللہ واحبوا اہل بیتی
لحبی رواہ الترمذی۔

اور روایت ہے ابن عباس سے کہ تحقیق کہ
اونہون نے کہا کہ دیکھا مین نے نبی کو بیچ اس
حالت کے کہ دیکھتا ہے سونے والا ایک روز
وقت دوپہر کے پراگندہ بال گردآلودہ حضرتؐ
کے ہاتھ مین ایک شیشہ ہے کہ اسمین خون
ہے پس کہا مینے باپ میرا اور مان میری
قربان ہون تمہارے کیسا ہے یہ شیشہ فرمایا
حضرتؐ نے یہ خون حسین کا اور اوسکے یارون
کا ہے ہمیشہ رہا مین چنتا اوسکو ابتدا آج کے روز
سے ابن عباس نے کہا پس یاد رکہا مینے
اوس وقت کو پس پایا مینے کہ قتل کئے گئے
حسینؑ اوسیوقت روایت کین یہ دونون
حدیثین بیہقی نے دلایل النبوۃ مین اور اسکی
روایت کی احمد نے حدیث اخیر اور ابن عباس نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے دوست رکھو خدا کو بسبب اوس چیز کے کہ پرورش کرتا ہے تم کو نعمت سے
پس دوست رکھو مجکو بسبب دوستی خدا کے اور دوست رکھو اہل بیت کو بسبب میری
کے۔ روایت کی یہ ترمذی نے۔
کیا اس روایت کو دیکھکر کوئی مسلمان ایسا ہو سکتا ہے جو بروز عاشورہ مصایبت امام
حسینؑ مین گریان نہو کیونکہ ابن عباس کو آنحضرتؐ نے کیونکر دکہایا اسیوجہ سے حاشیہ

مشکوۃ مین ہے۔ ان حدیثون سے یہ بات نکلتی ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کا حال
سنکر غم کرنا درست ہے۔ پھر نہ معلوم اس زمانہ کے وہابی کس مذہب کے ہین جو اپنے مذہب
کی حدیثون کو بھی نہین مانتے۔ پھر اوسی مشکوۃ مین یہ تیسری حدیث ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳۵

وعن سلمی قالت دخلت علی ام سلمة
وھی تبکی فقلت ما یبکیک قالت
رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
تعنی فی المنام وعلی رأسه ولحیته
التراب فقلت مالک یا رسول اللہ
قال شھدت قتل الحسین آنفا
رواہ الترمذی

اور روایت ہے سلمیٰ سے کہا داخل ہوئی مین
اوپر ام سلمہ کے اور وہ رو رہی تھین پس
کہا مین نے کس چیز نے رولایا تمکو کہا دیکھا
مین نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کو خواب مین اور اون کے سر اور داڑھی
مبارک پر مٹی تھی پس کہا مینے کیا ہوا ہے
تمکو یا رسول اللہ فرمایا آن حضرت نے کہ حاضر
ہوا تھا مین حسین کی قتلگاہ مین روایت کی
اسے ترمذی نے اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

حاشیہ مشکوۃ مین ہے کہ اس حدیث سے امام حسینؑ کی فضیلت ثابت ہوئی کہ حضرت خود
ان کے شہید ہونے کے وقت تشریف لائے اور بکمال غمگین ہوئے۔

پھر نہ معلوم وہابی (اہلحدیث) کس مذہب کے آدمی ہین جو امام حسین کے غم مین رونے اور
پیٹنے کو منع کرتے ہین۔ حالانکہ ان حدیثون سے معلوم ہوا کہ یہ ایسا غم ہے کہ خود آنحضرت
نے یہ خبر سنکر حالت حیات مین گریہ کیا۔ اور بعد وفات معرکہ کربلا مین شریک ہوئے۔ امام
حسین اور آپ کے اصحاب باوفا کا خون شیشہ مین جمع کیا۔ سر پر ریش مبارک پر خاک
ڈالی حضرت ابن عباس اور اپنی زوجہ محترمہ کو اسطرح خواب دکھایا کہ وہ بھی رونے لگین
توکیا کوئی مسلمان ایسا بھی ہوسکتا ہے جو غم امام حسینؑ مین نہ روئے اور رسول اللہ کی
تاسی نہ کرے۔ حاشا وکلا ہر گز نہین۔

ملا علی قاری شرح مشکوۃ مین اس حدیث کی شرح مین لکھتے ہین اخرج احمد فی المناقب
عن الربیع بن منذر عن ابیه قال کان حسین بن علی یقول من دمعت عیناہ

فینا دمعه او قطرت عیناه فینا قطرة آتاه الله عزوجل الجنة ص ۴۴۰ جلد ۵

یعنی حسن بن علی فرماتے تھے کہ جس شخص کی آنکھ سے ایک قطرہ بھی آنسو ہماری مصیبت مین نکلیگا خداوند عالم اوسکو جنت عطا کریگا۔

تو اب کون مسلمان ہو سکتا ہی جو ان احادیث کو دیکھکر بھی ایمان نہ لائیگا اور عزاداری امام مظلوم کو اپنی نفس پر واجب نہ سمجھیگا کیونکہ اس مصیبت مین رسول اللہ نے اپنی زندگی مین بھی غم کیا ہے اور بعد رحلت بھی غم فرمایا حالانکہ سب مسلمانون کو معلوم ہے حضرت بعد انتقال نعمات بہشت سے متنعم ہو رہے ہین مگر یا تو یہ مصیبت ایسی عظیم تھی جسنے بعد رحلت بھی چین نہ لینے دیا یا صرف مسلمانون کے ہدایت وارشاد کے لئے خدا نے ابن عباس اور حضرت ام سلمہ کو ایسا خواب دکھایا تاکہ مسلمانون کو معلوم ہو یہ غم کیسا عظیم الشان ہے کہ خود رسول اللہ سر برہنہ نالان وگریان شریک معرکہ کربلا ہوئے۔

آثار غضب خدا

الشد الشد یہ واقعہ کیسا قیامت خیز تھا کہ خداوند عالم نے اپنا غضب کن صورتون سے ظاہر کیا صواعق محرقہ ابن حجر مکی مین ہے وما ظہر یوم قتلہ من الآیات ایضا ان السماء اسودت اسودادا عظیما حتی رؤیت النجوم نہارا ولم یرفع حجر الا وجد تحتہ دم عبیط × وان السماء احمرت بقتلہ وانکسفت الشمس حتی بدت الکواکب نصف النہار وظن الناس ان القیامۃ قد قامت ولم یرفع حجر فی الشام الا رؤی تحتہ دم عبیط × اخرج عثمان بن ابی شیبۃ ان السماء مکثت بعد قتلہ سبعۃ ایام تری علی الحیطان کانہا ملاحف معصفرۃ من شدۃ حمرتہا وضربت الکواکب بعضہا بعضا ونقل ابن الجوزی عن ابن سیرین ان الدنیا اظلمت ثلاثۃ ایام ثم ظہرت الحمرۃ فی السماء و قال ابو سعید ما رفع حجر من الدنیا الا وتحتہ دم عبیط ولقد مطرت السماء دما بقی اثرہ فی الثیاب حتی تقطعت × اخرج الثعلبی ان السماء بکت وبکاؤھا حمرتہا وقال غیرہ احمرت آفاق السماء ستۃ اشہر بعد قتلہ ثم لا زالت الحمرۃ تری بعد ذلک وان ابن سیرین قال اخبرنا ان الحمرۃ التی مع الشفق لم تکن قبل قتل الحسین وذکر ابن سعد ان ہذہ الحمرۃ لم تر فی السماء قبل قتلہ قال ابن الجوزی وحکمتہ ان

غضبانا یوثر حمرتہ الحبہ والحق منزہ عن الجسمیۃ فاظھر تاثیر غضبہ علی من قتل
الحسین بحمرۃ الافق اظھارا لعظم الجنایۃ قال وانین عباس وھو ماسور ببدر
منع النبیؐ النوم فکیف بانین الحسین ولما اسلم وحشی قاتل حمزۃ قال لہ النبیؐ
غیب وجھک عنی فانی لا احب ان اری من قتل الاحبۃ ھذا والاسلام
یجب ما قبلہ فکیف لقلبہ ان یری من ذبح الحسین وامر بقتلہ وحمل اھلہ علی
اقتاب الجمال ص ۱۱۶ یعنے بروز قتل امام حسینؑ آیات الہی سے یہ ظاہر ہوا کہ آسمان
سیاہ ہوگیا کہ دن کو ستارے نظر آنے لگے۔ اگر زمین سے کوئی پتھر اوٹھایا جاتا تو خون
تازہ نیچے اوس کے جوش مارتا × آسمان سرخ ہوگیا آفتاب کو گہن لگا یہان تک کہ دن
دوپہر ستارے نکل آئے اور لوگون نے گمان کیا کہ قیامت قایم ہوئی۔ عثمان ابن ابی شیبہ
روایت کرتے ہین کہ حضرت کی شہادت کے بعد سات روز تک آسمان سرخ رہا کہ تمام
در و دیوار سرخ نظر آتا آسمان سے تازہ خون برستا رہا جسکا اثر کپڑون پر مدتون باقی
رہا یہان تک کہ کپڑہ پھٹ گیا مگر نشان خون نہ گیا۔ ثعلبی کی روایت ہے کہ آسمان رویا اور
اوسکا رونا یہی ہے کہ سرخی شفق کی ظاہر ہوئی اسکے قبل کسی نے اس سرخی کو نہین دیکھا
تھا ابن سیرین کہتے ہین کہ سرخی شفق قبل شہادت امام مظلوم نہ تھی۔ ابن الجوزی کہتے ہیں
کہ ہم لوگون کا غصہ تو چہرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرخ ہو جاتا ہے مگر چونکہ خداوند عالم جسمیت سے
منزہ ہے لہذا اوسکے غیظ و غضب کے آثار ظاہر ہوئے حمرۃ شفق سے کہ شفق مین سرخی نمودار
ہوئی تاکہ خلایق کو معلوم ہو یہ کتنا بڑا جرم ہے۔ کہا ابن الجوزی نے کہ حضرت عباس جنگ
بدر مین جو قید ہو کر لشکر اسلام مین آئے تو اونکی آواز گریہ و بکا نے حضرت کو سونے نہ دیا
تو امام حسین کی نالہ و زاری سے حضرت کے دل پر کیا گزرا ہوگا۔ وحشی قاتل حمزہ جب اسلام
لایا ہے تو حضرت نے فرمایا اپنا منہ ہمسے چھپالے کہ ہم اپنے دوستون کے قاتل کا منہ دیکھا نہین
چاہتے حالانکہ اسلام نے قبل اسلام کی کل باتون کو مٹا دیا ہے تو پھر کیا حال ہوگا رسول اللہ
کے قلب کا اوس شخص سے جس نے امام حسین کو ذبح کیا اور اونکے اہل حرم کو اسیر کیا اور
شتران بے کجاوہ و عماری پر سوار کرایا۔

یہ ہین آثار غضب خدا اور رسول جو بعد شہادت امام حسین ع تمام عالم کے مشاہدہ میں آئے اور علمائے اہل سنت نے اون کی روایت کی اور کتابون مین لکھا اس کے بعد مسلمانون کو اختیار ہے کہ جو چاہین کرین اگر امام حسین قابل ہمدردی ہون تو اونکے اقامت عزا مین کوشش کرین اور اگر خدا اور رسول کے یہ احکام اس بارے مین کسی طرح قابل تعمیل نہ ہون تو پھر مولوی ثناء اللہ وغیرہ اشتہار بازون کی متابعت کرین

مگر اس قدر عرض کر دینا ضرور رہا ہے کہ دیکھئے اس عمل لغو ناصبیت وخارجیت کا موجد کون ہو تا کہ معلوم ہو کہ جو عزاداری نہ کرنے مین پیرو خدا و رسول ہوتے ہین یا پیرو دشمنان خدا و رسول دیکھو شرح مشکوۃ ملا علی قاری مین ہے عن خالد بن معدان قال وفد المقدام بن معدی کرب وعمرو بن الاسود الی معویۃ فقال معویۃ للمقدام اعلمت ان الحسن بن علی توفی فرجع المقدام فقال لہ معویۃ اتراہا مصیبۃ۔ صفحہ ۵۰۱ جلد ۵۔

یعنے مقدام بن معدی کرب وعمرو بن الاسود کا وفد معویہ کے پاس آیا تو معویہ نے کہا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ حسن بن علی نے انتقال کیا تو مقدام نے یہ سنکر کلمہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہا معویہ نے کہا کہ تو اس کو مصیبت جانتا ہے؟

اس روایت سے معلوم ہوا کہ خارجیون کا امام معویہ شہادت امام حسن ع کو مصیبت نہین جانتا تھا جسپر انا للہ وانا الیہ راجعون کہا جا سکے۔ تو پھر پیروان معویہ سے کب اسکی امید ہو سکتی ہے کہ واقعہ شہادت کربلا کو مصیبت سمجھین اور گریہ و بکا کرین۔

مگر نہین نہین یہ واقعہ ایسا جانکاہ ہے کہ خود یزید پلید کو بھی اسنے رولا دیا ہے تو اس خیال سے بھی خوارج کو اس غم مین مغموم ہونا مناسب ہی۔ صواعق محرقہ مین ہے

ولما انزل ابن زیاد راس الحسین واصحابہ جہزہا مع سبایا آل الحسین الی یزید فلما وصلت الیہ قیل انہ ترحم علیہ وتنکر ابن زیاد وارسل براسہ وبقیۃ بنیہ الی المدینۃ وقال

یعنے جب ابن زیاد نے سر امام حسین ع اور اسیران اہل حرم روانہ شام کیا اور وہ لوگ داخل شام ہوئے تو یزید نے ترحم کیا اور ابن زیاد پر اپنا غصہ ظاہر کیا اور حضرت کے سر مبارک کو اور اہل بیت کو طرف مدینہ کے

سبط ابن الجوزی وغیرہ المشہور
انہ جمع اہل الشام وجعل ینکث الراس
بالخیزران وجمع بانہ اظہر الاول واخفی
الثانی بقرینۃ انہ بالغ فی رفعۃ ابن
زیاد حتی ادخلہ علی نسائہ قال ابن
الجوزی ولیس العجب الا من ضرب
یزید ثنایا الحسین بالقضیب وحمل
آل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی اقتاب الجمال
ای موثقۃ فی الحبال والنساء مکشفات
الرؤس والوجوہ وذکر اشیاء من قبیح
فعلہ وقیل بل کانت الراس فی خزانۃ
الی سلیمان بن عبد الملک رای النبی
صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام یلاطفہ و
یبشرہ فسئل الحسن البصری عن ذلک
فقال لعلک صنعت الی الہ معروفا
قال نعم وجدت راس الحسین فی
خزانۃ یزید فکسوتہ خمسۃ اثواب
وصلیت علیہ مع جماعۃ من اصحابی
وقبرتہ فقال لہ الحسن ہو ذلک سبب
رضاہ صلی اللہ علیہ وسلم علیک فامر
سلیمان للحسن بجائزۃ سنیۃ وللناس
فضائل براس الحسین ما ہو کان عند
وصول قیصر فقال متعجبا الا عند ملنی

کیا سبط ابن الجوزی کہتے ہین کہ مشہور یہ
ہے کہ یزید نے بعد ورود اسیران کربلا اہل شام کو جمع
کیا اور دندان مبارک کو چوب خیزران سے چھیڑنے
لگا ان دونوں روایتون مین اسطرح جمع کیا
گیا ہے کہ اظہار ترحم وغیرہ تو ظاہری طور پر
تہا اور خوشی اوسکی شہادت امام سے باطنی
طور کیونکہ اوسکے بعد ابن زیاد کو اوسنے اس طرح
ترقی دینا شروع کیا کہ اپنے گھر کے اندر
لیجا کر عورتون سے سامنا کرا دیا
ابن الجوزی کہتے ہین تعجب ہے یزید سے
کہ کس طرح اوس نے دندان امام حسین
پر چھڑی ماری اور اہلبیت رسالت کو
کس طرح شتران بے کجاوہ پر سوار کرایا
جو سب بندھے ہوئے تھے رسیون مین
اور منہ اونکے کھلے ہوئے تھے اسی طرح
بہت سے قبائح اعمال یزید کو ذکر کیا ہے
بلکہ کہا گیا ہے کہ امام کا سر مبارک خزانہ
یزید مین رہا تا زمانہ سلیمان بن عبد الملک
کیونکہ سلیمان نے خواب مین رسول اللہ
کو دیکھا کہ حضرت اوسپر لطف و مہربانی فرما
رہے ہین اس خواب کی تعبیر اس نے
حسن بصری سے پوچھا تو حسن بصری نے
کہا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے نیکی کیا ہے

فی الجزائر فی دیر حافر حمار عیسی
ونحن نحج الیه کل عام من الاقطار
وننذر له النذور ونعظمه کما تعظمون
کتبکم فاشهد انکم علی باطل و
قال ذمی اخر بینی وبین داود
سبعون اباء ان الیهود تعظمنی
وتحترمنی وانتم قتلتم ابن نبیکم
ولما کانت الحرس علی الراس کلما
نزلوا منزلا وضعوه علی رمح وحرسوه
فراه راهب فی دیر فسال عنه فعرفوه
فقال بئس القوم انتم هل لکم فی
عشرة الاف دینار ویبیت الراس
عندی هذه اللیلة قالوا نعم فاخذه
وغسله وطیبه ووضعه علی فخذه
الی عنان السماء وقعد یبکی الی الصبح
ثم اسلم لانه رای نورا ساطعا
من الراس الی السماء ثم خرج عن
الدیر وما فیه وصار یخدم اهل البیت
وکان مع اولئک الحرس دنانیر
اخذوها من عسکر الحسین ففتحوا
اکیاسها لیقتسموها فراوها خزفا و
علی احد جانبی کل منها ولا تحسبن
الله غافلا عما یعمل الظالمون وعلی

حضرت کے اہل بیت کے ساتھ جس سے وہ حضرت
خوش ہوے ہین تو سلیمان نے کہا ہان ہمنے
امام حسینؑ کا سر خزانہ یزید مین پایا تو
اوسکو پنچ پارچہ کا کفن دیا اور اپنے دوست
احباب کے ساتھ حضرتؑ نماز پڑھی اور قبر
کھودواکے دفن کیا حسن بصری نے کہا تو
یہی سبب ہی اور یہی فعل تیرا موجب رضاء
رسول اللہ ہوا سلیمان نے اس تعبیر پر بہت
سا انعام دیکر حسن بصری کو رخصت کیا
(شہادت امام حسین ۶۱ھ سنہ وفات سلیمان
۹۹ھ) ابن حجر لکھتے ہین کہ یزید نے جب
اسطرح کی بے حرمتی سر مبارک سے کی تو اس
وقت قیصر روم کا سفیر حاضر دربار تھا از
راہ تعجب کہا کہ ہمارے ملک مین بعض جزائر
ایک دیر حافر ہے جس مین حضرت عیسی کے خر
کا سم ہے جسکی تعظیم مین ہر سال ہلوگ حج کرتے
ہین اور ہدیہ و نذرات چڑھاتے ہین جس طرح
تم لوگ خانہ کعبہ کی تعظیم کرتے ہو تو اب ہم گواہی
دیتے ہین کہ تم لوگ باطل پر ہو - ایک دوسرے
ذمی نے کہا کہ ہم نسل حضرت داود سے ہین ستر
پشت کا فاصلہ ہے اسپر یہود کی یہ حالت ہے
کہ وہ جب ہمکو دیکھتے ہین تو تعظیم کرتے ہین اور
تملوگ اپنے نبی کے فرزند کو قتل کر ڈالا کتنی

الآخر وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون عہ ۱۱۹ — بری قوم ہو تم لشکر والون کا قاعدہ تھا جب منزل پر پہونچتے تو امام حسین کا سر نیزہ پر کرتے اور اوسکی حفاظت کیا کرتے ایکدفعہ انکی منزل ایک راہب کے قریب ہوی اور اسی طرح اونلوگون نے نیزہ پر سر چڑھایا تو اوس راہب نے حال دریافت کیا جب معلوم ہوا کہ یہ سر امام حسین ہے تو اوسنے دس ہزار اشرفیان اس غرض سے دین کہ ایک شب یہ سر مبارک ہمارے پاس دیر مین رہے۔ راہب نے اوس سر اقدس کو غسل دیا اور عطریات سے معطر کرکے اپنے زانو پر رکھا اور تمام شب نوحہ و بکا کرتا رہا اور اسلام لایا کیونکہ اوسنے حضرت کے سر مبارک سے ایک ایسا نور ساطع دیکھا جو سر سے آسمان تک پہونچتا تھا اوس راہب نے اپنی کو خدمت اہل بیت مین داخل کیا اور برابر خدمت کرتا رہا لشکر یزید نے جو امام حسین کے لشکر سے لوٹا تھا اوسمین کچھ اشرفیان بھی تھین جب تقسیم کرنے کو دیکھے گئے تو وہ اشرفیان ٹھیکری نکلین جسپر ایک طرف کندہ تھا لا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظالمون اور دوسری طرف سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

اس تحریر سے معلوم ہوا کہ یزید نے گو ظاہر داری ہی طور پر ہو جو لوازم نفاق سے ہے غم امام کی عظمت کی اور ترحم کیا فعل ابن زیاد کو ناگوار بتایا۔ تو کیا مولوی ثناء اللہ صاحب اور اون کے طرفدارون مین یزید کے برابر بھی اسلام نہین جو اس مصیبت مین غم کرین اور اسکو زوال نعمت جانین چہ جائیکہ موقوفی عزا کے لئے وہ اشتہار شایع کرین اور رہ رہ کر نفع کمائین کیا ان لوگونمین سفیر قیصر روم اور راہب دیر کے برابر بھی اسلام نہین ہے جو اس غم خانگاہ میں محزون ہوکر رسوم عزاداری کو انجام دین چہ جائیکہ اوسپر زعید منانے مین لباس فاخرہ پہنین لگائین جو یزیدیون مین آجتک جاری ہے۔

اب ہم اس مضمون کو یہین ختم کرتے ہین اور اہل اسلام سے امیدوار ہین کہ وہ اس تحریر کو ملاحظہ فرمائین کیونکہ جو کچھ لکھا گیا ہے احادیث صحیحہ اہلسنت سے ہے اہمین کوئی قول کسی شیعہ کا نہ کوی روایت ہی کتب شیعہ کی بلکہ تمامتر کتب معتمدہ اہل سنت سے ماخوذ ہے جسکا حوالہ بھی دیدیا گیا ہے۔ اب اگر کچھ بھی غور فرمائین گے تو معلوم ہوگا کہ امام حسین ؑ نے

اسلام نے اس شہادت کو قبول کیا کہ شریع محمدی قایم ہو کیونکہ رسول اللہ کے زمانہ تک
اصول دین کی بنیاد صرف قال اللہ و قال الرسول پر تھی خلافت اول سے اجماع خلافت دوم
سے قیاس نے بھی دخل پایا۔ جناب امام حسینؑ نے اس اجماع خلافت شریعت کا نتیجہ دکھادیا کہ یہی
وچیز ہے دین اسلام کی غارت کرنے والی جسے اسنے مداخلت پایا اسلام کا نقشہ بگڑ چلا اگر
معمولی عقل والے اسکو نہ سمجھ سکے کہ اجماع سے دین مین کیا خرابی آسکتی ہے لہذا آپنے بدیہی
کر دکھایا کہ دیکھو اسی اجماع کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم اسطرح شہید ہو رہے ہین حالانکہ حضرت ہر دفعہ
حملہ مین یہ اشعار پڑھ رہے تھے ولما حمل علیھم وسیفہ مصلت فی یدہ انشاء و
یقول۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۷۔

انا ابن علی الخیر من آل ھاشم	کفانی بھذا مفخراً حین افخر
مین ہون فرزند علی جو بہترین خاندان بنی ہاشم	سے ہین یہی فخر ہمارے لئے کافی ہے جب ہم فخر کرین
وجدی رسول اللہ اکرم من مشی	ونحن سراج اللہ فی الناس نزھر
جد میرے رسول اللہ ہین جنسے بہتر آجتک کوئی پیدا نہوا	اور ہم خدا کے روشن چراغ ہین جو آدمیون مین روشنی دیرہاہی
وفاطمۃ امی سلالۃ احمد	وعمی یدعی ذی الجناحین جعفر
مادر گرامی ہماری فاطمہ ہین دختر رسول اللہ	اور چچا ہمارے جعفر طیار ہین جو بازوں سے پرواز کرتے ہین
وفینا کتاب اللہ انزل صادقا	وفینا الھدی والوحی والخیر یذکر
ہمارے ہی یہان کتاب خدا نازل ہوئی صادقا	اور ہم ہی مین ہے ہدایت وحی خیر جو ہمیشہ یاد رہیگی

مطلب ان اشعار کے ظاہر ہین کہ حضرت اپنے حسب و نسب شرافت جلالت کو ظاہر فرماتے
ہین اور تمام عالم کو بتا رہے ہین کہ کتاب ہمارے گھر نازل ہوئی ہدایت وحی خیر سب
ہمین ہے مگر ایک اجماع نے کتاب و سنت سب کو مٹادیا۔ اسیلئے اجماع کے علمدار یعنے
قاتل امام حسینؑ خود ابن زیاد کے روبرو کہہ رہا ہے۔ املاء رکابی فضۃ و ذھبا فقد قتلت
الملک المحجبا × ومن صلی القبلتین فی الصبا و خیرھم اذ یذکرون النسبا ×
قتلت خیر الناس اما و ابا۔ صواعق محرقہ ص ۱۱۸۔ یعنی اے امیر ہمارے جانوروں کے
بار کو چاندی اور سونے سے بھردے کہ ہم نے اوس بادشاہ کو قتل کیا جو پوشیدہ رہتا یا اوس

کو چھپا رہتا اور اوس کو جسنے لعین میں دونون قبلہ کیطرف نماز پڑھی - یہ وہ شخص تھا جو از راہ نسب سب سی بہتر تھا اور جو شرافت پدری و مادری کی رو سے سب سی بہتر تھا بن عار مین بھی اوسکی تصدیق ہے جو حضرت فرماتے تھے نہ اجماع نے نہ شرافت کا خیال کیا نہ جلالت کا نہ عظمت کا نہ ملکر نیت کا -

بہرحال چونکہ اس تحریر کی ابتدا صوم سے ہوئی تھی کہ مولوی ثناء اللہ ایڈیٹر اہل حدیث نے اپنی اشتعار فیصدی ۸ مین لکھا تھا وہ ماہ محرم کی ۹ و ۱۰ تاریخ کو روزہ رکھنا سنت ہے لہذا آخری دلیل اور بیان لکھدی جاتی ہے جسکے بعد پھر کوئی سنی کو اسکے قبول مین عذر نہو گا اور انشاء اللہ وہ اس بدعت سے نجات پائینگے کہ روز شہادت امام حسین ع کو عید بنا کر روزہ رکھین ازالۃ الخفا مین ہے ابو بکر عن عبد الرحمن بن القاسم کان عمر لا یصومہ یعنی صوم عاشورا ص ۱۰۲ یعنی ابو بکر عبد الرحمن بن قاسم سے روایت کرتے ہین کہ عمر عاشورا کے روزہ روزہ نہین رکھتے تھے تو کیا کوئی سنی کہہ سکتا ہے کہ عمر صاحب اوس فریضہ یا سنت کے تارک تھے جسے رسول اللہ نے نہایت اہتمام سی سیکھا تھا لہذا لعنت کرے اون لوگون پر جو رسول اللہ پر ایسی تہمت کرتے ہیں اور بدعت کو سنت کہتے ہین - خلاصہ یہ کہ ماہ محرم خاندان رسالت کے لئے واقعہ کربلا کے بعد ایسے غم و ہم کا مہینہ رہا ہے کہ کل حضرات اس مہینہ کے دس روز مین ہمیشہ غم اور حزن کرتے رہے ہنسنا تفریح مذاق سب موقوف رہا بجز آہ و غم کے کوئی شغل نہ رہا لہذا جملہ اہل اسلام پر لازم ہے کہ وہ بتاسی ائمہ ہدیٰ علیہم السلام اس دس روز مین غم امام حسین ع مین مغموم رہین اور کسی طرح کا کھیل - کود - تماشا - لہو و لعب جایز نہ رکھین - شب و روز مجالس اور ذکر فضایل و مناقب و مصائب کربلا مین مشغول رہین اور جہان تک ہو سکے ہر جگہ عزائے امام مظلوم قایم کرین جسکی نام دایا کرم مع محمد المصطفیٰ و آلہ البررۃ الاتقیا -

تمت

نوٹ ضروری - جہان جہان امرتسری وہابی کا اشتہار جاتا ہو وہان مومنین پر لازم ہو کہ ایک نسخہ تحقیق صوم عاشورا کا بلا قیمت طلب فرمائین صرف محصولڈاک کیلئے ایک آنہ کا ٹکٹ آنا چاہیے - اگر زاید نسخے درکار ہون تو اوسی حساب سے ٹکٹ روانہ کرین مگر جو حضرات خریدار اصلاح ہین اونکو یہ رسالہ نہین جائیگا صرف ایسے اشخاص کے لئے بلا قیمت جا سکتا ہے جنکو مخالفین کچھ تردد لاتے ہون ورنہ شایقین کیلئے قیمت ۱۴ر
مینجر اصلاح کھجوہ ڈاکخانہ بازار بندی ضلع سارن سے بلا قیمت طلب کرین فقط

من تصنیفات السید السند
والحبر المعتمد وحید العصر
فرید الدہر محی السنۃ
قامع البدعۃ فخر الحکماء ظہیر
العلماء مولانا السید علی اظہر
دامت برکاتہ وزادت افاداتہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین والہٖ
الطیبین الطاہرین **اما بعد** اس رسالہ مین ہم صرف مسئلہ کلوخ
کو بیان کرتے ہین کہ وہ بدعت ہی ذوالفقار حیدر جلد چہارم سے یہ مسئلہ
بھی علیحدہ کیا گیا۔ تاکہ اہل سنت کو عموماً اور اہل حدیث کو خصوصاً معلوم ہو
کہ دعواے اتباع سنت رسول مین کہانتک وہ راست گو ہین چونکہ رسالۃ الوضو
نے عام طور پر بدعت مسئلہ غسل قدمین کا بہ ایجاد واجتہاد خلیفہ دوم رائج ہونا
ثابت کردیا جس سے بعض حضرات نے مذہب حق کو قبول بھی کیا۔ لہذا

ان کی حق پسندی اور دعوے اتباع سنت سے امید قوی ہے کہ اس بدعت کو ترک کر کے سنت رسول اللہ پر عمل کرینگے جو مقدمۂ طہارت ہی اور بغیر طہارت نماز صحیح نہین جیسا کہ امام نووی شرح صحیح مسلم مین لکھتے ہین.

وسبب کونھما کبیرین ان عدم التنزہ من البول یلزم منہ بطلان الصلوٰۃ فترکھا کبیرۃ بلاشک ص ۱۴۱

یعنی کبیرہ ہونا اسکا اس سے ثابت ہو کہ بول سے احتراز نہ کرنا باعث بطلان نماز ہے تو اسکا ترک کرنا کبیرہ ہے بلا شک و ریب

اسلیے مین نے یہ رسالہ محض قربۃً للہ تحریر کیا تاکہ تمام مسلمانون کو معلوم ہو کہ **اصل سنت رسول طہارت بول** کے بارے مین یہی ہے کہ پانی سے اسکی طہارت کی جاے نہ کلوخ وغیرہ سے جو بدعت ہی۔ اس رسالہ کی غرض نہ سنی کو شیعہ بنانا ہی نہ حنفی کو اہل حدیث (وہابی وغیرہ) بلکہ یہ مقصود ہی کہ ہر فرقہ یا ہر شخص اپنے مذہب پر باقی رہ کر بھی اتباع سنت کر سکتا ہی جس سے علاوہ قومی اتحاد کے یہ فائدہ ہوگا کہ کتاب و سنت پر کچھ تو عمل ہو جائیگا۔ اور مخالفین اسلام کی نظرون مین معلوم ہوگا کہ کل مسلمان ایک شریعت کے پابند ہین اور خدا اور رسول واحد کے پیرو ہین۔ محض اسی خیال سے یہ رسالہ لکھا گیا کہ لوگ بدعت سے بچین اور سنت کے عامل ہون۔ کیونکہ نماز اہل حدیث کے یہان اصول دین مین داخل ہی اور وہ بغیر طہارت ہو نہین سکتی۔ لہذا کل مسلمانون پر فرض ہی کہ وہ سنت کی پیروی کرین اور بدعت سے جو ضلالت ہی پرہیز کرین اسلیے محض اُنھین کتابون سے استدلال کیا جائے گا جو تمامی اہل سنت کے یہان نہایت صحیح و مستند مانی جاتی ہین اور کسی کو اُسکے اعتبار و اعتماد مین عذر نہین ہو سکتا۔

ہم جب اُن مسائل پر نظر ڈالتے ہین جنمین دو اسلامی فریق حنفی۔ وہابی لڑے مرتے ہین عدالتون تک جاتے ہین تو سخت حیرت ہوتی ہی کہ ان مسائل مین

کیون اسقدر کج بحثیان ہو رہی ہین مثل رفع یدین۔ امین بالجھر وغیرہ کے جو محض مہمل ہین۔ یا نماز مین ٹخنون کے چھپانے اور نہ چھپانے مین لڑتے ہین یا یہ کہ عیدین کی نماز صحرا مین ہونی چاہیئے یا مسجد مین۔ اور ایسے مسائل سے کوئی بحث نہین کرتا جس سے روزہ نماز حج وغیرہ سب باطل ہو یعنی طہارت جسپر تمام مسلمانون کا اتفاق ہو کہ بغیر اُسکے نہ آمین بالجہر والون کی نماز درست ہو سکتی ہے۔ نہ آمین بالاخفات والون کی نہ رفع یدین کرنیوالونکی نماز صحیح ہو سکتی ہے نہ اُسکے مخالف کی۔

افسوس طہارت ایسے عظیم الشان مسئلہ سے یون چشم پوشی کیجاے اور کسیکو اسکا خیال نہو حالانکہ خداوند عالم کسقدر اس بارے مین تاکید فرماتا ہے کہین تو فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المتطھرین فرماتا ہے اور کہین ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مسئلہ طہارت کیسا اہم اور ضروری ہو جسکے بارے مین اسقدر تاکید ین خود خداوند عالم فرماتا ہو۔ اور کل علماو محدثین وفقہانے شریعت کی کتابون مین اسی کو مقدم رکھا ہے مگر افسوس کہ اہل سنت کے طرز عمل سے اس طرح کی بے پروائی ظاہر ہوتی ہے کہ آپ فریقین (حنفی ووہابی) کے معرکہ کارزار مین کبھی ان بحثون کو آتے نہ دیکھین گے۔ اسلیے ہین نے عام طور پر فریقین کو مخاطب بنانا چاہا کہ شاید اسکی ضرورت محسوس ہو اور طہارت کا خیال آے کہ اس مین اتباع سنت ضروری ہی کیونکہ خدانے مشرکون کو نجس فرماکر اس طرح علحدہ کیا کہ کسی طرح ان کے طہارت کی بغیر قبول اسلام امید ہی نہین کی جاسکتی۔ اب اگر مسلمان لوگ بھی پابند طہارت نہ ہون گے تو مس قرآن کیونکر کر سکتے ہین جس کے بارے مین فرماتا ہے لایمسہ الا المطھرون۔ پھر اس طہارت ہمہ نجاست کے ساتھ اگر مس قرآن کیا تو گناہگار ہوے۔ اور

نماز پڑھائی تو اور بھی خطا کار۔

پہلے ہم کو نہایت افسوس سے یہ دکھانا پڑتا ہے کہ اس کلوخ مین اہلسنت تمامتر سنت کے خلاف بلکہ بدعت کے مطابق عمل کرتے ہین حضرت حجۃ الہند شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب ازالۃ الخفا مین ایک خاص رسالہ لکھتے ہین۔ جس مین خلیفہ دوم کے مذہب خاص اور اجتہادات خاصہ کو جمع کرتے ہین اس مین رقم طراز ہین۔

مذھب ابوبکر عن یسار بن نمیر کان عمر اذا بال مسح ذکرہ بحائط او بحجر ولم یمسہ بماء قلت اجمع علی ذلک علماء اہل السنۃ ولیس فیھا حدیث مرفوع وانما ھو مذھب عمر قیاسا علی الاستنجاء من الغائط اطبق علی تقلیدہ العلماء صـ مقصد ۲۔

یعنی ابوبکر نے یسار ابن نمیر سے روایت کی ہے کہ عمر جسوقت پیشاب کرتے تھے تو مسح کرتے تھے اپنے ذکر کو کبھی دیوار سے یا پتھر سے اور اوسکو پانی سے نہین دھوتے تھے شاہ صاحب کہتے ہین کہ اسپر اجماع کیا ہے علماے اہل سنت نے حالانکہ اس بارے مین ہرگز ہرگز کوئی حدیث مرفوع نہین ہے یہ فقط مذہب عمر ہے بنا بر قیاس استنجا من الغائط کے اور کلوخ لینے پر اتفاق کیا ہے بالاطباق تمام علمانے اس عبارت پر بطور فائدہ لکھا ہے۔ **استنجا بکلوخ بعد پیشاب سنت عمر است**

اور مولوی عبد الحی صاحب حاشیہ شرح وقایہ مین لکھتے ہین۔

واما فی البول فالغسل بالماء ثابت بھذہ الروایۃ واما استعمال الحجر فیہ فلم اطلع علی حدیث صریح یدل علیہ ان النبی فعلہ نعم ثبت ذلک صریحا عن عمر انہ کان یبول ویمسح ذکرہ بحجر او تراب لم یمسہ الماء اخرجہ عبد الرزاق فی مصنفہ وابو نعیم فی الحلیہ والطبرانی فی الاوسط یعنی پیشاب کی طہارت پانی سے تو اس روایت سے

ثابت ہے مگر کلوخ لینا حضرت کا کسی حدیث صریح سے نہین معلوم ہوتا کہ حضرت نے کبھی کلوخ لیا ہو۔ پھر لکھتے ہین ہان فعل عمر سے البتہ بصراحت ثابت ہو کہ وہ جب پیشاب کرتے تو پتھر یا خاک سے پونچھ ڈالتے اور پانی سے نہین طہارت کرتے جیسا کہ مصنف عبد الرزاق حلیہ الاولیا ابو نعیم واوسط طبرانی مین مذکور ہے پس معلوم ہوا کہ حضرات اہلسنت باالتفاق سنت عمری کے عامل ہین اور اس مادہ مین کوئی حدیث نہین ہے اسپر بھی دعواے عمل بر سنت رسول موجب حیرت فحول ہو اب نہ معلوم کہ اسکو بھی احداث یعنی بدعت فی الدین کہین گے یا نہین کہ صریح خلاف کتاب و سنت رسول سے ہے اور غالبا اسکے بدعت اور قابل شمار ہونے مین بھی کوئی عذر نہو کیونکہ حدیث حذیفہ سے معلوم ہے کہ تین سو آدمی اگر اس بدعت کی پیروی کرین تو قابل شمار ہے اور اس بدعت کے تابع و مقلد تو تمامی اہل سنت ہین۔

اگرچہ اس تصریح کے بعد اسکی ضرورت نہین کہ ہم اس فعل کے جواز و عدم جواز کی بحث کرین کیونکہ باتفاق تمامی اہل اسلام مسلم ہے کہ خدا و رسول کے سوا بلکہ بجز خداوند عالم کسی کو احکام تشریعی مین دخل نہین نہ کسی کے حکم پر کوئی عمل کر سکتا ہے۔ پھر صرف اجتہاد یا قیاس یا مذہب عمری پر کوئی مسلمان کیونکر عمل کر سکتا ہے حالانکہ تمام نصوص صریحہ سنت رسول کی ہمارے پاس موجود ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کا طرز عمل اس بارے مین کیا تھا۔ اسکے برخلاف سنت عمری پر عمل کرنا کیونکر جائز ہے پہلی تفسیر آیہ فیہ رجال یحبون ان یتطہروا واللہ یحب المطہرین ملاحظہ ہو معالم التنزیل مین ہے عن ابی ہریرۃ عن النبی ؑ قال نزلت ھذہ الایہ فی اھل قبا فیہ رجال یحبون ان یتطہروا

ملہ ذوالفقار حیدر جلد ثانی و ثالث ملاحظہ ہو۔ ملہ ملاحظہ ہو رسالہ الوضو ۱۲

قال هم كانوا يستنجون بالماء نزلت فيهم الآیه - ابوہریرہ سے روایت ہی رسول اللہ صلعم سے کہ یہ آیت نازل ہوئی اہل قبا کی تعریف مین وہ لوگ استنجا کرتے تھے پانی سے قال عطا كانوا يستنجون بالماء ولا ينامون الليل على جنابة - کہا عطا نے کہ وہ لوگ استنجا کرتے تھے پانی سے اور حالت جنابت مین شب کو نہ سوتے تھے جبتک غسل نہ کرلین صہ ۲۳۱

اور تفسیر آیہ واذابتلی ابراهیم ربہ بکلمات فاتمهن مین لکھا ہے قال طاوس عن ابن عباس ابتلاه الله بعشرة اشياء وهى الفطرة خمس فى الراس قص الشارب والمضمضه والاستنشاق والسواك وفرق الراس وخمس فى البدن تقليم الاظفار ونتف الابط وحلق العانه والختان والاستنجاء بالماء صہ ۲۲

طاوس ابن عباس سے روایت کرتے ہین کہ خدا نے حضرت ابراہیم کی آزمائش لی دس چیزون مین جو مطابق فطرت ہین شارب ترشوانا مضمضہ کرنا ناک مین پانی دینا مسواک کرنا - سر کے بالون کا جدا کرنا (مانگ نکالنا) اور پانچ چیزین تمام بدن مین ہین ناخون ترشوانا - بغل کے بالون کا صاف کرنا حلق عانہ - ختنہ کرنا - آبدست لینا پانی سے - ان آیتون سے اتنا تو بالیقین ثابت ہوا کہ خداوند عالم اُن لوگون کی مدح و ثنا کر رہا ہے اور اپنی محبت ظاہر کرتا ہو اُنسے جو پانی سے استنجا کرتے ہین -

تو اب کون مسلمان ہوگا جو اسکی نہ خواہش کریگا کہ ہم بھی ایسی طہارت کے پابند ہون جس سے حبیب خدا بن سکین اور وہ طہارت یہی پانی والی ہو پاخانہ اور پیشاب مین علامہ شیخ علی دوہ کتاب محاضرات الاوائل والاواخر مین تاریخ القدس سے ناقل ہین اول من استنجى بالماء ونتف الابط ابراهيم صہ ۵ کہ سب سے پہلے جسنے پانی سے استنجا کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہین تو اب کوئی مسلمان اِس سنت ابراہیمی سے کیونکر عدول کرسکتا ہو جسکی تجدید کی سنت محمدی نے اور خداوند عالم فرماتا ہو ومن

یرغب عن ملة ابراهیم الا من سفه نفسه پس باوجود ملاحظہ ان آیات و
احادیث صریحہ کے اس سے مخالفت کرنا اور سنت عمری پر عمل کرنا کیا حکم من
سفه نفسه مین نہین داخل ہوگا۔ اب اسکے بعد وہ روایتین ملاحظہ ہون جن سے
معلوم ہو کہ طہارت بول (پیشاب) کے بارے مین کسقدر تاکید ہے اور
عذاب قبر زیادہ تر اسی سبب سے ہوتا ہے کہ لوگ پیشاب سے احتراز نہین کرتے
صحیح بخاری مین ہے باب من الکبائر ان لا یستتر من بوله حدثنا عثمان قال
ثنا جریر عن منصور عن مجاهد عن ابن عباس قال مر النبی ﷺ
بحایط من حیطان المدینة او مکة فسمع صوت انسانین یعذبان
فی قبورهما فقال النبی ما یعذبان
فی کبیر ثم قال بلی کان احدهما
لا یستتر من بوله وکان الآخر
یمشی بالنمیمة ثم دعا بجریدة
فکسرها کسرتین فوضع علی کل
قبر منهما کسرة فقیل له یا
رسول الله لم فعلت هذا قال
لعله ان یخفف عنهما ما لم
تیبسا ص ۱۵۹
ایضا باب ما جاء فی غسل البول ص ۱۶
ایضا باب ص ۱۶۰

ابن عباس سے روایت ہے کہ گذر ہوا
رسول اللہ ﷺ کا ایک باغ خرما مین باغہاے
مدینہ سے اور سنی آواز دو آدمیون کی
جنپر عذاب ہو رہا تھا انکی قبرون مین
تو فرمایا حضرت نے دونون عذاب
کیے جا رہے ہین۔ اور نہین عذاب
ہوتا ہے انپر کسی بڑے امر مین پھر
کہا ہان ایک ان دونون سے نہین پرہیز
کرتا تھا اپنے بول سے۔ اور
دوسرا چغلی کھاتا تھا پھر منگائی ایک
ڈالی تر خرما کی اور اسکو دو ٹکڑے
کرکے دونون قبرون پر رکھدیا پس کہا کسی نے کیون ایسا کیا یا
رسول اللہ تو فرمایا شاید کم کردیا جاے عذاب ان دونون کا جبتک یہ دونون
لکڑی خشک نہ ہوجائین۔
اسکی شرح مین حافظ ابن حجر لکھتے ہین جسکا خلاصہ بقدر ضرورت عرض کیا جاتا ہے

اعمش کی روایت مین ہی ھی بقبرین اور ماجہ مین ہی جدیدین (دونون قبرین
تازہ تھین) ابن بطال نے استدلال کیا ہی کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ
عذاب صرف گناہ کبیرہ ہی سے نہین بلکہ گناہ صغیرہ پر بھی عذاب ہوتا ہے
کیونکہ بول سے احتراز کرنے کے بارے مین کوئی حدیث (خوف دلانے کی)
اسکے پہلے نہین وارد ہوئی تھی (تو کیا اسکے قبل جتنی آیتون مین حکم طہارت مذکور
ہے اسکی تعلیم رسول اللہ نے نہین کی تھی) اور اسمین بھی اختلاف ہی کہ
حضرت نے جو فرمایا وانہ لکبیر۔ تو اس سے کیا مراد ہے ابو عبد الملک
یون کہتا ہے کہ ممکن ہے حضرت نے اُسکو پہلے گناہ کبیرہ نہ سمجھا ہو بعد
اسکے وحی نازل ہوئی کہ یہ کبیرہ ہے۔ لہذا اسکی تلافی کی کہ بلیٰ (کیا اچھی
قدردانی علم رسول ہے) (۲) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہ لکبیر کی ضمیر عذاب
کی طرف پھرتی ہو جیسا کہ صحیح ابن حبان مین ہے حدیث ابو ہریرہ سے
کہ ان دونون پر عذاب شدید ہوتا تھا ہلکے گناہ مین (۳) یہ بھی ہوسکتا ہی
کہ ضمیر نمیمہ کی طرف پھرتی ہو جو دونون گناہون سے ایک گناہ ہے اور
وہ کبیرہ ہے بخلاف کشف عورت کے (جسکے مطلب یہ ہوے کہ بول سے
پرہیز نہ کرنے پر عذاب نہین تھا بلکہ نمیمہ پر عذاب ہوتا تھا۔ حالانکہ حضرت
بتصریح فرماتے ہین بلی کان احدہما لایستتر من بولہ یعنے
ایک ان دونون سے جنپر عذاب ہو رہا ہے پیشاب سے احتراز نہین کرتا تھا
بہرحال خود حافظ ابن حجر اس احتمال کو رد کرتے ہین) (۴) داودی و ابن عربی
نے کہا ہی کہ حضرت نے جو اسکے کبیرہ ہونے کی پہلے نفی کی تو مُراد اس سے
یہ ہی کہ اکبر کبائر سے نہین ہے مثل قتل وغیرہ کے اگرچہ خود فی الجملہ
کبیرہ ہے (۵) یہ کہ بصورت ظاہری وہ کبیرہ نہین ہے۔ مگر گناہ کی حیثیت
سے کبیرہ ہے (۶) یہ کہ اُن لوگون کے نزدیک (جنپر عذاب ہو رہا ہے)
یا مخاطبین کے نزدیک وہ کبیرہ نہین ہے مگر خدا کے یہان کبیرہ ہے

جیسا کہ خدا نے فرمایا و یحسبونہ ھینا وھو عند اللہ عظیم (وہ لوگ اُسے ہلکا گمان کرتے ہین حالانکہ خدا کے نزدیک وہ عظیم ہے ۔) یہ مراد ہی کہ پیشاب سے احتراز کرنا اور پرہیز کرنا کچھ بڑی بات نہ تھی اگر کوئی مشقت ہوتی ہو (بلکہ بہت آسان ہے اسپر بھی اسکا خیال نہ کیا) بغوی وغیرہ نے اسی احتمال کو یقینی کہا ہے اور ابن دقیق العید وغیرہ نے اسکو ترجیح دیا ہے (۸) یہ بھی محتمل ہے کہ اسکے کبیرہ ہونے کی نفی اسوجہ سے کی کہ صرف پرہیز نکرنا بول سے کبیرہ نہین ہے۔ مگر اسپر اصرار اور مواظبہ کرنا البتہ کبیرہ ہے۔ چنانچہ اسکی تائید بھی خود ان روایتون سے ہوتی ہے جن سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ اُن لوگون کو یہی عادت تھی تمام ہوا ترجمہ ابن حجر بقدر ضرورت۔

ان اختلافات کی نقل سے ہمارا مطلب صرف اسقدر ہی کہ اہل سنت کو معلوم ہو کہ نجاست بول سے پرہیز نکرنا باعتراف انکے علما کے گناہ کبیرہ ہے خواہ بوحی اسکا علم ہو یا اُن مردون کے اور مخاطبین کے اعتقاد مین وہ گناہ کبیرہ نہو۔ حضرت عمر نے اسکو ایسا خفیف بنایا کہ اب کوئی شخص اسکو گناہ صغیرہ بھی نہین جانتا چہ جائیکہ کوئی گناہ کبیرہ سمجھے۔

پھر لکھتے ہین ور اکثر روایتون مین لایستتر ہے تو مراد اس سے یہی کہ وہ اپنے اور بول کے درمیان مین ستر نہین کرتا تھا یعنی پرہیز نہین کرتا تھا اس صورت مین وہ روایت بھی اسکے مطابق ہو جائیگی جس مین لایستتر ہے کیونکہ تنزہ کے معنی دوری کے ہین اور روایت ابن عساکر مین لایستبری ہی استبرا سے کہا ابن دقیق العید نے کہ سیاق حدیث دلالت کرتا ہے اسپر کہ بول کو عذاب قبر سے خاص لگاؤ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حدیث کے فقرہ لایستتر سے کشف عورت نہین مراد ہے کیونکہ صحیح ابن خزیمہ مین ہے ابوہریرہ سے کہ اکثر عذابِ قبر

بوجہ پیشاب کے ہے یعنی بہ سبب بے احتیاطی اور پرہیز نہ کرنے کے پیشاب سے چنانچہ ابو بکرہ کی روایت کہ ایک ان مین سے پیشاب کے بارے مین عذاب کیا جاتا تھا۔ اسی کی مؤید ہے جیسا کہ امام احمد و ابن ماجہ نے روایت کی اور طبرانی نے بھی مثل اسکی انس سے روایت کی ہے۔ افسوس ہے کہ ان شارحین نے یہ نہ لکھا کہ وہ کس طرح کی بے احتیاطی کرتے تھے جس سے اُنپر عذاب قبر ہوا کیونکہ یہ تو ہو نہین سکتا وہ صحابی اس پیشاب کو پاک سمجھتے ہون جسکی نجاست[سلہ] ضروری دین سے ہی جسکا منکر کافر ہے اور وہ لوگ ایک زمانہ تک صحبت رسول سے مستفید ہوتے رہی کیونکہ ایک راوی اس روایت کے حضرت ابو ہریرہ بھی ہین جو ۷ھ کے بعد ایمان لائے۔ لہذا یہ گمان تو ہو نہین سکتا کہ وہ مطلقا اسکی طہارت نہ کرتے ہون چنانچہ الفاظ حدیث بھی اسپر دال ہین۔ تو ضرور ہوا کہ ان لوگون کی طہارت یہی ہوگی کہ مطابق مذہب حضرت عمر کلوخ لیتے ہون اور یہی باعث عذاب قبر ہوا کیونکہ یہ طہارت مطابق شریعت نہ تھی

اسکے بعد اس جملہ کی شرح مین کہ حضرت نے درخت خرما کی تر ڈالی منگا کر دونون قبرونپر رکھ دی لکھتے ہین وہ جو کچھ مسلم[سلہ] نے جابر سے اس بارے مین روایت کی ہے ایک طولانی حدیث مین کہ جابر ہی دونون ڈالیان کاٹ لائے۔ تو یہ دوسرا واقعہ ہے کیونکہ اولا بخاری والی روایت کا قصہ خاص مدینہ کا ہے کہ بہت سے صحابہ حضرت کے ساتھ تھے۔ اور مسلم والی روایت سفر سے متعلق ہے کہ حضرت پاکخانہ تشریف لے جاتے تھے اور جابر ساتھ تھے۔

سلہ دیکھو روضنہ ندیہ ۱۲ سلہ اس تقریر کی وجہ یہ ہی کہ بخاری مسلم کی حدیثون مین اختلاف تھا اسلیے یہ تقریر کی گئی کہ دونون حدیث صحیح ہی ۱۲ منہ

ثانیاً بخاری والی روایت مین یہ ہے کہ حضرت نے دو ٹکڑے کر کے دونون قبرون مین گاڑ دیا بخلاف روایت مسلم کہ اسمین حضرت نے جابر کو حکم دیا کہ اُن دونون درختون کی دو ڈالیان کاٹ لائین جسکی آڑ مین حضرت قضائے حاجت کیلیے بیٹھے تھے اسکے بعد جابر کو حکم دیا کہ داہنے بائین اُن ڈالیون کو ڈالدین جہان حضرت بیٹھے ہوئے تھے اسپر جابر نے سوال کیا تو حضرت نے فرمایا میرا گذر دو قبرون پر ہوا جسپر عذاب ہو رہا تھا۔ لہذا مین نے چاہا کہ میری شفاعت سے کچھ اُن کو تخفیف ہو جبتک دونون ڈالیان تر رہین۔ پس معلوم ہوا کہ دونون روایتین (بخاری و مسلم کی) دو واقعہ سے متعلق ہین اور کوئی تعجب نہین کہ یہ قصہ چند مرتبہ ہوا ہو چنانچہ موید اسکی روایت صحیح ابن حبان بھی ہے ابو ہریرہ سے کہ حضرت کا گذر دو قبرون پر ہوا تو وہان توقف کیا اور دو ڈالیان خرما کی منگوائین ایک کو سرہانے رکھا اور دوسری کو پیر کی طرف تو اب یہ تیسرا قصہ ہوگا۔ اور موید اسکی روایت ابو رافع بھی ہے کہ حضرت نے دو ٹکڑے کر کے ایک سر کی طرف رکھا اور دوسرا پیر کی طرف اور قصۂ واحدی مین ہے (جس مین ایک ہی قبر کا ذکر ہے) کہ حضرت نے ایک نصف تو سرہانے رکھا اور دوسرا نصف پیر کی طرف اور قصہ اٰخین مین ہے کہ ہر قبر پر ایک جریدہ رکھوایا۔

نفرہ مالم ییبسا کی شرح مین لکھتے ہین وہ کہا مازری نے ممکن ہے کہ حضرت کو وحی معلوم ہوا ہو کہ جبتک وہ دونون خشک نہونگی تخفیف عذاب رہیگی۔ اور کہا گیا ہے کہ حضرت نے اتنی مدت کے لیے شفاعت کی ہو کہا خطابی نے کہ حضرت نے دعا کی ہوگی تخفیف کی جبتک تری رہے نہ یہ کہ جریدہ کو کوئی خصوصیت ہو یا تر کو زیادہ خصوصیت بہ نسبت خشک کے (یہ سب عقلی تکے ہین گویا فعل رسول عبث تھا اور یہ سب اہتمام لغو تھا معاذ اللہ من ذلک) اور کہا گیا ہے کہ جب تک جریدہ مین

تری رہتی ہے تسبیح خدا کرتا ہے تو برکت تسبیح سے تخفیف عذاب ہوتا ہی (نہ نفس جریدتین سے یہ صریح مخالفت نص رسول ہے اسیوجہ سے ابن حجر فرماتے ہین) اگر یہ مانا جاوے کہ جتنے درخت ہین سب اُسمین شریک ہین جو تر ہونگے اور یہی حال ہی اُن چیزون کا جن مین برکت ہے مثل ذکر تلاوت قرآن کے تو اس سے بدرجہ اولی تخفیف عذاب ہوگا۔

کہا طیبی نے اسکی حکمت ہمکو معلوم نہین کیون تری رہنے سے عذاب نہوگا جیسا کہ زبانیہ کی تعداد نہین معلوم۔

اور مستنکر (ناجائز) جانا ہی خطابی نے جریدتین رکھنے کو قبر پر بنیاد اس روایت کے (کیونکہ فعل رسول ہی!)

کہا طرسوسی نے (وجہ استنکار یہ ہین) اسوجہ سے کہ یہ برکت خاص تھی حضرت کے ہاتھ کے ساتھ۔ کہا قاضی عیاض نے اسوجہ سے جریدتین کا رکھنا مستنکر ہے کہ حضرت نے خبر غیب بیان کی کہ چونکہ اُنپر عذاب ہورہا تھا اسوجہ سے جریدتین گاڑدی گئی۔ تو چونکہ یہ امر غیب سے متعلق تھا کہ حضرت کو معلوم ہوا لہذا اب ایسا نہ کرنا چاہیے (کیا معلوم کہ اب عذاب ہوتا ہے یا نہین) (قلت) ابن حجر کہتے ہین کہ ہمارے اس نہ جاننے سے کہ عذاب ہوتا ہی یا نہین یہ ضرور نہین ہے کہ وہ کام نہ کرین جس سے تخفیف عذاب ہو جیسا کہ حال رحمت خدا نہ جاننے سے یہ نہین ہوسکتا کہ ہم دعاے رحمت نہ کرین اور نیز سیاق روایت مین بھی یہ نہین ہے کہ حضرت نے یہ کام کیا ہو بلکہ محتمل ہے کہ حضرت نے اسکا حکم دیا ہو۔ چنانچہ اسکی تاسی کی بریدہ بن حصیب صحابی نے کہ وصیت کی اسکی کہ ان کی قبر پر دو جریدہ رکھا جاوے جیسا کہ باب جنائز مین مذکور ہوگا تو وہ زیادہ مستحق ہین اسکے کہ پیروی کیجاے اُنکی صہ ۱۶۰

ان روایات اور اقوال سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اہل سنت مین کس درجہ دیانت داری ہی اور خدا ترسی اور کس درجہ اتباع سنت رسول ہے کہ حضرت تو اس درجہ

امین تاکید فرمائین کہ ایک مرتبہ نہین بلکہ خود چند مرتبہ کرکے دکھائین۔ اور لوگون کو بتائین اور یہ حضرات اسکو خلاف عقل سمجھین اور قابل مضحکہ جانین اور صرف اسوجہ سے کہ اس کی حکمت اُن کی سمجھ مین نہین آتی اس سنت کو موقوف کردین۔ حالانکہ خود ناقل ہین کہ حضرت بریدہ بن حصیب صحابی نے اسکی وصیت کی مگر لوگ بمخالفت حکم رسول اسکو مستنکر اور ناجائز جانین **اس سے بڑھکر اتباع سنت رسول کی کیا دلیل ہوسکتی ہے۔**

افسوس کہ اصول دین مین جہان اجتہاد واجب ہو یہ لوگ عقل کو اسدرجہ معطل کردیتے ہین کہ کوئی اُسکو تمیز ہی نہین رہتی نہ کسی چیز کا اسکو حسن معلوم ہوتا ہے نہ قبح۔ اور عبادات مین جہان صرف تعبد درکار ہے وہان یہ لیت و لعل کیا جاوے کہ اسکی حکمت نہین سمجھ مین آتی مصلحت اسکی نہین معلوم ہوتی۔ لہذا اسکو ترک کرنا چاہیے اور قبیح و مستنکر سمجھنا چاہیے اسپر مدعی ہین اتباع سنت کے حالانکہ امام نووی شرح صحیح مسلم مین اسی جریدتین کے بارے مین لکھتے ہین واذا کان العقل لا یحیل جعلہا لتمیز فیہا وجاء النص وجب المصیر الیہ صلاہا یعنی جب عقل پورے طور پر اسکی مصلحت کو دریافت نہین کرسکتی اور نص صریح موجود ہے تو اسکی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ یعنی جریدتین کا استعمال کرنا چاہیے۔

جس باب جنائز کا اشارہ ابن حجر نے کیا ہے اُسکی حالت یہ ہو کہ امام بخاری نے ایک خاص باب اسکے لیے قرار دیا باب الجریدۃ علی القبر واوصی بریدۃ الاسلمی ان یجعل فی قبرہ جریدان صلاہ ۶۹۹ حافظ ابن حجر اسکی شرح مین لکھتے ہین وصیت کی بریدہ نے کہ جریدتین انکی قبر مین رکھی جائین۔ اور موت اُن کی ادسے خراسان مین ہوئی ابن مرابط وغیرہ نے کہا ہے کہ محتمل ہو کہ بریدہ نے اسکا حکم دیا ہو کہ ظاہر قبر مین دو جریدے گاڑ جائین

جائین بغرض اقتدائے فعل نبی کہ حضرت نے بھی جریدتین کو قبر پر رکھا تھا اور یہ بھی احتمال ہے کہ بریدہ نے قبر کے اندر رکھنے کا حکم دیا ہو کیونکہ درخت خرما مین خاص برکت ہے بسبب قول حق تعالی کشجرۃ طیبۃ کے مگر احتمال اول زیادہ ظاہر ہے اور موید اسکا بھی ہی کہ مصنف نے آخر باب مین اس حدیث کو وارد کیا اور بریدہ نے اس حدیث کو عام سمجھا کہ ہر شخص کو ایسا کرنا چاہیے نہ یہ کہ خاص ہوا نھین دونون قبرون سے جنپر عذاب ہوتا تھا۔

اسکے بعد یہ واقعہ لکھا ہے کہ عائشہ نے اپنے بھائی عبد الرحمن بن ابی بکر کی قبر پر ایک خیمہ نصب کرایا اور ایک خادم کو اسکی حفاظت کے لیے مقرر کیا جب ابن عمر آئے تو انھون نے خیمہ کو اکھڑوایا اور کہا اسکا عمل سایہ افگن ہوگا چونکہ اس واقعہ سے ہم کو غرض نہین ہے لہذا پہلی روایت بخاری کے بقیہ شرح کی طرف رجوع کرتے ہین۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہین کہ اسمین اختلاف کیا گیا ہے کہ جن مردونپر عذاب ہو رہا تھا قبر مین وہ کافر تھے یا مسلمان ابو موسی مدینی نے تو اسکا یقین کیا ہے کہ وہ کافر تھے اور ابن عطار کا جزم اسپر ہے کہ وہ مسلمان تھے ورنہ حضرت تخفیف عذاب کے لیے کیون دعا کرتے ابن حجر لکھتے ہین کہ حدیث کے مجموعی طریقون سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دونون قبرین مسلمانون کی تھین کیونکہ ابن ماجہ کی روایت مین ہے مر بقبرین جدیدین فانتفی کونھما فی الجاھلیہ کہ وہ دونون قبرین تازہ تھین تو معلوم ہوا کفار زمانۂ جاہلیت کی قبرین نہ تھین۔ اور حدیث ابو امامہ مین ہے بروایت احمد کہ حضرت کا گذر قبرستان بقیع مین ہوا تو پوچھا آج کسکو تم نے یہان دفن کیا ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ دونون مسلمان تھے کیونکہ بقیع مسلمانون کا قبرستان تھا اور خطاب بھی حضرت نے مسلمانون سے کیا اور روایت ابو بکرہ نزد احمد

وطبرانی بھی اسی کی موید ہے جو بسند صحیح ہے کہ وہ دونون سلمان تھے
کیونکہ حضرت نے فرمایا ان دونون پر کسی بڑے امر کے سبب سے نہین
عذاب ہوتا۔ صرف غیبت اور بول کے سبب سے عذاب ہورہا ہے تو اس
حصر سے بھی معلوم ہوا کہ وہ مسلمان تھے کیونکہ کافر پر گو بسبب ترک
احکام اسلام بھی عذاب ہوتا ہے مگر کفر پر عذاب ہونا یقینی ہے یہانتک
لکھکر فرماتے ہین اس حدیث مین بہت سے فائدے ہین ایک یہ کہ عذاب
قبر اس سے ثابت ہی دوسرے اسمین تحذیر (یعنی ممانعت ہے) ملابسہ بول سے
اور ملحق ہے اسکے ساتھ دوسری نجاستین بھی بدن کی ہون یا لباس
کی انتہی صفحہ ۱۶۰۔

اگرچہ ان عبارتون کی نقل مین کچھ طول ہوا مگر اس سے چند فائدے
حاصل ہوے۔

اول یہ کہ پیشاب سے احتراز کرنا اور اسکی نجاست کا خیال نہ کرنا ایسا گناہ
کبیرہ ہے کہ حضرت کو وحی کے ذریعہ سے اطلاع دیگئی تو اب حضرت عمر
کا اس کی مخالفت کرنا کسدرجہ ایمان داری کی دلیل ہے
اور ائمہ اربعہ کا بلا اختلاف اسے قبول کر لینا کسدرجہ مخالفت
سنت کی دلیل ہے۔

دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس امر مین متابعت سنت رسول کرنا کیسا
آسان ہے کہ بول کی طہارت کر لیا کرین۔ مگر اسمین بھی سنت رسول کی پیروی
نہین کی جاتی تو امور مہمہ مشکلہ مین کیا اُمید ہو سکتی ہے اور جب ایسی باتون
مین حضرت عمر نے مخالفت رسول کی اور اپنے اسلاف کی اتباع کو مقدم
سمجھا تو جن امور مین کہ نفع دنیوی مترتب تھا کیون نہ مخالفت رسول کو
ضروری سمجھین گے

تیسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ خود حضرت کے صحابی پر اسی وجہ سے عذاب قبر ہوا

کہ وہ لوگ پیشاب سے پرہیز نہ کرتے تھے کیونکہ علاوہ روایات کے خود حافظ ابن حجر
نے تصریح کردی کہ وہ سب مسلمان تھے جو قبرستان بقیع مین مدفون ہوے
تو پھر دوسرے صحابہ پر بھی اسیوجہ سے ضرور ہو سکتا ہے خصوصًا اس
شخص پر جس کی راے و قیاس نے نجاست بول سے احتراز
کرنے کو کم کردیا۔ اس روایت نے اہل سنت کے اُس عقیدہ کی اچھی طرح
قلعی کھولدی جو اپنے صحابہ کے بارے مین کہتے ہین کہ سب مغفور ہین
اور سب بہشتی ہین۔

چوتھے یہ کہ حضرت نے ایک ہی دفعہ نہین اسکو ظاہر کیا بلکہ مکرر سہ کرر
جسکے چند قصون کا اقرار ابن حجر کو بھی ہے حضرت نے ظاہر فرمایا کہ بسبب اجتناب
نہ کرنے کے بول سے انپر عذاب قبر ہو رہا ہے مگر حضرت عمر نے مطلقاً نہ خیال کیا
اور کلوخ کو جاری کیا اور تمامی اہل سنت نے بلا اختلاف اسے قبول کیا۔

پانچوین یہ کہ ان لوگون نے عام طور پر اس فعل رسول کو لغو سمجھا کہ جریدتین
سے عذاب قبر مین تخفیف ہوتی ہے کہ کسی نے کچھ تاویل کی کسی نے کچھ
بات بنائی مگر کسی طرح ان کی عقل مین یہ بات نہ آئی کہ جریدتین سے کیون
تخفیف عذاب ہوتا ہے کہ آخر اُس سے ممانعت کردی گئی اور کسی شخص کو
اہل سنت سے جریدتین نہین دیا جاتا بلکہ شیعون کی اس پابندی سنت پر
اعتراض کرتے ہین حالانکہ خود اسکے بھی مادی ہین کہ علاوہ سنت رسول
حضرت بریدہ صحابی نے بھی اسکی وصیت کی کہ انکی قبر مین جریدتین رکھی
جائین تو اگر درحقیقت یہ حضرات متبع سنت رسول ہوتے تو
ضرور اسپر عمل کرتے جسمین حضرت نے نہایت درجہ اہتمام اور مبالغہ فرمایا
بلکہ اگر سنت صحابہ کے بھی متبع ہوتے تو فعل حضرت بریدہ صحابی کی
تقلید کرتے جیساکہ حافظ ابن حجر نے کہا کہ انکا فعل زیادہ تر قابل اتباع ہی
اور ان چیزون کو کرنا چاہیے جس سے تخفیف عذاب مترقب ہی۔

تو اب بدیہتہً یہ بات ثابت ہوئی کہ حضرات اہل سنت اصل مین تبع سنت رسول نہین ہین بلکہ سنت عمری کے پیرو ہین جبھی اس درجہ کلوخ لینے مین کد کرتے ہین جو صرف حضرت عمر کا فعل ہے اور جریدتین کا کبھی اپنے مردون مین استعمال نہین کرتے حالانکہ یہ سنت رسول و عمل حضرت بریدہ ضرورت اس کی ثابت ہی مگر چونکہ حضرت عمر نے یا انکے پیروون نے اسکو لغو سمجھا لہذا آجتک یہ سلسلہ انکے یہان مطرود ہے گو امام بخاری اسکے لیے خاص باب ہی مقرر کرین۔ فعل حضرت بریدہ نے اور اہل سنت کی مخالفت نے انکے طرز عمل سے اور بھی اس خیال کو پختہ کر دیا کہ مقصود اصلی انکا اتباع سنت رسول نہین ہے کیونکہ حضرت بریدہؓ صحابی اُن لوگون سے ہین جنکا میلان اہلبیت طاہرین

---

۵۱ نام انکا بریدہ ہے ابن حصیب اسلمی اسلام تولائے تھے قبل جنگ بدر جنگ حدیبیہ مین شریک ہوے اور بیعت الرضوان مین داخل تھے مدینہ مین سکونت تھی پھر بصرہ گئے بعدہ خراسان اور مرو مین وفات پائی بزمانہ یزید بن معاویہ دیکھو استیعاب جلد اول صفحہ ۷۱ حدیث دلالت ان علیا منی وانا من علی وھذا ولی کل مومن من بعدی انھین سے زیادہ مشہور ہے روضۃ الصفا مین ہی ہم صاحب غنیہ گوید کہ بعض گفتہ اند کہ بریدہ بن الحصیب اسلمی علم مرتب داشتہ بمدینہ آورد و بر در سرای مرتضی علی نصب کرد عمر ابن الخطاب بااین معنی وقوف یافتہ و باو خطاب کرد کہ ہمہ خلق بابی بکر بیعت کردہ اند تو چرا مخالفت میکنی جواب داد کہ ما بغیر صاحب این بیت با دیگرے بیعت نمیکنم بعد ازان صحابہ مجمع ساختہ بریدہ را طلب کردند بریدہ حاضر شد از وی استفسار نمودند کہ حال تو چیست کہ امثال این کلمات از تو نقل میکنند بریدہ جواب داد کہ نوبتے حضرت پیغمبر مرا با خالد بن الولید با طائفہ ہمراہ علی ابن ابیطالب بجانب یمن فرستاد بخدا سوگند دران سفر ہیچ قربے را بر قرب علی دشمن تر و ہیچ فراقے را بر فراق او دوست تر نمیداشتم چون از سفر بازگشتم اول بخدمت حضرت شتافتم آن حضرت فرمود کہ علی را چگونہ گذاشتی من بنا بر کدورتی کہ از علی در دل داشتم عیب او کردم از سخن من تغیرے بر بشرہ مبارک آنحضرت ظاہر شد فرمود اے بریدہ لتقع فی رجل منہ کا ولی للناس بکم بعدی

کی طرف زیادہ تھا۔ اور مخالفت شیخین کے علم بردار تھے اسیوجہ سے ان کا فعل قابل تقلید نہ سمجھا گیا **اب یہان ہم تمامی اہل سنت سے عموماً اور اہل حدیث سے خصوصاً بکمال ادب سوال کرتے ہین** کہ احادیث مذکورہ بالا کو ملاحظہ فرما کر انصافاً کہین کہ خدا ترسی اور دینداری اور اتباع سنت کا دعوی شیعون کو زیادہ مناسب ہے جو مطابق سنت رسول ہمیشہ بول کا استنجا پانی سے کرتے ہین اور کلوخ نہین لیتے اور مطابق سنت رسول و فعل حضرت بریدہ جریداتین کو میت کیساتھ قبر مین ضرور رکھتے ہین!! یا اہل سنت کو جو بہ سنت عمری کلوخ کے استعمال مین زیادہ مبالغہ کرتے ہین یہانتک کہ پانی موجود رہتے بھی وہ کلوخ ہی لیتے ہین۔ اور بمخالفت سنت رسول پانی سے استنجا کو لازم نہین جانتے اور بمخالفت سنت رسول و عمل حضرت بریدہ جریدتین کے استعمال کو اموات کے لیے قابل مضحکہ جانتے ہین۔

اگر صرف انھین دونون مسئلون پر کچھ بھی غور کرین گے بلکہ بنظر سرسری بھی دیکھین گے تو اُن کو صاف معلوم ہو گا کہ سنت رسول اللہ سے ہرگز ہرگز ان کو کوئی واسطہ نہین بلکہ جو کچھ ہے وہ **سنت عمری** صرف عوام کی فریب دہی کے لیے سنت رسول کا دعوے کیا جاتا ہے۔

ہان وہ لوگ یہ کہہ سکتے ہین کہ ہم اپنے اعمال کو خصوصاً ولاے شیخین کو ایسا عمل صحیح سمجھتے ہین کہ عذاب قبر کا مطلقاً خوف ہی نہین اس لیے جریدتین کی ضرورت نہین۔ مگر جس شخص کو اسکا دعوی ہو کہ ہم بندہ خدا ہین کیونکر ایسا کلمہ منھ سے نکال سکتا ہے، جو خدا اور اسکے رسول پر حشر و نشر پر ایمان لاچکا ہے اور خدا کو غفور رحیم کے ساتھ جبار و قہار بھی مانتا ہو وہ کیونکر اسکا قائل ہو سکتا ہے؟ یہ دعوی تو صرف دہریون کو ہو سکتا ہے۔ جو

نہ خدا کو مانتے ہین نہ حشر و نشر و معاد کو۔ جب ہی تو وہ پیشاب کی طہارت کو پانی سے اور جریدتین کو ایک شئے لغو سمجھتے ہین۔ کہ پیشاب سے کیا عذاب ہوگا؟ اور خرما کی ڈالی کیا تخفیف عذاب کر سکتی ہے؟ اگر پاخانہ مین بدبو نہوتی طبعی کراہت اُس سے نہ ہوتی تو اسکے بھی دھونیکی ضرورت نہ تھی جب ہی تو حضرت عمر و ابن الزبیر نے مدت العمر آبدست ہی نہ لیا۔

کیسے افسوس کی بات ہے کہ رسول اللہ کے صحابی جنھین خود صحابہ نے غسل وکفن دیا اور اگر رسول اللہ صلعم نے اُنکے جنازہ کی نماز نہ پڑھی ہو تو صحابہ نے ضرور پڑھی ہوگی۔ اور جنت البقیع مین مدفون بھی ہوئے۔ اسپر تو بوجہ نہ پرہیز کرنے کے پیشاب سے اُنپر عذاب خدا نازل ہوا اور بریدہ سا جلیل القدر ان خدمات اسلام پر خائف رہے عذاب قبر سے جو جریدتین کے لیے وصیت کر جائے۔ مگر حضرت عمر اور اُن کی امت اہل سنت ایسے خدا کے بیٹے بنے ہین کہ باوصفیکہ طہارت بول بھی نہین کرتے اسدرجہ عذاب قبر سے مطمئن ہون کہ جریدین کی بھی اُنکو ضرورت نہو بلکہ اُسکو قابل مضحکہ سمجھین۔ تو اب بجز اسکے کیا کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ اہل سنت سنت عمری کے پابند ہین لہذا اس کلوخ مین جو سنت خاص حضرت عمر کی ہے اُس مین سب متفق ہین۔ اگر سنت رسول سے مطلب ہوتا تو کسی کو ائمہ اربعہ سے اس کا خیال آتا اور اختلاف کرتے جیسا کہ دیگر مسائل مین صدہا قسم کا اختلاف کر رہے ہین جن مین کوئی بھی حدیث حضرت کی موجود ہے مگر اس مسئلہ کلوخ مین کسی کو اختلاف نہین دیکھیے سنت رسول یہ ہے صحیح بخاری مین ہے

باب الاستنجاء بالماء قال سمعت انس ابن مالک قال

كان النبى اذا خرج لحاجة اجئ انا وغلام معنا اداوة من ماء يستنجى به صـ۲٦

باب ماجاء فى غسل البول وقال النبى لصاحب لقبر كان لا يستتر من بوله ولم يذكر سوى بول الناس عن انس بن مالك قال كان رسول الله اذا تبرز لحاجته اتيته بماء فيغسل به صـ

باب حدثنا محمد بن المثنى عن ابن عباس قال مر النبى بقبرين فقال انهما ليعذبان وما يعذبان فى كبير اما احدهما فكان لا يستتر من البول واما الاخر فكان يمشى بالنميمة ثم اخذ جريدة رطبة فشقها نصفين فغرز فى كل قبر واحدة قالوا يارسول الله لم فعلت هذا قال لعله يخفف عنهما مالم ييبسا قال ابن المثنى وحدثنا وكيع قال حدثنا الاعمش سمعت مجاهدا مثله

پہلی روایت اگرچہ مطلق استنجا کے بارے مین ہے خواہ پیشاب سے ہو خواہ پاخانہ سے مگر اس کی دلالت پیشاب کے استنجا پر بھی واضح ہو جیسا کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہین واستدل البخاری بهذا الحديث على غسل البول كما سياتى

اور دوسری روایت کے بارے مین حافظ مذکور فرماتے ہین والاستدلال به هھنا على غسل البول اعم من الاستدلال على الاستنجاء تكرار فيه۔

اور تیسری روایت کے بارے مین لکھتے ہین والاستدلال به على غسل البول واضح لكن ثبت الرخصة فى حق المستجمر فيستدل به على وجوب غسل ماانتشر على المحل صـ

یہ تین روایتین صرف صحیح بخاری کی ہین جن سے وجوب غسل بول

بصراحت تمام ثابت ہوا اور دو حدیثین اسکی صحیح مسلم مین بھی منقول ہین
باب الدلیل علی نجاسة البول ووجوب الاستبراء منہ مین جس
سے عام طور پر معلوم ہوا کہ ہمیشہ حضرت کا یہی دستور تھا کہ انس وغیرہ
پانی لے جایا کرتے اور حضرت اس سے استنجا کرتے۔ اور قبل اس کے وہ
حدیثین مذکور ہوئین جن سے معلوم ہوا کہ عموم عذاب قبر اسی وجہ سے ہو کہ
لوگ استنزاہ نہین کرتے یعنی اسکی طہارت کی پرواہ نہین کرتے۔ تو اب
غور کرنا چاہیے کہ حضرت عمر نے بمخالفت نص صریح رسول اللہ اپنی امت
کے لیے عذاب قبر کا دروازہ کشادہ کیا یا نہین؟ اور اسپر عمل کرنیوالے
جن مین ائمہ اربعہ تمام وکمال شریک ہین عامل برسنت رسول ہین یا
برسنت عمر کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ نے تصریح کردی ہے کوئی حدیث
نبوی اس بارے مین نہین ہی بجز فعل عمر کے۔

رہا ابن حجر کا یہ قول والاستدلال بہ علی غسل البول واضح لکن
ثبت الرخصة فی حق المستجمر کہ اگرچہ اس حدیث سے استدلال کرنا
غسل بول پر واضح ہے مگر مستجمر (کلوخ لینے والے) کے حق مین رخصت ثابت
ہے کسدرجہ خلاف انصاف ہے کیونکہ کوئی حدیث صحیح بخاری مین یا اور
کہین اس بارے مین نہین وارد ہے کہ حضرت نے بول کی طہارت مین
استجمار کیا ہو پھر رخصت یعنی اجازت کہان سے ثابت ہوئی۔ اگر مراد رخصت
سے یہ ہے کہ فعل عمر نے اسکی رخصت دی تو صحیح ہے مگر یہ اول نزاع
ہے کہ بجز خدا و رسول کسی کے فعل کو احکام شرعی مین دخل ہے یا نہین
جسکا جواب اہلسنت ہمیشہ یہی دیتے ہین کہ جواز حرمت کسی چیز کی
بجز حکم خدا اور رسول اور کسی سے نہین ہوسکتی پھر اس کلوخ کو کیا غرض
ہے جو فعل عمر سے اسکا جواز ثابت ہو جائے۔ زیادہ تر تعجب تو اسپر ہے
کہ یہی ابن حجر اس درجہ امام بخاری کے مقلد ہین کہ بحث وضو مین

صرف اسوجہ سے کہ امام بخاری نے حدیث ابن عمر و ویل للاعقاب من النار سے استنباط کیا تھا کہ غسل قدمین کرنا چاہیے نہ مسح رجلین۔ نصوص صریحہ کتاب سے سنت کو رد کردیا اور بہ تبعیت استنباط بخاری غسل کے قائل ہوئے مگر نہ معلوم ہیان امام بخاری نے کیا قصور کیا جو ابن حجر صاحب نے صرف رد حدیث نبوی ہی پر نہین اکتفا کی بلکہ استدلال امام بخاری کو بھی رد کردیا حالانکہ انھون نے تین حدیثین اس مادہ مین لکھین اور سب کی نسبت ابن حجر صاحب اقرار کرتے ہین والاستدلال بہ علی غسل البول واضح تو اب بجز اسکے کیا کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ بحث وضو مین خدا اور امام بخاری مین اختلاف تھا اس لیے حمایت امام بخاری فرض تھی اور مسئلہ کلوخ مین چونکہ حضرت عمر اور امام بخاری مین اختلاف تھا اس لیے حمایت خلیفہ ضروری سمجھی گئی۔ کہ کسی طرح انکا ایجادی کلوخ جاری رہے اہل حدیث ان احادیث کو دیکھا اسکے تارک نہو جائین بدعت نہ سمجھنے لگین۔ اسیوجہ سے اسکے بارے مین رخصت کا دعوے کر بیٹھے۔ اُس سے بھی زیادہ عجیب یہ تاویل ہے کہ کہا فیستدل بہ علی وجوب غسل ما انتشر علی المحل کہ اس حدیث سے استدلال کیا جائیگا اُس پیشاب کے غسل پر جو منتشر ہوجاے اپنے محل سے۔ کیونکہ تینون حدیثون مین کوئی لفظ اسپر نہین دلالت کرتا کہ یہ طہارت انتشار علے المحل سے متعلق ہے اور چونکہ کوئی حدیث معارض اسکی نہین ہے جیساکہ شاہ ولی اللہ نے تصریح کی تو کوئی ضرورت بھی اس تاویل کی نہ رہی کیونکہ دوسری حدیث مین اسکی تصریح موجود ہے کہ آنحضرت جب حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو ہم پانی لے جاتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ استنجا آپ کا

لہ دیکھو رسالۃ الوضو صہ

پانی سے ہوتا تھا اور آپ پانی سے طہارت کرتے تھے یعنی دھوتے تھے تو کیا حضرت کی نسبت کوئی خیال کر سکتا ہے کہ ہر دفعہ آپکو انتشار علی المحل پیش آتا تھا۔ اور کیا انس ابن مالک وغیرہ بھی اس راز سے مطلع تھے جو ہر دفعہ پانی لے جایا کرتے تھے۔

افسوس ہزار افسوس کہ یہ لوگ خود ہی ان حدیثون کو بھی نقل کرتے ہین جسمین حضرت نے اسکی تصریح کی کہ عامہ عذاب قبر اسی وجہ سے ہو کہ وہ لوگ پیشاب سے احتراز نہین کرتے اور خود ہی یہ بھی لکھتے ہین کہ حضرت ہمیشہ بول کی طہارت پانی سے کرتے۔ مگر صرف تائید فعل عمر کے لیے سب حدیثون کو رد کر کے یا تاویل کر کے عذاب قبر کو قبول کرتے ہین اس سے بڑھکر اور کون سی دلیل اسکی ہوتی ہے کہ اصلی مذہب انکا اتباع عمر ہی نہ اتباع خدا و رسول۔

مولوی عبدالحی صاحب نے تو اور بھی کمال کیا کہ اسکی تصریح کر کے کہ کلوخ کا لینا کسی حدیث صریح سے ثابت نہین فعل عمری کے لیے ایک نئی تاویل سوجھی کہ حاشیہ شرح وقایہ مین لکھتے ہین واما فی البول فالغسل بالماء ثابت بھذہ الروایۃ واما استعمال الحجر فیہ فلم اطلع علی حدیث صریح یدل علیہ ان النبی فعلہ نعم یفھم ذلک من روایہ ابن ماجہ التی ذکرناھا آنفا فانہ یعلم منہ ان موضع استنجائہ کان غیر موضع قضاء حاجتہ وکان یکتفی ھناک بالاحجار و یغسل فی موضع اخر و یعلم منہ انہ کان یستعمل بعد البول ایضا حجرا او ترابا و نحو ذلک والا لزم ترائد النجاسہ نعم ثبت ذلک صریحا عن عمران کان یبول و یمسح ذکرہ بحجر او تراب

سلہ مولوی عبدالحی صاحب کی ادبیت اور عربیت اس تقریر مین قابل غور ہے کہ کس درجہ عالیہ پر فائز تھے ۱۲

لم یمسہ الماء صہ شرح الوقایہ۔

یعنی پیشاب کے بارے مین تو طہارت کرنا پانی سے ثابت ہے کہ پانی ہی سے پاک کرنا چاہیے اور ایسے ایسے موقع پر کلوخ لینا کسی حدیث صریح رسول اللہ سے نہین ثابت ہے کہ حضرت نے کبھی کلوخ لیا ہو۔ ہان ابن ماجہ کی روایت سے جسے ابھی ہمنے ذکر کیا یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت کے استنجا کی جگہ اور تھی اور پائخانہ پھرنے کی دوسری جگہ تو وہان (جہان پائخانہ پھرتے) ڈھیلون پر اکتفا کرتے (کلوخ لیتے) اور یہان آکر دھویا کرتے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت بعد پیشاب کے بھی پتھر یا خاک وغیرہ کا استعمال کرتے تھے (کلوخ لیتے تھے) ورنہ نجاست کا زیادہ ہونا لازم آتا ہے ہان عمر کا یہ فعل البتہ بصراحت ثابت ہی کہ وہ پیشاب کر کے کلوخ لیتے یا خاک ڈال دیتے اور اسکے بعد پانی سے نہین دھوتے۔

اس تقریر سے صاف معلوم ہوا کہ مولوی صاحب اسکی کوشش کر رہے ہین کہ کلوخ کی ایجاد کا سہرہ حضرت عمر ہی تک محدود نہ رہے۔ بلکہ رسول اللہ بھی ان کے شریک کیے جائین حالانکہ بصراحت خود لکھ چکے ہین کہ کوئی حدیث صریح اس مادہ مین نہین۔ پھر یہ تحریف کیونکر چل سکتی ہے؟ اور خود شاہ ولی اللہ صاحب نے اسے مذہب عمری مین لکھا ہے۔

اب اس حدیث ابن ماجہ کو دیکھیے جسکے مطلب سمجھنے مین آپ یہ خوش فہمی دکھا رہے ہین ففی سنن ابن ماجہ عن عائشۃ ما رأیت رسول اللہ صلعم خرج قط من غائط الامس ماء یعنی سنن ابن ماجہ مین عائشہ سے روایت ہے کہ کبھی نہ دیکھا مین نے رسول اللہ کو پائخانہ سے نکلتے ہوئے بے آبدست کیے پانی سے۔ اب خدا کے واسطے ہمکو کوئی یہ بتائے کہ اس حدیث مین کہان اسکا ذکر ہے کہ پائخانہ اور جگہ پھرتے اور آبدست دوسری

جگہ لیتے تھے۔ جس سے دو مقام علحدہ علحدہ سمجھا جاے جیسا کہ آج کل بھی گنواروں مین جاری ہے کہ پاخانہ کہین پھر کر کسی گڑھی وغیرہ پر جاکر آبدست لے لیتے ہین۔ کیا مولوی صاحب نے اشرف المرسلین کی یہی شان سمجھی ہے؟

مولوی صاحب کی یہ خوش فہمی اسوجہ سے پیدا ہوئی کہ الاستنجاء کو بعد خروج سمجھے کہ حضرت پاخانہ سے جب نکل آتے تھے تب آبدست لیتے تھے۔ حالانکہ حضرت عائشہ یہ بیان کرتی ہین کہ کبھی بغیر آبدست کیے ہوے آپ کو پاخانہ سے باہر آتے مین نے نہین دیکھا نہ یہ کہ حضرت پاخانہ سے باہر آکر کسی دوسرے مقام پر آبدست لیتے ہو؟

برین عقل ودانش بباید گریست

زیادہ تر افسوس تو اسکا ہے کہ خود اُسکے بعد یہ روایت لکھتے ہین۔ فی الصحیحین عن انس کان رسول اللہ ید خل الخلا فاحمل انا و غلام معی اداوۃ من ماء فیستنجی بالماء کہ حضرت جب پاخانہ تشریف لیجاتے تو ہم لوگ ظرف آب لیجاتے جس سے آپ استنجا کرتے۔ جس سے بصراحت ثابت ہے کہ وہین پانی پہونچایا جاتا۔ برخلاف اسکے یہ تجویز کرنا کہ آپ دوسری جگہ جاکر آبدست لیتے کسدرجہ کی تحریف ہے اور اسپر یہ کہنا کہ یہان حضرت کلوخ لیا کرتے کسدرجہ کی ایمانداری ہے حالانکہ کسی لفظ سے اسکا وجود نہین پایا جاتا کیونکہ بفرض محال اگر پاخانہ کی جگہ ادر تھی اور آبدست لینے کی اور تو اس سے کلوخ لینا کہان سے نکلا کیونکہ نزالہ نجاست کا احتمال تو اُسوقت ہوتا ہے کہ کسی کو عارضہ سلسل البول ہو یا ذرب لاحق ہو کہ نہ پاخانہ رکے نہ پیشاب۔ اسپر یہ دعوی حتمی انہ کان یستعمل بعد البول ایضا حجرا او ترابا کیسا کھلا ہوا اتہام ہے کیونکہ یہان بطور حتم وجزم دعوی کیا کہ حضرت بعد پیشاب کے کلوخ لیا کرتے اور شروع مین کہہ آئے ہین کہ

کوئی حدیث صریح اس مادہ مین نہین ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب بھی
نفی کلی کر رہے ہین اور خود حدیث مین بھی کوئی لفظ ایسا نہین ہی جس سے
یہ سمجھا جاے نہ اسمین پیشاب ہی کا ذکر ہے۔ پھر بجز افترا و اتہام اسکو کیا
کہہ سکتے ہین کہ جواز فعل عمری کے لیے حضرت پر یہ ظلم کیا گیا حالانکہ حضرت
عائشہ کی اس روایت نے کہ کبھی بغیر آبدست کیے آپ پاکخانہ سے باہر نہ آتے
اس احتمال کو بالکلیہ قطع کر دیا کہ کبھی آپ نے کلوخ لیا ہو۔ کیونکہ اس روایت
کے صریحی مطلب تو یہی ہین کہ کبھی ایسا ہوا ہی نہین کہ آپ نے پانی سے
آبدست نہ لیا ہو جس سے نفی کلی ہوگئی کلوخ لینے کی چہ جائیکہ انہی روایت
سے کلوخ لینے کا اثبات کیا جاے اور اگر ان سب سے بھی قطع نظر کیا جاے
تو مولوی صاحب کو کوئی فائدہ نہین کیونکہ اسکا تو اُن کو اقرار بھی ہے کہ اگر
بفرض محال کلوخ بھی لیتے تو اسکی طہارت پھر پانی سے کر لیتے۔ پس کیا نفع
ہوا کیونکہ وہ کلوخ اگر کافی ہوتا تو پھر حضرت اسکی طہارت پانی سے کیون
کرتے جو مذہب حضرت عمر تھا اور اہل سنت مین جاری و ساری ہے کہ پانی
رہتے ہوے بھی وہ کلوخ ہی لیتے ہین اور اسیکو مطہر اور پاک کرنے والا سمجھتے
ہین حالانکہ انس والی روایت وغیرہ مین بھی بصراحت مذکور ہے کہ ہم
ہمیشہ پانی لیجایا کرتے تھے آبدست کے لیے اور اسی کی مؤید وہ روایت بھی
ہے جسے مولوی صاحب جامع ترمذی و مسند احمد و مسند بیہقی و مسند بزاز
و مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ سے نقل کرتے ہین عن عائشۃ قالت
للنساء مرن ازواجکن ان یغتسلوا اثر الغائط والبول بالماء
فان رسول اللہ ص کان یفعلہ وانا استحی منھم جس سے معلوم ہوا
کہ حضرت عائشہ حکم دیتی ہین عورتون کو کہ اپنے شوہرون سے کہین کہ
وہ پاکخانہ اور پیشاب کو پانی سے دھویا کرین کہ رسول اللہ یون ہی
کرتے تھے۔

ان نصوص صریحہ کو دیکھکر بھی مولوی صاحب اسی فکر مین ہین کہ حضرت عمر کے کلوخ کو بفعل رسول ثابت کرین نہایت عجیب ہی۔

بہر حال جب خود شاہ ولی اللہ نے اقرار کیا ہے کہ کوئی حدیث مرفوع نہین ہے اس بارے مین بلکہ صرف فعل عمر سے ثابت ہے اور مذہب عمری مین اسکو لکھا ہے اور خود مولوی صاحب نے بھی اقرار کیا کہ کوئی حدیث صریح اس بارے مین نہین ہے تو محض ان کی ذاتی اور شخصی سمجھ سے کیونکر حضرت کا کلوخ لینا ثابت ہو سکتا ہے حالانکہ بتصریح اہل سنت ثابت ہے کہ خود صحابہ کی محض فہم اور سمجھ سے استدلال نہین ہو سکتا وہ حجت نہین۔

افسوس ہو کہ حضرات اہل سنت صرف مخالفت خدا و رسول ہی پر نہین اکتفا کرتے بلکہ اسپر یہ ترقی بھی کرتے ہین کہ خود حضرت ؐ کو اپنی ایجاد کردہ شریعت کا تابع دبیرو بنانا چاہتے ہین جو صریحی مخالفت خدا و رسول ہے۔

بہر حال ہر ظاہر بین ان کے اہتمام و پابندی کلوخ سے یہی گمان کریگا کہ یہ لوگ ایسے **پابند سنت** ہین کہ بلا خیال و شرم و حیا از خلائق وہ بات کر رہے ہین جس سے دیکھنے والے اپنی آنکھین بند کر لین۔ اور اگر بات چیت کی بھی ضرورت ہو تو منھ پھیر کر باتین کرین۔ مگر اب پردہ فاش ہو گیا اور سب کو معلوم ہوا کہ سنت رسول نہین ہے بلکہ سنت عمری ہے جس کی اس طرح تعمیل کی جا رہی ہے۔ کہ آیندہ روند کا خیال ہے نہ ...... کا کیونکہ سنت رسول تو معلوم ہوئی ہے کہ **پیشاب کی طہارت پانی سے** کی جائے نہ بخاک و کلوخ جس کے بارے مین کوئی حدیث نہین۔

اب اس کلوخ لینے کی ترکیب بھی سن لیجیے کہ ہدایہ و شرح وقایہ یا دیگر

کتب معتبرہ فقہیہ اہل سنت مین اسکی ترکیب نہین لکھی ہے کہ پیشاب مین
کس طرح کلوخ لیا جاے مگر مولوی عبدالحی صاحب اس کلوخ پر ایسا فریفتہ
ہین کہ حاشیہ شرح وقایہ مین لکھتے ہین وھذا لاستنجاء من الغائط و
ذکر الزاھدی کیفیتہ من البول ان یاخذہ بشمالہ وغیرہ علی
جدار او حجر او مدر و ذکر الشرنبلالی انہ یلزم الرجل لاستبراء
حتی یزول اثر البول ویطمئن قلبہ ای بنحو مشی او تنحنح
او غیر ذلک وفی المقدمہ الغزنویہ یفعل المرأۃ کما یفعل الرجل
الا انہ لا استبراء علیھا بل کما فرغت من البول والغائط
تصبر ساعۃ لطیفہ ثم یمسح قبلھا ودبرھا بالاحجار ثم تستنجی
بالاحجار صفحہ ۱۵۲ یعنی جو حکم استنجا کا شرح وقایہ مین مذکور ہے
وہ پائخانہ سے تعلق ہے پیشاب کے کلوخ کی کیفیت زاہدی نے یہ لکھی
ہے کہ بائین ہاتھ سے پکڑ کر دیوار پر تپھر یا ڈھیلے پر رگڑین گے اور
شرنبلانی نے لکھا ہے کہ مرد کو چاہیے بعد بول استبرا کرے جس سے اثر
بول جاتا رہے اور قلب اسکا مطمئن ہو جاے ٹہل کر یا کھنخ کر کے یا اور
کسی طرح اور مقدمہ غزنویہ مین ہے کہ عورتین بھی اسی طرح کلوخ لین
جیسا کہ مرد لیتے ہین استبرا کی ضرورت نہین پیشاب کر کے تھوڑی
دیر ٹھہر جائین اسکے بعد قبل و دبر کو تپھر کے ٹکڑون سے صاف کرین

سلہ اسکا ترجمہ یہ ہو کہ پہلا ڈھیلا پیچھے سے لاوے اور دوسرا آگے سے اور تیسرا پیچھے سے گرمی
کے زمانہ مین اور آگے سے لاوے۔ پہلا اور تیسرا جاڑے کے دنون مین کیونکہ گرمیون مین خصیتین
لٹکے رہتے ہین نیچے کی طرف تو آگے سے لانے مین خوف تلوث نجاست ہی پھر آگے سے لانا
اور بعدہ پیچھے سے لانا مبالغہ ہے طہارت مین اور جاڑے کے دنون مین چونکہ یہ استرخا نہین
ہوتا اسلیے اسکی ضرورت نہین اور عورتون کو ہمیشہ پیچھے ہی سے لانا چاہیے جاڑہ گرمی مین
اسکے فرق نہین شرح وقایہ صفحہ ۱۵۴ لہ

اسکے بعد کلوخ لین۔

چونکہ حضرت عمر کی سنت یہ بھی تھی کہ کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے جیساکہ اُسی ازالۃ الخفا مین عن عمر[۱] قال رانی النبی ابول قائما فقال یا عمر لا تبل قائما ص۳۴

اسوجہ سے تو مردون کو اسکی تعمیل ممکن ہے کہ دیوار کو شرف کلوخ سے شرف کرین مگر عورتین اس سنت کی کیونکر تعمیل کرینگی۔ بجز اسکے کہ زنانہ پائخانون مین مخروطی شکل کی دیوار بنائی جاے جس سے اس سنت کی تعمیل ہو سکے اگر وہ حضرات جو کلوخ لیتے ہین خلیفہ دوم کی اس سنت پر عمل کرتے کہ پائخانہ کی دیوارہی کو یہ عزت دیتے رہتے تو شاید اسقدر انبار لگانے کی ضرورت نہوتی جس سے صاف ستھرے پائخانہ جنپر کچ کاری ہوئی رہتی ہے چونہ بھرا رہتا ہے ان کلوخون کے سبب ایسے گندہ ہوتے ہین کہ ہر قدم پر آدمی ٹھوکرین کھاتا ہے۔

ہان ہان خوب یاد آیا جس کتاب زاہدی سے مولوی عبد الحی صاحب نے کلوخ لینے کی ترکیب نقل کی ہے خود اسی مقدمہ حاشیہ شرح وقایہ مین غیر معتبر بھی بناتے ہین مگر اس کلوخ کو وہ عزت ہو کہ غیر معتبر کتابو نکسے بھی انکو سند لانا ہوا مولوی صاحب ممدوح عمدۃ الرعایہ مین لکھتے ہین ومنہا تصانیف نجم الدین مختار بن محمود بن محمد الزاہدی معتزلی الاعتقاد حنفی الفروع المتوفی سنہ ۶۵۶ کالقینہ والحاوی والمجتبی شرح مختصر القدوری و زاد الائمہ وغیر ذلک فقد قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ

[۱] تعجب ہی باوصفیکہ رسول اللہ نے تبصریح تمام خود حضرت عمر کو کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو منع کیا۔ مگر اسپر بھی شاہ صاحب اُسکو مذہب عمری مین لکھتے ہین جس سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے مذہب سے باز نہ آے اپنے اوسی مذہب قدیم پر قائم رہے کہ پیشاب کھڑے کھڑے کرنا چاہیے ۱۲ منہ

نقل الزاهدی لا یعارض نقل المعتبر النعمانیہ فانہ ذکر ابن وھبان انہ لا یلتفت الی ما نقلہ صاحب القنیۃ مخالفا للقواعد مالم یعضد نقل من غیرہ ومثلہ فی النھر ایضا انتھی وفیہ ایضا فی مواضع اخر الحاوی للزاھدی مشھود بنقل الروایات الضعیفۃ صلا

مسلمانو! اب یہان تم ان روایتون کو پھر سے پڑھو جو رسول اللہ سے اس بارے مین منقول ہوئین اور حضرت عائشہ نے تمام عورتون سے بیان کیا کہ ہم مارے شرم کے نہین کہہ سکتے تم اپنے شوہرون کو سمجھاؤ۔

ان سب پر بالا تر یہ ہے کہ پیشاب کے کلوخ مین تو اسقدر کد ہے کہ کہ پانی رہتے ہوے کلوخ لیتے ہین بلکہ بغیر کلوخ کے طہارت ہی نہین ہوتی اور **برخلاف اسکے پاخانہ مین کلوخ لینے کی کوئی پروا نہین** حالانکہ پاخانہ کی طہارت کلوخ وغیرہ سے ایسی یقینی ہے کہ باتفاق فریقین سنت رسول سے ثابت ہے۔ یہانتک کہ بعض صحابہ نے تو مدت العمر مین ایکدفعہ بھی پانی کا استعمال آبدست مین نہ کیا ہمیشہ ڈھیلون اور پتھرون سے کام چلاتے رہے جیسا کہ حافظ ابن حجر لکھتے ہین۔

وقد روی ابن ابی شیبہ باسانید صحیحۃ عن حذیفہ بن الیمان انہ سئل عن الاستنجاء بالماء فقال اذا لایزال فی یدی نتن وعن نافع ان ابن عمر کان لایستنجی بالماء وعن ابن الزبیر قال ماکنا نفعلہ ونقل ابن التین عن مالک انہ انکر ان یکون النبی م استنجی بالماء وعن ابن حبیب من المالکیہ انہ منع الاستنجاء بالماء لانہ مصعوم۔ فتح الباری صفحہ ۱۲۶

ابن ابی شیبہ نے صحیح سندون سے روایت کی ہے حذیفہ بن الیمان سے کہ کسی نے سوال کیا پانی سے آبدست لینے کے بارے مین تو جواب دیا اگر

پانی سے آبدست لون تو کبھی ہاتھ سے بدبو نہ جائے۔ اور نافع روایت کرتے
ہین کہ ابن عمر کبھی پانی سے آبدست نہ لیتے تھے اور ابن الزبیر کا
بیان ہی کہ کبھی ہم لوگ پانی سے آبدست نہ لیتے اور ابن التین نا قل
ہین امام مالک سے کہ وہ اسکا انکار کرتے ہین کہ کبھی حضرت نے آبدست
پانی سے لیا ہو اور ابن حبیب سے روایت ہے جو مالکی ہے کہ پانی سے آبدست
کرنا منع ہے کیونکہ پانی مطعوم ہے پینے کی چیز ہے بلکہ یہانتک ترقی کی
گئی ہے کہ رسول اللہ نے اور عام صحابہ کیطرف اسکی نسبت کردی تھی کہ
کبھی نہ لیتے جیسا کہ حاشیہ ہدایہ مین ہے سئل الحسن البصری عن
الاستنجاء بالماء فقال سنہ فقیل لہ کیف ورسول اللہ والخیار من الصحابۃ
فقد ترکوہ فقال انھم کانوا یبعرون بعرا وانتم تثلطون
ثلطا صفحہ ۶۳

خوشا قسمت اہلسنت کہ ایسے ایسے صحابی نظیف الطبع اُن کے دین و ایمان کے
مقتدا ہین جنھون نے کبھی آبدست ہی نہین لیا۔ پھر کیون نہ ایسی نازکخیالیان
سوجھین۔ کہ خدا تو وضو مین پیر پر مسح کرنے کا حکم دے اور یہ لوگ اُسکا غسل
کرین۔ اور پیشاب مین خدا و رسول بالخصوص پانی سے طہارت کا حکم دے اور
یہ لوگ بہ تبعیت خلیفہ دوم صرف دیوار پر گھس دین یا کلوخ لینے کو کافی
سمجھین بلکہ ضروری اور اسکو اس طرح برتین کہ نہ شرم باقی رہے نہ حیا۔ اور
اسپر دعوی کرین اتباع سنت کا۔ اور پاخانہ مین اس طرح سُنّت کی
مخالفت کی جائے۔ کہ کبھی بھولے سے بھی کلوخ نہ لین حالانکہ ابن عمر و
ابن الزبیر اسطرح اسکے پابند ہون کہ مدت العمر آبدست نہ کرین۔ اب
بجز اسکے کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ اصل مین اہل سنت
عمری ہین کہ انھین بدعتون کے پابند ہین جسکے موجد
حضرت عمر تھے اور وہی افعال اُنکے سنت کہے جاتے ہین

چنانچہ آپ نے لاحظہ کیا کہ پاخانہ کا کلوخ چونکہ سنت رسول سے ثابت ہے لہذا یہان اختلاف ہوا۔ بخلاف حضرت عمر والے کلوخ کے پیشاب مین کہ کسی نے اُسمین نہ اختلاف کیا یہانتک کہ اہل حدیث نے بھی اُسپر کوئی اعتراض نہ کیا حالانکہ بہت سے مسائل مین ائمہ اربعہ کی مخالفت کرتے ہین۔

تنبیہ

اگر کوئی یہ شبہہ کرے کہ زمین یا خاک بھی تو مطہر ہے۔ پھر پیشاب کو کیون نہ پاک کرے گی۔ تو اگرچہ اس شبہہ کی اب گنجائش نہین رہی کیونکہ جب بحکم ما اٰتیکم الرسول فخذوہ ہم اسکے محکوم ہین کہ جو حکم حضرت دین اسکی تعمیل کرین خواہ وہ حکم حضرت کے قول سے ثابت ہو خواہ تقریر سے۔ نہ اپنے دل سے تو ضرور کی ہوا کہ جو قاعدہ پیشاب کی طہارت کا حضرت نے مقرر کیا ہے کہ پانی سے اسکی طہارت کرین۔ اسکی پیروی کرنا چاہیے نہ اپنی خواہش کی۔ تاہم واضح ہو کہ اصل مطہر پانی ہے جیسا کہ امام شوکانی فرماتے ہین۔ والماء ھو الاصل فی التطہیر فلا یقوم غیرہ مقامہ الا باذن من الشارع نواب صدیق حسن خان اسکی شرح مین لکھتے ہین۔

لان کون الاصل فی التطہیر ھو الماء قد وصف بذلک فی الکتاب والسنۃ مطلقا غیر مقید بل قولہ الماء طہور یرشد الی ما ذکرنا ارشادا یشھد بہ قواعد علم المعانی وعلم الاصول فاذا ثبت عن الشارع ان تطہیر شی من المستنجسات یکون بغیر الماء کمسح النعل بالارض ونحو ذلک کان الماء غیر معین فی تطہیر تلک النجاسۃ بخصوصہا ویتعین فیما عداہا وھذا ھو الحق صفحہ ۱۳

یعنی طہارت مین اصل شئے پانی ہے دوسری چیز اسکے قائم مقام نہین ہو سکتی

مگر باذن شارع کیونکہ کتاب وسنت مین پانی کو بلا کسی قید کے مطہر کہا ہی بلکہ حضرت کا قول الماء طھور۔ صاف تر اسکو بتا رہا ہے پس جب شارع سے کسی چیز کا ظاہر ہونا پانی کے سوا اور کسی چیز سے ثابت ہوگا تو البتہ اسکی طہارت اسی طرح ہو سکتی ہے جیسا کہ جوتہ کے تلے کے بارے مین ہی کہ زمین کے گھسنے سے پاک ہوجاتا ہے اسکے سوا اور جتنی نجاستین ایسی ہین کہ اُسکا مطہر کوئی خاص نہین بیان کیا گیا ہے وہ سب پانی سے پاک ہوگا۔

پس جب یہ عام قاعدہ مقرر ہے تو اب دیکھنا چاہیے کہ پیشاب کے بارے مین کیا حکم ہے؟ کتاب وسنت کے احکام تو مذکور ہوے کہ اوسکی طہارت صرف پانی سے ہوتی ہے۔ مگر بخالفت اُن سب کے حضرت عمر نے دیوار پتھر کو بھی پیشاب کا پاک کرنے والا قرار دیا **تو اب مسلمانون کو اختیار ہے جس کی چاہین پیروی کرین** لطف تو یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ پیشاب کو نجاسات[۵۹] غلیظہ شمار کرتے ہین جس کی طہارت بغیر پانی کے نہین ہو سکتی حتی کہ کپڑے مین اگر پیشاب لگا ہو اور وہ خشک ہو جاے تو بغیر دھوے طاہر نہین ہو سکتا (دیکھو ہدایہ) اور اہل حدیث کے یہان تو زمین پر بھی اگر پیشاب پڑ جاے تو پانی اُس کا مطہر ہے **مگر حضرت عمر کا کلوخ ایسا مطہر ہے** کہ ان سب نصوص صریحہ کتاب وسنت کو بالاے طاق رکھکر پیشاب کو طاہر کر دیتا ہے اور بغیر کسی خیال کے اُسی طہارت خاکی سے نماز پڑھی جاتی ہے اور اتنی توفیق نہین ہوتی کہ مطابق حکم خدا ورسول پانی سے تو اُسکو پاک کرلین حالانکہ احادیث سابقہ سے معلوم ہو چکا کہ اس کی وجہ سے بالخصوص عذاب قبر ہوتا ہے۔

۵۹ وقد والد طھر وجاد رفہ من النجس المغلظ کالدم والبول والخمر الخصت ۵۹

یہ بھی سمجھ رکھیے کہ شارع کی تاکید طہارت بول مین کیون زیادہ ہے
اسکی وجہ یہ ہے کہ کفار و مشرکین عام طور پر اسکو نجس نہین جانتے
بخلاف پاخانہ کے جس سے نفرت و استکراہ طبعی ہے اسیوجہ سے زیادہ
اہتمام کیا گیا پیشاب کی طہارت مین جو رقیق مثل پانی کے ہوتا ہے۔ اور
غیر پابندان مذہب اُسکو لائق اعتنا بھی نہین جانتے۔ اسیوجہ سے اسمین
زیادہ اہتمام کیا گیا اور اسکا مطہر بجبر پانی کے اور کوئی چیز نہین۔ بخلاف
غائط کے کہ وہ غلیظ القوام ہے اُسکا مطہر شے غلیظ ہو سکتا ہے جیسا کہ
ہدایہ مین بھی اسکی تصریح مذکور ہے چنانچہ موزہ وغیرہ کی طہارت مین
ہے وفی الرطب لا یجوز حتی یغسلہ لان المسح بالارض یکثرہ ولا یطہرہ
کہ اگر جوتہ مین تر نجاست لگ جاوے تو زمین پر گھسنے سے نہین پاک
ہوگا کیونکہ زمین ایسی نجاست کو بڑھادے گی نہ کہ اُسکو طاہر کرے۔ بس
حیف ہے کہ جوتہ کی تر نجاست تو زمین پر گھسنے سے نہ پاک ہو اور پیشاب
کی نجاست مقام پیشاب کے رگڑنے سے زمین یا دیوار پر پاک ہو جاوے
پھر اسی ہدایہ مین ہے فان اصاب بول فیبس لم یجز حتی یغسلہ
یعنی اگر جوتہ پر پیشاب پڑ جاوے اور خشک بھی ہو جاوے تو نہ طاہر ہوگا
جب تک دھویا نجاوے۔

بہر حال چونکہ مقصود اصلی یہان اسیقدر ہے کہ کلوخ لینا فعل ناجائز
ہے اور سنت رسول اللہ یہی ہے کہ اسکی طہارت پانی سے کی جاوے لہذا علاوہ
احادیث مذکورہ بالا دو چار حدیثین اور خاص صحیح بخاری کی لکھی جاتی
ہین۔ باب الاستنجاء بالماء قال سمعت عن انس بن مالک
یقول کان النبی ﷺ اذا خرج لحاجتہ اجیء انا وغلام معنا اداوۃ
من ماء یعنی یستنجی بہ۔ باب من حمل الماء لطہورہ و
قال ابو الدرداء الیس فیکم صاحب النعلین والطہور والوسادۃ

حدثنا سلیمان بن حرب قال سمعت انسا یقول کان النبی اذا خرج لحاجتہ تبعتہ انا وغلام معنا اداوۃ من ماء۔ باب حمل العنزۃ مع الماء فی الاستنجاء حدثنا محمد ابن بشار سمع انس بن مالک یقول کان رسول اللہ یدخل الخلاء فاحمل انا و غلام اداوۃ من ماء یستنجی بالماء تابعہ النضر وشاذان عن شعبہ صفحہ ۲۷ فتح الباری یہ تین حدیثین ہین جن مین بصراحت تمام مذکور ہے کہ حضرت جب حاجت مین پیشاب یا پاخانہ کے لیے تشریف لے جاتے تو ہم (انس) اور ایک غلام پانی کا ظرف لیجاتے جس سے حضرت استنجا کرتے اور ظاہر ہے کہ پاخانہ کے ساتھ آدمی پیشاب بھی ضرور کرتا ہے اور لفظ حاجت عام ہے۔ تو معلوم ہوا حضرت کا یہی دستور تھا۔ اب اسکی مخالفت کوسکے کلوخ لینا کس درجہ مخالفتِ سنت کرنا ہو۔ اسکے بعد بخاری صاحب نے ایک باب اس کا قرار دیا ہو باب لا یمسک ذکرہ بیمینہ اذا بال اور اس مین یہ حدیث لکھی ہے عن النبی قال اذا بال احدکم فلا یاخذن ذکرہ بیمینہ ولا یستنجی بیمینہ ولا یتنفس فی الاناء صفحہ ۱۲۵ کہ حضرت نے فرمایا جب تم مین سے کوئی شخص پیشاب کرے تو داہنے ہاتھ سے نہ ذکر کو پکڑے اور نہ داہنے ہاتھ سے آبدست لے اور نہ برتن مین پھونکے۔ اس سے بھی وہی حکم طہارت آب نکلا۔ کیونکہ برتن مین پھونکنا اسیوقت ہوگا جب برتن بھی ہو۔ ورنہ اگر کلوخ سے کام لیا جاے تو کہان یہ حکم جاری ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر اسکی شرح مین لکھتے ہین ویحتمل ان یکون الحکمۃ فی ذکرہ ھنا ان الغالب من اخلاق المومنین التاسی بافعال النبی وقد کان اذا بال توضا وثبت انہ شرب فضل وضوءہ فالمومن بصدد ان یفعل

ذلك فعله ادب الشرب مطلقا لاستحضاره والتنفس فی الاناء مختص بحالة الشرب کما دل علیه سیاق الروایة التی قبله یعنی ممکن ہے کہ برتن مین پھونکنے کی ممانعت مین یہان یہ حکمت ہو کہ چونکہ غالب اخلاق مومنین سے یہی ہے کہ حضرت کے فعل کی ہر بات مین تاسی کرین اور حضرت کی عادت یہ تھی کہ جب پیشاب کرتے تو اُسکے بعد وضو کرتے اور یہ بھی ثابت ہو کہ حضرت نے بچا ہوا پانی وضو کا نوش بھی فرمایا۔ پس چونکہ مومنین اس فعل مین بھی حضرتؐ کی تاسی کرین سگے لہذا آداب شرب کو بتا دیا کیونکہ ظرف آب کا پھونکنا اُسیوقت مین ہوتا ہو جب آدمی پانی پیتا ہو۔

پس زہے قسمت خلیفہ دوم و تمامی اہل سنت کہ اخلاق مومنین سے محروم رہے جنھون نے سنت رسول کی تاسی نکی اور بجاے طہارت آب کے خاکی طہارت اُنکو پسند آئی۔ کلوخ لینے کو اپنا شعار بنایا۔ افسوس صد افسوس۔

بہرحال اس فقرہ نے کہ جب حضرت پیشاب کرتے تو اُس کے بعد وضو کرتے صاف بتا دیا کہ حضرت کی طہارت جب ہوتی تو پانی سے۔ تو اب سنت رسول کو ترک کر کے سنت عمری پر عمل کرنا کون مسلمان قبول کر سکتا ہے۔

بہرحال اِن حدیثون سے اہل سنت عموماً اور اہل حدیث خصوصاً سمجھ سکتے ہین کہ خدا و رسول نے اس سنت کے اجرا مین کتنی کوشش کی اور کس طرح سے احکام صادر فرماے ہین کہ کہین تو اُن لوگون کی مدح و ثنا کی جو اس پانی والی طہارت کے عادی تھے اور اپنے فعل و طرز عمل سے تو ہمیشہ حضرت نے یہی ثابت کیا کہ طہارت یون ہی

سلہ اہل سنت اس مین بھی مخالفت کرتے ہین ۱۲

کرنی چاہیے۔ مگر حضرت عمر نے قدیمی سنت مشرکین کو جاری کر کے اُن
سب احکام رسول اللہ صلعم کو منسوخ کر دیا جس سے عام طور پر بلا اختلاف صحابہ اون
مذہب مین اسنے رواج پایا اور رسول اللہ کی ساری محنت اس مادّہ
مین برباد گئی۔

لطف یہ ہے کہ خود حضرت عمر قیاس ورائے کو مخالف [1] سنت کہتے ہین
اور ان سب لوگون کو اعداے دین سے بتاتے ہین مگر خود حضرت عمر کی رائے
اور اون کا قیاس ایسا سدِ سکندر ہے کہ کسی طرح ٹوٹتا ہی نہین جبھی
تو اُن کے قیاس نے رواج عام پایا کہ جیسا پاخانہ مین کلوخ لینا جائز ہو
پیشاب مین بھی کلوخ لینا چاہیے۔ اور تمامی اہل سنت نے اس رائے
اور قیاس کو اُن کے قبول کر لیا اور سنت رسول کا کسی کو خیال نہ رہا
اب آخر مین ہم ایک اور حدیث لکھتے ہین جس سے معلوم ہو کہ حضرت کو
بول کی طہارت مین کس درجہ اہتمام تھا کتاب مجمع الزوائد مین ہے۔
باب الارتیاء للبول۔ عن ابی هریرة قال کان رسول اللہ صلعم یتبوّء
لبوله کما یتبوء لمنزله رواه الطبرانی فی الاوسط وهو من
روایة یحیی بن عبید بن دجی عن ابیه ولم ارمن من ذکرهما وبقیه
رجاله موثقون صہ

اس حدیث سے ہر شخص نتیجہ نکال سکتا ہے کہ رسول اللہ صلعم پیشاب
کے لیے کس قسم کا اہتمام کرتے تھے اور حضرت عمر نے اوس کو کس طرح
مٹایا۔

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ سنت رسول کے خاص پیرو تھے وہ ان صحابہ کو

---

[1] ازالۃ الخفا مین خلیفہ دوم کا یہ خطبہ مذکور ہے قال قام عمر ابن الخطاب فی الناس
فقال یا ایها الناس الا ان اصحاب الرای اعداء السنۃ الخ ۱۲

جو سنت عمری کے تبع تھے ان الفاظ سے یاد کیا کرتے جیسا کہ شرح منار مین ہے ورده علی رض وقال ما نصنع بقول اعرابی بوال علی عقیبیه یعنی جناب امیر نے ایک صحابی کے بارے مین فرمایا مین نہین سنتا اس اعرابی کے قول کو جو اپنے عقب پر پیشاب کیا کرتا۔ مولوی عبدالحلیم صاحب قمر الاقمار مین اسکی شرح مین لکھتے ہین۔ کان من عادة العرب الجلوس محتبیا والبول فی مکان جلسوا فیہ اذا احتاجوا الیہ و عدم المبالاة بان یصیب البول اعقابهم وذلک من الجهل وقلة احتیاطهم ص۲۰۸

اس عبارت سے بدیہتہً یہ بھی معلوم ہوا کہ ان صحابہ کی خلقی عادتون نے ابھی تک اپنے استقلال کو نہ چھوڑا تھا کیونکہ جو وقت کی یہ حدیث ہے کم سے کم چوبیس پچیس برس رحلت رسول کو گذر چکے تھے مگر وہ عادت نہ چھوٹی جو زمانہ جاہلیت سے پڑی تھی کہ پیشاب کی نجاست کا خیال نہ کرین جہان بیٹھتے ہون وہین پیشاب کردین اور اپنی جہالت پر اڑے رہین جس سے آخر جناب امیر نے اُن صحابہ کی حدیث رد کردی۔

خدا کرے اب سے بھی اہل اسلام حضرت عمر کے اس فعل کو بدعت سمجھین

---

۵ فیہ نہی عن الاحتباء فی ثوب واحد هو ان یضم رجلیه الی بطنه بثوب یجمعها به مع ظهره ویشده علیها وقد یکون بالیدین وهذا لانه ربما تحرک او تحرک الثوب فتبدو عورته۔ وروایته محتبیا بیده الاحتباء ان یجلس بحیث یکون رکبتاه منصوبتین وبطنا قدمه موضوعین علی الارض ویداه موضوعتین علی ساقیه صفحه ۲۳۲ مجمع البحار الانوار گجراتی

جیساکہ مسئلہ تراویح و مسئلہ طلاق ثلاث مین انکی بدعت کا اقرار کیا تاکہ تمامی مسلمانون کو طہارت کی پابندی ہو جس سے نماز دردزہ ودیگر ارکان دین تو درست ہون جیساکہ امام نووی کا قول سابقا مرقوم ہوا اور شرح ہدایہ مین بصراحت لکھا ہے کہ اس زمانہ مین پانی والی طہارت زیادہ مناسب ہی۔ اگر عقائد مذہبی مین نہین اتفاق ہوتا تو اعمال ظاہری مین تو کل مسلمان متفق ہون تاکہ غیرون کو معلوم ہو کہ کل مسلمان ایک خدا ورسول کے احکام کے تابع ہین۔ کیونکہ اب عام طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت عمر موجد بدعت تھے۔ پھر آپ اہل حدیث یا اہل سنت ہو کر کیون اُن کی بدعتون کی پیروی کرتے ہین۔

دیکھیے مولوی وکیل احمد صاحب لکھتے ہین بعض حضرات نے (مولوی صدیق حسن بھوپھالی) تو غضب ہی کیا حضرت عمر کو صاف و صریح خاطی قرار دیا ہے انتقاد الترجیح مسائل ملحقہ مین لکھتے ہین۔ واما قولہ (عمر) نعم البدعۃ فلیس فی البدعۃ ما یمدح بل کل بدعۃ ضلالۃ۔ پھر نہایت بیباکی سے حضرت عمر کو مخترع بدعت و ضلالت ٹھہرایا عبارت اُسکی بقدر ضرورت یہان لکھی جاتی ہے۔

لیس المراد بسنۃ الخلفاء الا طریقتہم الموافقۃ بطریقۃ من جہاد الاعداء وتقویۃ شعائر الدین ونحوہا ومعلوم من قواعد الشریعۃ ان لیس بخلیفۃ راشد ان یشرع طریقۃ غیر ما کان علیہ النبی ثم ان عمر نفسہ الخلیفۃ الراشد سمی ما راٰہ من تجمیع صلوۃ بدعۃ ولم یقل انہا سنۃ۔

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ اُس شخص نے (صدیق حسن خان)

سلہ وکیل سنتری زمانا صفحہ ۱۹۲

جماعت تراویح کو مخالف سرور عالم سمجھ کے اسپر طلاق سنت کا ناجائز خیال ہے۔ اصباح الحق الصریح صفحہ ۱۷

پس باوصف ان اقرار ون کے اب کیا ضرورت ہے کہ اُسی بدعت کی پیروی کی جاوے جس سے نہ طہارت حاصل ہو نہ نماز درست ہو۔ اور اسکے علاوہ بدعتی کہلا ئین حالانکہ دعوی کیا جاتا ہے اتباع سنت کا

وھذا آخر الکلام فی ھذا المقام ولیس المقصود الا اشاعۃ السنۃ فی اھل الاسلام فانھا قد ضاعت اندرست فی تلک الایام واٰخر دعوینا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ علی سید المرسلین والہ الطیبین والسلام علی من اتبع الھدی حررہ العبد الافقر خادم الشرع الاطھر السید

علی اظہر

غفرہ اللہ

الاکبر

جمادی الاولی

سنہ ۱۳۲۶ھ

ھجری

حصول الانتقام من الاستنجاء بالماء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ رسالہ مولوی مبارک علی صاحب
اہل حدیث کی تصنیفات سے ہی جو مطبع انصاری
دہلی مین ۱۳۱۲ھ مین چھپا تھا بخیال اتمام حجت مین
اسکا خلاصہ بکر شایع کرتا ہون کہ کم سے کم اہل حدیث تو اسپر عمل کرینگے
اس رسالہ مین صرف وہ عبارتین نکال دی گئی ہین جو زائد از ضرورت
تھین اسکے سوا نہ ایک حرف بڑھایا گیا ہی نہ گھٹایا
اصل رسالہ یہ ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اما بعد فقیر حقیر سراپا تقصیر سید محمد مبارک علی جملہ برادران اہل اسلام و متبع سنت خیر الانام کی خدمت مین عرض کرتا ہی کہ درینولا ایک فتوی دربارہ سنت ڈھیلا لینے بعد پیشاب کے مزین بمواہیر مولوی محمد عثمان و میان جی حسین شاہ ولایتی و قاری رحیم بخش و بشارت خان وغیرہ جاری ہوا ہی خلاصہ مضمون فتوی کا یہ ہی کہ بعد پیشاب کے ڈھیلے سے استنجا کرنا سنت ہی اور جو لوگ کہ باتباع رسول الثقلین بعد پیشاب کے پانی سے استنجا کرتے ہین وہ گمراہ ہین اور مثل روافض وغیرہ کے اہل سنت والجماعت سے خارج ہین اور انکے پیچھے ہرگز نماز نہین ہوتی نعوذ باللہ من ذلک الفہم - اس فتوی ناصواب کو دیکھکر جملہ مفتیان بیرکہ علم و عقل دونون سے بے بہرہ ہین سخت افسوس ہوا اور مبالغتہ یہ مصرع زبان پر آیا - ؎

برین عقل و دانش بباید گریست

افسوس صد افسوس بدعت کا ایسا زور ہوا ہی کہ سنت کے نام سے لوگ بھاگتے ہین اور بدعت کا نام سنت ٹھہراتے ہین

اگرچہ بزرگون کا قول ہے جواب جاہلان باشد خموشی مگر بمقتضاے حدیث شریف اذا ظهر البدعة وسكت العالم فعليه اللعنة یعنی جبوقت کہ ظاہر ہووے بدعت اور چپکا رہے عالم تو اسپر اسکے لعنت ہے۔ رجوع کرتا ہون طرف رد یعنی جواب فتوی ناصواب کے تاکہ احقاق حق وابطال باطل ہو بمضمون آیہ کریمہ جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقا

قال پیشاب کرنے کے بعد ڈھیلے سے استنجا کرنا سنت ہے بدعت نہین جو اسکو بدعت کہے وہ گمراہ ہے اور گمراہ کرنے والا ہے۔

اقول۔ ای حضرات مفتیان صلجان تم آپ ہی گمراہ ہو اور گمراہ کرنیوالے جو سنت کو بدعت تبلاتے ہوے نہین شرماتے یعنی پانی سے استنجا کرنا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ہمیشہ آپ زندگی مبارک مین بعد پیشاب کے پانی سے استنجا کرتے رہے اور اپنے اصحاب باصفا کو بھی یہی طریقہ تبلاتے رہے کہ بعد پیشاب کے پانی سے استنجا کرتے رہو اور اب تک جو لوگ اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعون اللہ ثابت قدم ہین پانی سے ہی استنجا بعد پیشاب کے کرتے ہین پس لازم ہے اس عقیدہ فاسد تقلیدیہ سے توبۃ النصوح کر کے تجدید ایمان فرمائیے کیونکہ ان مسلمانون کو جو سنت رسول پر چلنے والے ہین گمراہ تبلاتے ہو اور مضمون حدیث تم کو ضرور معلوم ہوگا کہ جو مسلمانون گمراہ کہے وہ خود گمراہ ہو جاتا ہے کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید ۔۔۔ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ای مفتیان بے تمیز تمکو خدا کی قسم کیا یہ حدیث مروی حضرت عائشہ صدیقہ کی ترمذی شریف کے باب الاستنجاء بالماء نہ دیکھی ہوگی اور عربی دیکھنے کی لیاقت نہ تھی تو اردو ترجمہ ہی دیکھ لیا ہوتا

عن عائشة قالت مرن ازواجكن ان يستطيبوا بالماء فاني استحييهم فان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يفعله یعنی فرمایا حضرت عائشہ نے عورتون کو کہ حکم کرو تم خاوندون اپنون کو یہ کہ پاکی کرین ساتھ استنجے کے پانی سے پس بدرستیکہ حیا کرتی ہون مین ساتھ کہنے کے آدمیون سے پس تحقیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے استنجا کرتے تھے ساتھ پانی کے **وفی الباب عن** جرير بن عبد الله البجلي وانس وابی هريرةؓ یعنی اور بیچ اس باب کے یعنی استنجا کرنیکے ساتھ پانی کی حدیث روایت کیگئی ہے۔ جریر بن عبد اللہ بجلی سے اور حضرت انس اور حضرت ابی ہریرہ سے۔

قال ابو عیسیٰ هذا حدیث حسن صحیح وعلیه العمل عند اهل العلم یعنی کہا ابو عیسی ترمذی نے
یہ حدیث حسن صحیح ہی اور اوپر اسکے عمل ہی نزدیک اہل علم کے یختارون الاستنجاء بالماء یعنی اختیار
کرتے ہین استنجے کو ساتھ پانی کے وان کان الاستنجاء بالحجارة یجزی عندهم یعنی اگرچہ ہی استنجا
کرنا ساتھ پتھر کے جائز نزدیک انکے فانهم استحبوا الاستنجاء بالماء پس بدرستیکہ وہ مستحب کہتے
ہین استنجا ساتھ پانی کے وبه یقول سفیان الثوری وابن المبارك والشافعی واحمد واسحق
اور ساتھ اسکے قائل ہوے سفیان ثوری اور ابن المبارک اور امام شافعی اور امام احمد اور اسحق پس
ان مفتی صاحبو نپر سخت افسوس ہی کہ کیسے کیسے اکابر اور بزرگان دین کو یہ لوگ گمراہ بتلاتے ہین
کیونکہ یہ جملہ بزرگان دین پانی سے استنجا کرتے تھے اور فتوی دیتے جیسا کہ عبارت مذکورہ بالا
ترمذی سی بخوبی ظاہر ہوا اور مسلم شریف مین حضرت عائشہ سے روایت ہی عن عائشة قالت
قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحیة والسواک
واستنشاق الماء وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانة وانتقاص الماء
قال زکریا قال مصعب ونسیت العاشرة الا ان تکون المضمضة زاد قتیبة قال وکیع انتقاص الماء
یعنی الاستنجاء یعنی ام المومنین حضرت عائشہ رضی الله عنها سے روایت ہی رسول الله صلی الله علیه
وسلم نے فرمایا دس باتین پیدایشی سنت ہین ایک تو مونچھین کترنا۔ دوسرے داڑھی چھوڑ دینا اور
تیسرے مسواک کرنا چوتھے ناک مین پانی ڈالنا۔ پانچوین ناخون کاٹنا۔ چھٹے پورون کا دھونا یعنی انگلیون
کے اندر اور ناک اور کان کا دھونا) ساتوین بغل کے بال اکھیڑنا۔ آٹھوین زیر ناف کے بال لینا۔
نوین پانی سے استنجا کرنا مصعب نے کہا مین دسوین بات بھولگیا شاید کلی کرنا ہو۔ وکیع نے کہا
انتقاص الماء سے جو حدیث مین وارد ہی استنجا مراد ہی۔ اب ہم امام اعظم صاحب و دیگر علماء حنفیہ کے
اقوال سے استنجا کرنا ساتھ پانی کے افضل ہونا اسکا ثابت کرتے ہین منبہ غفلت کا نون سے
نکالکر سنئیے۔ مولانا سراج احمد صاحب سرہندی اسی حدیث ترمذی مذکورہ بالا کی شرح مین ارشاد فرماتے
ہین "ونزد امام ابی حنیفه استنجا بآب افضل است در بحر الرائق نوشته است وغسله بالماء وافضل ای غسل
المحل بالماء افضل لانه قامع للنجاسة والحجر مجفف لها فکان الماء اولی کذا ذکر الشارح الزیلعی
یعنی اور نزدیک امام ہمارے ابی حنیفہ کے استنجا کرنا ساتھ پانی کے افضل ہی۔ بحر الرائق مین لکھا ہی یعنی دھونا

اسکا ساتھ پانی کے بہتر ہی یعنی اور دھونا محل نجاست کا ساتھ پانی کے بہتر ہے اسواسطے کہ پانی دور
کرنیوالا نجاست کا ہی اور پتھر خشک کرنیوالا اسکا پس پانی بہتر ہے ایسا ہی ذکر کیا شارح دہلی نے
اور شیخ الاسلام کہ بڑے اکابر علماء حنیفہ سے ہین شرح بخاری شریف کہ بلقب شیخ الاسلام مشہور
و معروف ہی فرماتے ہین و تصحیح کردہ اند آنرا ائمہ حدیث پس ظاہر شد کہ حکایت استنجا از قول صحابیست
و ثابت است از آنحضرت در اصح روایت و این رواست بر کسیکہ مکروہ دانستہ استنجا کردن از آب ہکذا فی
شیخ الاسلام شرح صحیح بخاری یعنی تصحیح کرتے ہین ائمہ حدیث پس ظاہر ہوا یہ حکایت استنجا قول
صحابی سے ہی اور ثابت ہی آنحضرت سے بیچ اصح روایت کے اور بیچ اسکے رد ہی اوپر اس شخص
کے کہ مکروہ کہتا ہے استنجا کرنا پانی سے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کہ جو ہندوستان مین
جملہ حنفیون کے سرگروہ ہین اشعۃ اللمعات مین فرماتے ہین چون بول میکرد آنحضرت استنجا
می کرد بر آب و وضو می ساخت یعنی جسوقت کہ پیشاب کرتے استنجا کرتے پانی سے اور وضو کرتے
اور فقیہ ابن الیث سمرقندی جو بڑے اکابر علماء حنفیہ سے ہین تنبیہ الغافلین مین فرماتے ہین
وعن طاؤس عن ابن عباسؓ فی قوله تعالیٰ واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی
جاعلك للناس اماما قال ابتلاه بطهارة خمس فی الراس و خمس فی الجسد فاما الذی فی الرأس
فقص الشارب والمضمضة والاستنشاق والسواك وفرق الراس وفی الجسد تقليم الاظفار والختان
ونتف الابط وحلق العانة والاستنجاء بالماء پس عبارت مذکورہ شرح بخاری شیخ الاسلام و شرح
ترمذی مولانا سراج احمد صاحب سرہندی و اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شیخ عبدالحق صاحب و
تنبیہ الغافلین فقیہ ابو اللیث سے بخوبی ظاہر ہے کہ ان بزرگان اکابر علماء حنفیہ مع امام اعظم
صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی پانی سے استنجا کرنا افضل بلکہ مستحب ہے پھر بھی تم کو یہ فتوے
دیتے ہوے شرم نہ آئی کہ پانی سے استنجا کرنا گمراہی ہی تبلا دیا۔ اور بزرگان حنفیہ کو مع امام
صاحب گمراہون مین داخل کیا۔ آفرین باد برین ہمت مردانہ تو۔

قال حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استنزھوا عن البول الخ یعنی بچو پیشاب سے یہ تحقیق
عام عذاب قبر کا پیشاب کے نہ بچنے سے ہی استنزھوا کی معنی پوری پاکی حاصل کرو اور پوری پاکی جب
حاصل ہو کہ ڈھیلا لو ورنہ قطرہ کا خطرہ رہتا ہی فقط پانی کے دھونیسے استنزہ حاصل نہین ہوتا۔

اقول ای صاحب اس حدیث سے آپکا مدعا یعنی ڈھیلے سے استنجا کرنا بعد پیشاب کے ہرگز ثابت نہین ہوتا
علاوہ برین حدیث شریف سے آپ کو کیا علاقہ کیونکہ قول و فعل رسول پر عمل کرنا تو ہم
محمدیونکا حصہ ہی۔ تم تو کنز قدوری۔ درمختار وغیرہ کے گھونٹنے والی ہو ذرا غور کر کے ملاحظہ
فرمایئے اس حدیث کا خلاف انمین بخوبی موجود ہی۔ دیکھو پیشاب جانوران ماکول اللحم کو کسی کتاب
مین نجاست خفیفہ اور کسی مین پاک لکھدیا ہی حالانکہ حدیث محررہ فتوی جو ثبوت امین لاتے
ہو مطلق ہے عام پیشابون سے استنزاہ حاصل کرنے کو شامل ہی چنانچہ درمختار وغیرہ مین
لکھا ہوا ہی کہ اگرچہ چہارم حصہ پارچہ پوشیدنی کا پیشاب جانوران ماکول مین تر ہو جاے تو
نماز ہو جاتی ہے وعفی دون ربع بدن وثوب ولو کثیرا وھو المختار یعنی معاف ہی تمام بدن اور
چوتھائی سے کم اگرچہ کپڑا بڑا ہوا اور یہی مختار ہی۔ اور آگے جاکر تو مفصل فرماتے ہین من نجاسة
مخففة کبول ماکول ومنہ الفرس وطہرہ محمد یعنی معافی ہی نجاست خفیفہ سے جیسے پیشاب
جانوران ماکول اور اسی قسم سے ہی گھوڑیکا پیشاب اور جتنے جانور حلال ہین سبکے پیشاب کو امام محمد
نے طاہر کہا ہی پس اس عبارت سے صاف ظاہر ہی کہ پیشاب سے نہ بچنے پر اگر عذاب قبر ہوگا تو یہ حصہ
بنام نہاد حنفیون نکے ہی کہ جو پیشاب کو نجاست خفیفہ اور پاک بتلاتے ہین نہ یہ کہ محمدیان عاملان
بالحدیث کا اور یہ جواب فرماتے ہین کہ پوری پاکی جب حاصل ہوتی ہے کہ ڈھیلا لے ورنہ قطرہ کا
خطرہ رہتا ہی یہ آپ کا محض وسواس ہی کہ ہم قول و فعل رسول اللہ مین عیب ظاہر کرتے ہو۔ اجی
صاحب اس آپکے قطرہ کے خطرہ کا علاج بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا ہے کہ بعد
وضو کے پانی اپنی شرمگاہ پر چھڑک لیا کرے چنانچہ امام احمد بیچ مسند کے اور حاکم بیچ مستدرک
کے اور دارقطنی اسامہ بن زید سے روایت کرتے ہین کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اتانی جبرئیل فی اول ما اوحی الی فعلمنی الوضوء والصلوۃ فلما فرغ من الوضوء اخذ غرفة
من الماء فنضح بہا فرجہ یعنی جبرئیل بیچ اسوقت کے کہ ابتدائی زمانہ نزول وحی کا تھا نزدیک میرے آئے
پس مجھکو وضو اور نماز تعلیم کی پس جب کہ وضو سے فارغ ہوے تو ایک چلو پانی لیا پس چھڑکا اس
پانی کو اپنی شرمگاہ پر۔ اور شیخ عبدالحق صاحب اشعة اللمعات مین فرماتے ہین وصحیح انست کہ مراد
پاشیدن آبست بعد وضو براے دفع تطرق وسواس کہ اگر تری در ازار یافتہ شود در وسواس نیفتد

وحوالہ بکند انرا بہ آب کہ پاشیدہ بود این سہ طریق وسواس ست و تعلیم امت است بآن ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ومطہر است از وسواس یعنی اور صحیح ہی کہ مراد چھڑکنا پانی کا ہی بعد وضو کے واسطے دفع ہونے شبہ قطرے اور وسوسہ کے اگر تری ازار مین پائی جاوے تو وسوسہ مین نہ پڑے اور حوالہ کرے اسکو ساتھ اس پانی کے کہ چھڑکا تھا۔ یہ امر بند کرنیوالا ہی راہ وسوسہ کا اور تعلیم امت ہی ساتھ اسکے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معصوم اور پاک تھے وسوسہ سے کیا یہ نسخہ پسندیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجبرئیل امین کہ جو تعلیم امت کے واسطے آپنے پسند فرمایا ہی آپکی پسند نہین ہی اور آپکے قطرے کے خطرے کو کافی نہین ہی۔ ہان مگر جبکہ مخالفت سنت سے منظور ہو تو پھر کیون تمکو پسند ہوگا۔ خیر صاحبان ہم کو تو پسند ہی کیونکہ ہم لوگ پابند قول وفعل پیغمبر صاحب کے ہین ہمکو تو دل وجان سے پسند ہی اگر تم کو پسند نہین تو ڈھیلے اور پتھر ونسے سر پھوڑتے پھرو قبر مین جاکر معلوم ہوگا۔ ذرا درمختار کو انصاف سے دیکھو قطرہ تو درکنار وہ تو یون فرماتے ہین کہ اگر درم کے برابر آدمی کا پاخانہ کپڑے پر لگا ہو تو معاف ہی اور نماز ہو جاتی ہے وھو مثقال فی نجس کثیف لہ جرم وعرض مقعر الکف وھو داخل مفاصل الاصابع فی رقیق من مغلظ کعذرۃ ادمی یعنی درم بوزن ایک مثقال کی یعنی ۲۰ قیراط کے گاڑھی نجاست سے جیسے آدمی کا گوہ۔ غایۃ الاوطار مین تحت عبارت مذکور لکھا ہے نجاست غلیظہ ایکدرم معاف ہی بعضون نے درم کے وزن کا اعتبار کیا ہی اور اگر تپلی ہو تو مسافت کا اعتبار ہے ہندوانی دونون قولون مین توفیق دی ہے اسطرح کہ اگر نجاست گاڑھی ہی تو درم کے وزن کا اعتبار ہی اور اگر تپلی ہی تو مسافت کا اعتبار ہی۔

قال اور دوسری حدیث بخاری اور مسلم کی عبداللہ بن عباس ہی روایت کیگیی ہی کہ دو شخصون کو عذاب قبر کا ہو رہا تھا آپنے فرمایا کان احدھما لا یستنزہ من البول یعنی تھا ایک ان دونون مین کہ پیشاب سے نہین بچتا تھا اور ایک روایت مین لا یستتر آیا ہی کہ نہین کھینچتا تھا ستر کو کہ قطرہ نکلجاوے اور باقی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عذاب قبر پیشاب کے نہ بچنے سے ہوا پس جس بات پر کہ عذاب ہی اس سے جسطرح ممکن ہو بچنا واجب ہی اکثر یہ کہ فقط پانی کے دھونیسے قطرہ موقوف نہین ہوتا پس لینا ڈھیلے کا ضروری ہوا بموجب ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشاب سے بچا وبہت کرو

اقول بن سے ... اے عقل فرزین اس حدیث اور اوپر کی حدیث کا ایک ہی مضمون
ہو یعنی تاکید ہی پیشاب سے بچنے کی اور پاکیزگی حاصل کرنے کی ڈھیلے اور پتھر کا اسمین کہین نام ہی نشان
کیا قاعدہ آپکو معلوم ہو کہ جیسے بعضی آیت بعضی آیت کی تفسیر ہوتی ہی اسیطرح بعضی حدیث
بعضی حدیث کی تفسیر ہوتی ہی ان دونون حدیثون کی مفسر ایک تو وہ حدیث ہی ترمذی کی جو
بروایت حضرت عائشہ اوپر ذکر ہو چکی اور ایک حدیث ہی جو خود آپنے ثبوت مین تحریر فرماتے ہین
کہ ایک حدیث لا یستتر آیا ہی یعنی نہین کھینچا تھا ستر اپنے کو کہ قطرہ نکلجاے اور باقی نرہے کیونکہ
جسوقت پیشاب کو تھن کی طرح سونتتے تو بالکل قطرہ نہین رہتا یہ بھی سنت ہی آپ
صاحبون نے پہلے لفظ لا یستنزہ و لا یستتر کا مطلب تو سمجھ لیا ہوتا کہ موافق ہی یا مخالف بقول
شخصے **مصرع** چرا کاری کند عاقل کہ باز آید پشیمانی مگر یہ بات جب حاصل ہوتی ہی کہ جب
عقل ہو اول عقل نہین دوم دروغ گورا حافظہ نباشد۔ تیسری دلیل لیجیے عن ابی ایوب
وجابر وانس ان ہذہ الایۃ لما نزلت فیہ رجال یحبون ان یتطہروا واللہ یحب المطہرین
یعنی روایت ہی ابو ایوب و جابر اور انس رضی اللہ عنہم سے یہ تینون اصحاب جلیل القدر روایت
کرتے ہین کہ جسوقت یہ آیت نازل ہوئی کہ بیچ اس مسجد قبا کے چند مرد ہین کہ دوست رکھتے
ہین یعنی مبالغہ کرتے ہین بیچ طہارت کے اور اللہ تعالی دوست رکھتا ہی مبالغہ کرنیوالون کو
بیچ طہارت کے اور مراد ساتھ اس گروہ کے انصار ہین قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یا معشر الانصار ان اللہ تعالی قد اثنی علیکم فی الطہور فما طہورکم قالوا نتوضا للصلوۃ
ونغتسل من الجنابۃ و نستنجی بالماء قال فہو ذاک فعلیکموہ رواہ ابن ماجہ یعنی
یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے گروہ انصار بدرستیکہ اللہ تعالی تحقیق تعریف
کرتا ہی اوپر تمھارے بیچ طہارت کے پس کیا ہی طہارت تمھاری اور کیونکر کرتے ہو اسکو
اور کیا مبالغہ کرتے ہو بیچ اسکے کہا گروہ انصار نے وضو کرتے ہین ہم واسطے نماز کے
اور غسل کرتے ہین ہم جنابت سے اور استنجا کرتے ہین پانی سے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے پس تعریف کرنا اللہ تعالی کا اوپر تمھارے بسبب اسکے ہی یعنی غسل بھی پانی سے
وضو بھی پانی سے اور استنجا بھی پانی سے کرتے ہو پس لازم پکڑو تم اسکو یعنی بطور لازمی ہمیشہ

پانی سے استنجا کرتے رہو۔ روایت کیا اسکو ابن ماجہ نے علاوہ ازین احادیث مذکورہ بالا کے
ہر مذہب کے عقلا و جہلا بالاتفاق اس امر پر متفق ہین کہ جو پاکیزگی اور صفائی پانی سے
حاصل ہوتی ہی وہ صفائی کسی چیز سے حاصل نہین ہوتی ۔

قال چنانچہ قرون ثلاثہ مین تعامل حضرت عمر کا ہوا مصنف ابن ابی شیبہ مین منقول
ہے عن یسار کان عمر اذا بال مسح ذکرہ بحایط او حجر و لم یمسہ ماء
یعنی تھے حضرت عمر جب پیشاب کرتے لگاتے ستر اپنے کو ساتھ دیوار کے یا پتھر کے
اور نہ لگاتے اسکو پانی ۔

اقول۔ اے مفتیان صاحبان مین قسمیہ کہتا ہون کہ تم مین سے کسی نے ابھی تک اپنی
آنکھ سے مصنف ابن ابی شیبہ کو نہ دیکھا ہوگا اگر اس اثر کی حقیقت آپکو معلوم ہوتی تو ہرگز اس
سے استدلال نہ کرتے سچ ہے حبك الشی یعمی ویصم یعنی محبت کسی شے کی اندھا اور بہرا
کردیتی ہے تو محبت تقلید نے تمکو اندھا اور بہرا کردیا۔

افسوس صد افسوس بلکہ ہزار افسوس اے مفتیان صاحبان بالفرض والتقدیر اس اثر
حضرت عمر مدلولہ تمھاری کو صحیح بھی مان لیا جائے تو آپکی تقلید اسوقت پوری ہو کہ جب آپ
بھی بعد پیشاب کے ستر کو دیوار یا زمین سے لگایا کرین۔ یہ ڈھیلا جو آپ لیتے ہین
بموجب اس اثر حضرت عمر کے خلاف حضرت عمر کے کرتے ہین اور بعد ڈھیلے کے
پانی سے جو دھوتے ہو یہ دوسرا خلاف حضرت عمر کا ہی کیونکہ ولم یمسہ الماء جو اخیر
فقرہ اثر مذکور کا ہی صاف کہہ رہا ہے کہ صرف زمین اور دیوار کے لگانے پر کفایت
کرتے اور نہ چھوتے تھے پانی کو اور آپ اپنے دعوی مین تحریر کر چکے ہین کہ پوری پاکی
جب ہوتی ہی کہ پہلے ڈھیلا لے اور پھر پانی سے دھووے تو آپ کی اس تقریر سے
معلوم ہوا کہ حضرت عمر بھی آدھی طہارت کرتے تھے اور ہمیشہ آپکے نزدیک بموجب
اثر مدلولہ آپکے سب تو نہین مگر آدھے نجس حضرت عمر بھی رہے نعوذ باللہ من ذلک۔ ذرا
سونچ سمجھ کے باتین کیا کرو بغیر سونچے سمجھے بات کرنا شیوہ نفاق ہی۔

قال اور حضرت نے فرمایا ہی علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی یعنی

میرے طریقہ کو پکڑو اور میرے خلفاء راشدین کے طریقہ کو پکڑو اور حضرت عمر خلفاے
راشدین سے ہین حضرت عمر کا طریقہ پکڑنا ایسا ہوا جیسا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا طریقہ پکڑنا اس سبب سے حنفیون نے ڈھیلا لینا اور اسکے بعد پانی سے دھونا
عین سنت اسلام ہی۔

اقول بیشک یہ حدیث صحیح ہے مگر اسکے سمجھنے سے آپ صاحبون کے افہام قاصر ہین
اور قیاس مع الفارق مفتی صاحب محررین فتوی تو علوم دین سے محض معرا ہین لیکن
جن نتھوخیرا نے اس فتوی پر العبد کیے ہین وہ بالکل جاہل بلکہ اجہل ہین ای ناواقفان
علم حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین سے یہان وہی پابندی سنت رسول
صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہو کہ جس طرح خلفاء راشدین اسکے پابند رہے ہین اسیطرح
تم بھی پابند سنت رہو نہ یہ کہ ان کا قول وفعل پیغمبر کی سنت ہوجاے باوجود موجود
ہونے قول وفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ کیا آپکو نہین معلوم کہ جب کوئی فعل
کسی صحابہ یا خلفاء راشدین سے خلاف سنت صحابہ دیکھتے تو سخت ناراض ہوتے تھے
چنانچہ مسلم شریف مین کئی حدیثین اس مدعا پر موجود ہین ایک دو بیان کیجاتی ہین
عن عبد الرحمن بن یزید یقول صلی بنا عثمان رضی اللہ عنہ بمنی اربعۃ رکعات
فقیل ذلک لعبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم فرجع ثم قال صلیت مع النبی صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم بمنی رکعتین وصلیت مع ابی بکر الصدیق بمنی رکعتین وصلیت
مع عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ) بمنی رکعتین فلیت حظی من اربع رکعات رکعتان
متقبلتان یعنی عبد الرحمن نے کہا نماز پڑھی ہمارے ساتھ حضرت عثمان نے منا مین چار رکعت
اور کسی نے اسکا ذکر عبد اللہ بن مسعود سے کیا تو انھون نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون
پھر کہا مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منا مین دو رکعت پڑھی۔ اور
ابو بکر صدیق کیساتھ دو رکعت اور عمر ابن خطاب کے ساتھ دو رکعت پڑھی تو مین
امید کرتا ہون کہ جاے دو ہی رکعت پڑھی ہوتین تو بہتر تھا شارح نووی علیہ الرحمہ اس
حدیث کی شرح مین بیان کرتا ہی کہ عبد اللہ بن مسعود کو یہ مخالفت حضرت عثمان کی

بری معلوم ہوئی اور حضرت عثمان کے فعل پر ایسا حسرت وافسوس کر کے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا کہ جیسے کسی عزیز کے مرنے پر پڑھتے ہین - اگر سنت خلفاے راشدین سے یہ مراد ہوتی کہ خلفا کا قول وفعل خواہ موافق رسول الثقلین ہو یا مخالف وسنت ہی ہے تو ابن مسعود جنہیں تمام جہان کے حنفی اپنے مذہب کی بنیاد بتلاتے ہین کبھی افسوس اور غم نہ کھاتے اور کبھی فعل خلفا پر ناراض نہ ہوتے ۔ دوسری حدیث مسلم مین اسطرح پر آئی ہے عن وبرة قال کنت جالسا عند ابن عمر رضی اللہ عنہما فجاء رجل فقال ایصلح لی ان نطوف بالبیت قبل ان اتی الموقف فقال نعم فقال فان ابن عباس رض یقول لا تطف حتی تاتی الموقف فقال ابن عمر رض فقد حج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فطاف بالبیت قبل ان یاتی الموقف فبقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احق ان ناخذ او بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کنت صادقا یعنی وبرہ نے کہا کہ مین ابن عمر کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور کہا کہ کیا مجھے طواف کرنا قبل عرفات کے درست ہے ابن عمر نے کہا کہ ہان اُسنے کہا کہ ابن عباس تو یون کہتے ہین کہ جبتک عرفات مین نہ جاے تب تک طواف نکرے ابن عمر نے کہا کہ جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حج کیا اور بیت اللہ کا طواف کیا عرفات مین جانے سے پہلے تو رسول اللہ کا قول لینا بہتر ہے یا ابن عباس کا اگر تو سچا ہے ۔۔۔ یہ جو فرمایا ابن عمر نے اگر تو سچا ایماندار ہے یعنی اگر تو ایماندار ی مین سچا ہے اور نبی پر یقین سچے طور سے رکھتا ہے تو رسول کا قول شریف ہوتے ہوے کسی کے قول کی طرف التفات بھی نکر ابن عباس ہون یا ان کے والد عباس کیون نہون اس سے معلوم ہوا کہ رسول معصوم کا قول فعل ہوتے ہوے کسیکے قول پر چلنا خواہ صحابہ ہون یا امام یا مجتہد یا کوئی پیر و مرشد وغیرہ یہ سچے ایماندارون کا کام نہین ہے اور صحیح مسلم مین ہے کہ حضرت عمر و حضرت عثمان تمتع یعنی عمرہ کر کے حلال ہو جانے اور پھر از سر نو حج کے لیے احرام باندھنے کو منع فرماتے تھے حضرت علی وغیرہ ان کے مخالف تھے بلکہ ترمذی مین ہے کہ عبد اللہ بن عمر بھی اس مسئلہ مین باپ کے

مخالف تھے کسی نے عبداللہ بن عمر سے اسی تمتع کا مسئلہ پوچھا تو آپنے جائز فرمایا پھر سائل نے کہا کہ تمہارے باپ (حضرت عمر) تو منع کرتے تھے اسکے جواب مین عبداللہ بن عمر نے کہا کہ بھلا اگر ایک کام کو پیغمبر خدا نے کیا ہو اور میرے باپ نے منع کیا ہو تو کہو رسول اللہ صلعم کا اتباع کیا جائیگا یا میرے باپ کا اور صحیح مسلم مین ہو کہ حضرت عمر پانی نہ ملنے کی حالت مین بھی جنبی کو تیمم کرنے سے منع کرتے تھے جسمین صحابہ انکے مخالف رہے بلکہ ان کی اس بات کو ائمہ مذہب سے بھی کسی نے قبول نہین کیا۔

تمام ہوا رسالہ حصول التقا باختصار

تمت الطبع

الحمد للہ کہ یہ رسالہ الجمرۃ مولفہ جناب فخر الحکما دام ظلہ جو مدت سے نایاب تھا دوسری مرتبہ طبع ہوا اور اسکے ساتھ بطور ضمیمہ خلاصہ رسالہ حصول التقا بھی طبع کیا گیا جو مولوی مبارک علی صاحب اہلحدیث کا رسالہ ہو اور پہلے مطبع انصاری مین چھپ چکا تھا مگر چونکہ اس رسالہ مین بھی کلوخ لینا بدعت عمری قرار دیا گیا ہے اسلیے بغرض فائدہ عوام و خواص بطور ضمیمہ طبع کیا گیا۔ جس سے امید ہے کہ ناظرین بہت مسرور ہون گے اور اس بدعت کو ترک کرین گے۔

اصل رسالہ مین ایک حرف کا تصرف نہین کیا گیا البتہ بغرض اختصار غیر ضروری باتین حذف کر دی گئین جن مین زیادہ تر وہ لن ترانیان تھین جو فرقہ احناف و اہلحدیث مین ہوا کرتی ہین بعض مطالب ایسے بھی ہین جو فرقہ شیعہ کے مخالف ہین مگر اُن سے اسوجہ سے تعرض نہ کیا گیا کہ مولف اسکا فرقہ اہلحدیث کا ایک عالم ہے اور اس فرقہ کے عقائد و حالات معلوم ہین۔

اس رسالہ کے طبع کی ایک خاص ضرورت یہ بھی تھی کہ رسالۃ الجمرہ نے چونکہ عام طور سے فرقہ اہلحدیث کی بنیاد کو ڈھیلی کر دی جس سے عوام و خواص کو بھی معلوم ہونیلگا کہ ان لوگون کا دعوی باتباع حدیث محض زبانی ہے ورنہ اصلی مذہب انکا دہی ہے

جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کا اختراعی مذہب تھا۔ اسلیے بعض حضرات کو رسالہ کلوخ
سے ایک خاص طرح کی کاوش پیدا ہوئی جسپر چند مہمل اعتراض بھی بطور رسالہ کے
شایع کیے اور نام اسکا رمی الجمرۃ رکھا جسکا جواب بھی فوراً تحریر ہوا۔ مگر
بدانتظامی مطبع سے اسکے طبع کا سامان نہوسکا اسلیے مین نے اس رسالہ حصول
النقار مولفہ مولوی مبارک علی صاحب اہلحدیث کا خلاصہ شایع کیا تاکہ فرقہ اہلحدیث
کو معلوم ہو اس کلوخ کا بدعت ہونا ایسا واضح امر ہے کہ خود علماے اہل حدیث
بھی اسکے قایل ہین اور مخصوص رسائل اس مادہ مین لکھ چکے ہین تو اصل مسئلہ
گویا محقق ہو چکا کلوخ لینا بدعت ہے اہلحدیث کے نزدیک بھی بدعت ہے
رہی وہ دریدہ دہنی جو رسالہ رمی الجمرۃ مین کی گئی ہے اور اسکے لائق
مصنف نے اپنی شرافت کا ثبوت دیا ہے پس درحقیقت اس کا جواب یہی ہے کہ
کہ جواب نہ دیا جاے۔ مگر ناظرین مطمئن رہین کہ عنقریب وہ جواب بھی شایع ہوگا کیونکہ
اصل رسالہ مدت سے مکمل ہے اور اسکا نام الثمرۃ لرامی الجمرۃ ہے اس رسالہ مین تہذیب
و متانت کا خاص طور پر التزام کیا گیا ہے تاکہ تمام عالم کو فرقہ اہلحدیث
کی تہذیب بھی معلوم ہو اور اسکے ساتھ فرقہ حقہ شیعہ کا صبر و تحمل
بھی بہرحال چونکہ مقصود اصلی اس رسالہ کا خیرخواہی اہل اسلام ہے
کہ وہ کلوخ کو ترک کرکے پانی سے استنجا کرین جو سنت رسول اللہ
ہے لہذا تمام اہل اسلام سے ملتمس ہین کہ تعصب اور ضد
کو ترک کرکے حق کی طرف راجع ہون واللہ
بالغ امرہ واللہ یہدی من یشاء
الی صراط مستقیم

محمد حمید کرار
منیجر مطبع اصلاح